

ندوة المصنفين دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برکات

مرتبہ
سعید احمد کسرا بادی

مکمل لغت القرآن

(پچھ جلدوں میں)

قرآن کریم کے الفاظ کی شرح اور اس کے معانی و مطالب کے حل کرنے اور سمجھنے کے لئے اردو میں اس سے بہتر اور جامع کوئی لغت آج تک شائع نہیں ہوئی۔ اس عظیم الشان کتاب میں الفاظ قرآن کی مکمل اور دل پذیر شرح کے ساتھ تمام متعلقہ چیزوں کی تفصیل بھی ہے۔ ایک مدرس اس کتاب کو پڑھ کر قرآن مجید کا بہترین درس دے سکتا ہے اور ایک عام اردو خواں اس کے مطالب سے نہ صرف قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی طرح کر سکتا ہے بلکہ اس کے مضامین کو بھی سمجھ لے سکتا ہے اور اہل علم و تحقیق کے لئے اس کے علمی سیاحت لائق مطالبہ جس "لغات قرآن" کے ساتھ الفاظ قرآن کی مکمل اور راست و درست تفسیر دی گئی ہے جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام لفظوں کے حوالے پڑی سہولت سے نکالے جاسکتے ہیں۔ مکمل لغات قرآن اپنے انداز کی لاجواب کتاب ہے جس کے بدلے میں دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جلد اول صفات ۲۲۳	پڑی نقیض	فی جلد چار روپے آٹھ آنے
جلد دوم	۳۳۷	فی جلد پانچ روپے آٹھ آنے
جلد سوم	۳۳۷	فی جلد پانچ روپے ..
جلد چہارم	۳۸۹	فی جلد پانچ روپے ..
جلد پنجم	۵۰۰	فی جلد چھ روپے ..
جلد ششم	۳۶۳	فی جلد چار روپے آٹھ آنے

(پوری کتاب مجموعی قیمت ۲۶۹۶)

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

لے باعث انہوں نے بڑی بڑی سختیاں جھیلیں اور مصائب برداشت کئے۔ لیکن غم و ہمت میں ذرا پیدا نہیں ہوئی۔ طبعاً بڑے ہنسوز اور خوش مزاج تھے اور ساتھ ہی بڑے یقین القلب بھی ہوئے۔ کلام آزاد کے تو عاشق و اہل تھے اور اس لئے ان کی وفات کے بعد وہ خود بھی اپنی زندگی سے ہٹ گئے تھے لیکن بہت سے لوگوں کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی وفات کی خبر جب انھوں نے سنی تو اس طرح بے ساختہ بلک بلک کر روئے ہیں کہ دیکھتے والوں کو ان پر رحم آتا

اللہم اغفرلہ واسرحہ

احباب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ راقم الحروف صومالیہ میں اس وقت چاندی کے بعد درجہ عالیہ کلکتہ کی ن سے سکڈش ہو کر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے منسلک ہو گیا ہے۔ اس لئے ذاتی خط و کتابت مندرجہ ذیل پتوں میں سے کسی پتہ پر کی جائے۔

(۱) صدر شعبہ سنی دینیات - مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

(۲) علی منزل - لال ڈگری روڈ - سول لائنز - علی گڑھ۔

کلکتہ میں قیام کی یہ مدت دیکھتے دیکھتے ایک غاب کی طرح پوری ہو گئی! وہ خواب بھی وہ جوڑ حسین و عجمی کے اثرات عمر بھر ذہن میں جاگر رہتے ہیں یہاں ایک پڑوسی کی پذیرائی جس طرح جوڑ منٹ نے کی۔ ایہ کے ساتھ اور طلباء نے کی اور سلیک کے مختلف طبقات اور جماعتوں نے کی اس کی وجہ سے کلکتہ سا اور پورا مغربی بنگال عموماً پڑیس نہیں بلکہ وطن سے بھی کچھ زیادہ گہوارہ انس و محبت ہو گیا تھا میں نے وہاں کی تاریخ قصہ آغوشی رکھی۔ لیکن روانگی سے ایک ہفتہ قبل جب اس کا اظہار ہو گیا تو وہاں کے دوستوں نے مختلف طریقوں سے جس طرح اپنے تعلق خاطر کا اظہار کیا ہے اس کو میں اپنی توجہ مستحق ایک سرطانی تصویر کرتا ہوں۔ علی ادبی و ثقافتی و تعلیمی اداروں اور انجمنوں نے اور وادی پارٹیوں اور جلسوں کا انتظام کیا۔ اسی طرح شخصی طور پر مختلف دعوتوں کا بندوبست کیا۔ اور اخبارات نے اس کو ادنیٰ سے اعلان میں میری تقریریں علی حوالہ تھے شائع کیں اس کے علاوہ طویل ادارے اور اداروں نے اس کو اس طرح کے کوائف و مقالات شائع کیے کہ وہ عزت افزائی کی ایک بغیر اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا و ادبی تقریرات کے موقع بہت کم گئے وہ دوستوں نے جو تقریریں کیا

یا نظیں پڑھیں اُن کا ایک ایک لفظ خلوص محبت اور شفقت کا آئینہ دار تھا حدیث ہے کہ بڑے بڑے سز رسیدہ بزرگوں اور ہم عمر دوستوں کو یہ ساختہ روتے اور گلو گرفتہ میں نے تنہا نہیں تمام شکر کائے جلسے دیکھا ہے بعض وہ حضرات جن سے ملک کی مدت قیام میں ایک مرتبہ بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی انہوں نے بھی ایسی نظیں لکھیں اور سنائیں جن کا لفظ لفظ درد و اثر میں ڈوبا ہوا اور انتہائی مخلصانہ جذبات کا ترجمان تھا یہ نظیں چل کر فنی اعتبار سے بھی بڑی پختہ اور بلند ہیں اس لئے جستہ جستہ برہان "میں بھی شائع ہوں گی" اردو-عربی اور بنگلہ زبانوں میں لکھے ہوئے پاس ناموں کا اتنا انہار لگ گیا کہ ملک سے منتقل ہوتے وقت بنگلہ اور اٹانڈہ بیت کے اُن کا ایک مستقل حد ہو گیا۔ اور چون کہ وہ سب شیش میں فریم کئے ہوئے تھے اس لئے اُن کو بڑی احتیاط سے لانا پڑا۔ محبت و خلوص اور نوازش و کرم کے ان غیر معمولی مظاہروں کو یہ بندہ ناچیز دیکھتا تھا اور مولانا محمد علی مرحوم کا یہ مصرعہ بار بار پڑھتا تھا

اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کرامتیں

حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی نسبت کبھی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا۔ میں آم کم و کم نام کے بمصدق میں اپنی بساط اور پچ میرزی سے کبھی غافل نہیں ہوا۔ یہ جو کچھ ہوا محض لطف و کرم خداوندی ہے خدا جانتے کسی حقیر بندہ پر جہان ہوتا ہے تو اُس کے نزدیک اور دوستوں کے دل میں اس کی طرف سے ایسا ہی حسن ظن اور تعلق خاطر پیدا کرتا ہے وہ اسی وجہ سے اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کا مقصد و اما بنعتہ دیکھ حضرت کی تعمیل اور بحسب من لحد شکر اناس لعین شکر اللہ تبارک و امتنان کے سوا کچھ اور نہیں۔ بخیر احمد اللہ عنی احسن الجزاء۔

مغربی جنگل عموماً اور ملک کے مسلمانوں کا مخصوص صفت اللہ تعالیٰ نے بحیثیت مجرمی جو خصوصیات رکھی ہیں اُن میں عالی مرتبتی ہے۔ بیدار مغربی ورتوانائی ہے مذہبی ورتوحی مسائل سے دل چسپی اور اُن کی گتھیوں کو سلجھانے کا جذبہ ہے ملی اور شافعی روایات کو محفوظاً اور زندہ رکھنے کا دلولہ ہے اگر یہ سب مل جل کر کام کریں تو پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق و مسائل درموند بن سکتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی مدد میں شامل حال کرے۔

یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ

جناب شبیر احمد خاں صاحب خودی ایم اے ایل ایل بی۔ بی ٹی ایچ رجسٹرڈ امتحانات
عربی و فارسی اتر پردیش

۱۔ یونانی جانتے والے مترجمین | ”یونانی علوم مسلمانوں میں کس طرح منتقل ہوئے“
یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔

مستشرقین نے اپنے قومی تفوق کے ادھاک بن کر یونانی علم و حکمت اور ”مسلمانوں“
کی عقلی موٹگافیوں کے درمیان شامی میسائیوں کو دیسٹ قرار دیا ہے: یعنی مسلمانوں
نے علوم و فنون کی ترقی میں جو خدمات شائستہ بھی انجام دی ہوں، اصلادہ شامی
میسائیوں ہی کے شاگرد تھے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ اس مفروضہ کے مقدمات سطحی ہیں اور مستشرقین کا استدلال سا
تنقید کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا۔

اس کے مقابلے میں مسلمان مؤرخین نے یونانی علم و حکمت کے مسلمانوں میں منتقل
ہونے کی جو نیات و تفصیلات اسلامی تواریخ میں قلب بند کی ہیں اگرچہ منتشر طور پر۔ ان
کا ماحصل یہ ہے کہ یونانی علوم مسلمانوں میں تین راستوں سے داخل ہوئے :-

(۱) طبقہ کتاب و دبیران کے ذریعہ جو اکثر حالات میں نو مسلم ایرانی تھے۔

(۲) علماء و امارات کی تشیخ و تشویق اور سرپرستی میں پیشہ ور مترجمین کے ذریعہ

جو یا تو عراق اور جندی ساپور کے مناظرہ تھے یا حران کے صابئی۔

(۳) اسکندریہ کے جدید فلاسفہ کے مشائی معلمین کے ذریعہ جو تیسری صدی کے

آخر میں انطاکیہ و حران جوتے جوتے بند اور پھینچ گئے تھے۔

اس کی تفصیلی کیفیت ”یونانی منطق کے قدیم عربی تراجم“ اور ”فارابی کی منطق“ میں مذکور ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ کہا گیا اس کا ماحصل تو وہی مستشرقین کے محرز بالا مفروضہ کی تفصیل و تبصیر ہے جس پر تبصرہ مستشرقین کے مفروضہ کی تنقید میں کیا جائے گا مگر اس ضمن میں ایک عجیب بات دیکھنے میں آئی جس کا منشا حسب ذیل ہے۔

”مسلمان علماء فارسی سے مختلف اسباب کی بنا پر براہ راست واقف تھے۔ قدیم رومی زبان کے جاننے والوں کا ذکر بھی خال خال کتب تراجم میں نظر سے گذرا ہے۔ لیکن یونانی کے جاننے والے علماء کا تذکرہ شاید نظر سے نہیں گزرا“

اس خیال کی اور اسی طرح دوسرے خیالات کی تائید میں ابن النذیم، ابن القفطی، ابن ابی اصیبعہ وغیرہ کا حوالہ دیا گیا ہے :-

”الفصل، فہرست ابن ندیم، تاریخ الحکماء، عیون الانباء اور دوسری تراجم و تاریخ کی کتابوں سے بھی اس رائے کی تائید میں مدد ملتی ہے“

لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ ان مآخذ و مصادر کے مطالعہ کی یا تو رحمت نہیں فرمائی گئی یا فوٹائی گئی تو ان کی تصریحات کو اس سبب ناقابل اعتناء سمجھا گیا گویا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

(۱) اصولاً یہ امر قابل غور ہے کہ جو یونانی علوم مسلمانوں میں منتقل ہوئے وہ صرف فلسفہ اور طب ہی میں منحصر تھے۔ ان کا بڑا حصہ ریاضیات پر مشتمل تھا۔ پھر ریاضیات میں مشغولیت عملی اذبان کا حصہ ہے اور سریانی علماء [شامی عیسائی] جنہیں یونان اور اسلام کے درمیان وسیط قرار دیا جاتا ہے، مذہبی موشگافیوں میں مشغول تھے۔ انھیں ان Exact Sciences کے مطالعہ کی فرصت کہاں۔

اس بات کی تائید قدیم سریانی ادب کی تواریخ سے ہوتی ہے۔ سریانی ادب کی

لے معارف اعظم کلمہ بابت اپریل مئی جون جولائی ۱۹۵۵ء لے معارف اعظم کلمہ بابت نومبر دسمبر ۱۹۵۵ء جنوری فروری مارچ اپریل ۱۹۵۶ء

تاریخوں میں منطق، فلسفہ، طب اور دیگر عرفانی علوم occult sciences کے تراجم و تفصیلات کا ذکر ہے مگر ہندو دہیئت کی کسی مہتمم بالشان کتاب مثلاً اصول اقلیدس، مخروطات، ایلونوس وغیرہ کے سریانی ترجمہ کا پتہ نہیں چلتا۔ اس سلسلے میں دو باتیں قابلِ ملاحظہ ہیں (۱) مشرقی (سریانی بولنے والے) عیسائیوں کو خواہ وہ نسطوری ہوں یا یعقوبی منطق و فلسفہ سے براہِ راست کوئی لمبھی نہ ملتی بلکہ وہ ان علوم کو اپنے مذہبی معتقدات، نزق وارانہ موافقت کی تائید و تشبیہ کے لئے دیکھتے تھے اور چون کہ نسطوری تعلیمات دوسرے مسیحی فرقوں کے برخلاف زیادہ قرین عقل تھیں اس لئے ان کی تائید و تشبیہ کے لئے نسا طرہ یونانی فلسفہ سے مدد لیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر نسطوری مبلغ جس طرح مسیحیت کا مبشر تھا اسی طرح یونانی فلسفہ کا معلم بھی تھا۔ اس طرح ارسطو کی بہت سی کتابیں اور ان پر بعد کے مفسرین نے جو تعلیقات لکھی تھیں سریانی زبان میں منتقل ہوئیں۔ اس نسطوری ترجمہ کی تحریک کا آغاز پانچویں صدی مسیحی میں ”ایاس“ نے کیا جس نے سب سے پہلی مرتبہ فروریوس کی ایسا غوجی کا سریانی میں ترجمہ کیا تھا۔

یو مشترک *Seumoteuch* کی ”تاریخ ادب سریانی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقِ قریب (میسوپوٹامیہ، سریا اور مغربی ایران) میں طب کی تعلیم کا رواج نہ تھا۔ طب کی تعلیم صرف اسکندریہ کے مدرسہ کے ساتھ مخصوص تھی جہاں یاقبہ *Medicorum* کا غلبہ تھا نسطوری علماء علی العموم علوم فلسفہ ہی کے ساتھ اعتبار کرتے تھے۔ وہ یونانی فلاسفہ کی کتابوں، بالخصوص ارسطاطیلیسی منطق اور اس کی شروح کو یونانی سے سریانی میں منتقل کیا کرتے تھے۔

بعد میں یعقوبی عیسائیوں نے بھی منطق و فلسفہ کے ساتھ اعتنا شروع کر دیا اور ان کے مشاہیر علماء نے بھی فلسفہ و حکمت کی کتابوں کا سریانی میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ ان میں

سرجس راس یعنی زیادہ مشہور ہے۔ اسی طرح نستوری علماء نے طب کے ساتھ اعتنائ میں کیا اور غالباً یہ اعتنا خسرو انوشیرواں (۵۳۱ - ۵۷۲) کے عہد میں جنڈی ساپور کے مدرسہ کے قیام کے بعد بہت زیادہ بڑھ گیا چنانچہ صدر اسلام میں جنڈی ساپور کے مدرسہ طب اور اُس کے سیارستان پر ہی نستوری علماء چلتے ہوئے تھے۔ انہیں کو عباسی خلفائے بابر اپنا معالج خصوصی مقرر کیا اور انہیں کے ذریعے طب کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہونا شروع ہوئیں۔

لیکن ریاضیات [بالخصوص ریاضیات اعلیٰ] کے ساتھ سریانی بولنے والے مسیحیوں میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں ملتا۔

(ب) عہدِ حاضر میں محققین نے ریاضی و ہیئت کی جن قدیم ادبیات عالیہ کو ایڈٹ کیا ہے اُن کے مقدموں میں ان کتابوں کے قدیم مخطوطات نیز مختلف زبانوں میں اُن کے تراجم کا بھی تفصیلی گوشوارہ دیا ہے۔ مثلاً ٹی۔ ایل۔ ہیڈتھ *T. L. Heath* نے اصول اقلیدس کا ایک بہت اچھا ایڈیشن مرتب کیا ہے اس کے مقدمہ میں انہوں نے اقلیدس کے ان تمام تراجم کا ذکر کیا ہے جو مختلف زبانوں عربی، لاطینی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن وغیرہ میں ہوئے ہیں مگر کسی سریانی ترجمہ کا ذکر نہیں کیا۔ کوئی اور مصنف بھی اصول اقلیدس کے کسی سریانی ترجمہ کا حوالہ نہیں دیتا۔ اس لئے فوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سریانی زبان میں اصول اقلیدس کا ترجمہ نہیں ہوا۔ اسی طرح بارہویں صدی مسیحی سے پیشتر اصول اقلیدس کے لاطینی ترجمہ کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اقلیدس کا قدیم ترین لاطینی ترجمہ جو عرصے تک رومن دنیا میں مقبول رہا، بونیتیکس *Bonitius* کا تھا گریہ اصول اقلیدس کے ابتدائی مقالوں کی تلخیص تھی۔ کامل اقلیدس کا لاطینی میں ترجمہ پہلی بار بارہویں صدی مسیحی میں ہوا حالانکہ اس سے پہلے عربی میں اقلیدس کے کم و بیش پانچ ترجمے ہو چکے تھے [اور واقعہ تو یہ ہے کہ اقلیدس کے یہ لاطینی تراجم براہِ راست یونانی سے نہیں بلکہ عربی ترجمے سے ماخوذ تھے]

غرض جس وقت مسلمانوں میں اقلیدس کا ترجمہ ہوا دنیا میں نہ اصول اقلیدس کا سرکاری ترجمہ موجود تھا نہ لاطینی ترجمہ۔ اسی طرح یونانی ہندو ہیئت کی دیگر ادبیات عالم کے سریانی یا لاطینی تراجم بھی نہیں ہوئے تھے۔

مگر یونانی علوم کی پہلی کتاب جو عربی میں ترجمہ ہوئی وہ اصول اقلیدس تھی۔ ابن خلدون لکھتا ہے۔

”کتاب اقلیدس اول اصول اقلیدس یونانی کتابوں میں سب سے
ما ترجمہ من کتب الیونانیین پہلی کتاب ہے جس کا خلیفہ منصور عباسی
فی الملة ایام ابی جعفر المنصور“ کے زمانہ میں عربی میں ترجمہ ہوا۔

اس کے بعد ہارون الرشید [۱۷۰-۱۹۳ ہجری] کے زمانہ میں برکنہ کی سرپرستی کے اندر حجاج بن یوسف بن مطر نے پوری اقلیدس (۱۳ مقالے) کا ترجمہ کیا جدید تحقیقات ثابت کیا ہے کہ حجاج بن یوسف کا ترجمہ اقلیدس حرف بحرف یونانی اصل کی عربی نقل ہے۔ ظاہر ہے کہ منصور عباسی کے زمانہ کے ترجمہ اقلیدس یا حجاج کے تراجم اقلیدس [نقل ہارونی اور نقل مامونی] کی اصل نہ سریانی ہے نہ لاطینی۔ اس لئے یقیناً یہ ترجمہ براہ راست یونانی سے ہوئے تھے اور اس کے بعد تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ جہد منصور کی مترجم اقلیدس اور حجاج بن یوسف بن مطر یونانی زبان بہت اچھی طرح جانتے تھے۔

تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں اسحق بن حسین نے از سر نو اقلیدس کا عربی میں ترجمہ کیا اور ثابت بن قریہ نے اس پر اصلاح دی تھی۔ اہل بیتہ نے موکد طور پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ اسحق نے براہ راست یونانی سے ترجمہ کیا تھا۔ نیز ثابت بن قریہ نے اقلیدس کے مستطیلوں کی مثالوں کو سامنے رکھ کر اس پر اصلاح دی تھی :-

There seems no doubt that Isahag, who must have known Greek as well as his father, made his translation direct from the Greek... Had not undoubtedly consulted Greek/Arabic for the purpose of

۱۰ مقدمہ ابن خلدون مثلاً

his revision. This is expressly stated in a marginal note by a Hebrew version of the Elements made from Sahag.

اس بات میں کوئی شک معلوم نہیں دیتا کہ اسحق نے جو اپنے باپ کی طرح یونانی زبان طاعت کیا، اپنا ترجمہ براہ راست یونانی سے کیا تھا..... بلاشبہ ثابت ہے اس ترجمہ کی اصلاح کے واسطے یونانی نسخوں سے راجح کیا تھا۔ اسحق کے ترجمہ اقلیدس سے عبرانی زبان میں جو ترجمہ کیا گیا تھا اس کے حاشیہ میں اس بات کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے لیکن اقلیدس کا وہ عبرانی ترجمہ ہمارے سامنے نہیں ہے اور نہ اس تک رسائی کا بظاہر امکان ہے۔ مگر محقق طوسی کی تقریر اقلیدس موجود ہے محقق نے نویں مقالے کی اکتیسویں شکل کے آخر میں حسب ذیل نوٹ دیا ہے :-

”مردی عن ثابت ان هذا الشكل والذي قبله لم يكونا في النسخ اليونانية“
ثابت بن فروہ سے روایت ہے کہ یہ شکل اور اس سے پہلے والی شکل (مقالہ تاسع کی تیسویں اور اکتیسویں شکلیں) یونانی نسخوں میں نہیں تھیں۔

غرض اصول اقلیدس کے یہ ترجمہ براہ راست یونانی اقلیدس سے ہوئے تھے اقلیدس کے مفرد تراجم کا ذکر آگے آ رہا ہے یہی حال مخروطات و متوسطات اور بیاضی و ہیئت کی دوسری کتابوں کا ہے جو یونانی اصل ہی سے ترجمہ ہوئی تھیں۔ اس لئے ان کے مترجمین یقیناً یونانی زبان جانتے تھے۔ پھر ان کتابوں کے جو عربی تراجم آج موجود ہیں وہ یونانی اصلوں سے سرمختلف نہیں ہیں۔ لہذا ماننا چاہئے گا کہ ان کتابوں کے مترجم نہ صرف یہ کہ یونانی زبان سے شناسا تھے بلکہ اس کے جید عالم بھی تھے۔ (اس بات کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے کہ اس فن کے علمی حلقوں میں یونانی زبان و ادب جاننے کا بہت زیادہ رواج تھا)

(۲) منطق میں بھی سریانی زبان کے اندر صرف فروریوس کی ایسا خوبی اور اسطوکی

یہ *Notion Book of Euclid vol I p. 75-76* کے تقریر اقلیدس مطبوعہ طبرستان

آٹھ کتابوں میں سے ڈھائی تین کتابیں ترجمہ ہوئی تھیں لیکن چوتھی صدی ہجری میں ارسطو کی باقی منطق کی کتابیں کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا۔ ان پر شروع و خاسیر لکھی گئیں۔ نیز منطق کی اور کتابوں کے بھی ترجمہ ہوئے۔ ظاہر ہے یہ عربی تراجم مستقلاً سریانی تراجم پر مبنی نہیں تھے بلکہ یونانی سے براہ راست یا بالواسطہ ماخوذ تھے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(الف) مسیحیت اور منطق پر پابندی | چوتھی صدی مسیحی میں مسیحیت رومن سلطنت کا مملکتی مذہب قرار پائی۔ مسیحی پیشواؤں نے نہ صرف قدیم مذاہب کے پیروں کو اپنے تعصب و عناد کا شکار بنایا بلکہ علم و حکمت کے تعلیم و تعلم پر بھی پابندی لگائی۔ منطق کی تعلیم کا بڑا حصہ ممنوع قرار پایا۔ اس کی تفصیل ابن ابی اصیبعہ نے خود فارابی سے نقل کی ہے۔

جاءت النصيرية نصرانیت کا زمانہ آیا تمام مذہبی پیشوا

واجتمع الاساقفة وانشاءوا جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ اس تعلیم سے کتنا

فیما يترك من هذا التعليم وما حصہ باقی رکھا جائے اور کتنا مسترد کر دیا جائے

يبطل فراءوا ان يعلم من كتب پس یہ رائے قرار پائی کہ منطق کی کتابوں میں

المنطق الى آخر الاشكال والوجوه سے "اشکال و وجوہ" کے اختتام تک تعلیم

ولا يعلم ما بعده لانهم ساءوا دی جائے اور اس کے بعد کے مباحث نہ پڑھنا

ان في ذلك حضورا على النصيرية جائیں کیوں کہ ان کی رائے میں اس سے نصرانیت

..... الى ان كان الاسلام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا یہاں

بعدا بعدة طويلة .. تک کہ عرصہ دراز کے بعد اسلام کا زمانہ آیا

وكان الذي يتعلم في ذلك الوقت اور اس وقت تیسری صدی ہجری

الى آخر الاشكال الوجودية: کا آخر میں "اشکال وجودیہ" کے اختتام

تک تعلیم کا رواج تھا۔

لہذا طبقات العلماء ابن ابی اصیبعہ جلد ثانی صفحہ ۳۳

اور اس کے بعد کی منطقی تعلیم ممنوع تھی اور "الحجز الذی لا یقرأ" کہلاتی تھی۔ فارابی کہتا ہے۔

"وکان یبغی ما بعد الاشکال" اور اشکال وجودیہ کے بعد کا حصہ "الحجز الوجودیۃ الجزء الذی لا یقرأ" الذی لا یقرأ" کہلاتا تھا۔

فارابی کی اس روایت کی تصدیق میں ڈاکٹر کس مایر ہوف *Max Meyerhoff* نے اپنے مشہور مقالہ "اسکندریہ سے بغداد تک" کے اندر رینان *Renan* اور اسٹینڈلیئر *Steindler* کا حوالہ دیا ہے جو کہتے ہیں کہ ارغنون یا منطق کے سرکاری تراجم ہمیشہ تحلیلات اولیٰ (انالوطیقہ) کی ساتویں فصل پر ختم ہو جاتے ہیں۔ نیز پانچویں صدی سے جب کہ سطوری ترجمہ کی تحریک کا آغاز ہوا (یعنی پردوس انطاکی کے زمانہ سے) تحلیلات اولیٰ (کتاب القیاس) کے سوانہ اور کچھ ترجمہ ہوا نہ کسی اور کتاب کی تفسیر لکھی گئی۔ یہی انداز یعقوبی *Yaqubi* مضمون *مضمون* فرقہ کے علماء مثلاً جوہر *جوہر* سقف العربیہ کا بھی رہا۔ وہ بھی اس جرم کے علاوہ کسی اور چیز کی شرح کرتے ہیں نہ ترجمہ۔

اسی رسم پر فارابی کے زمانہ تک مسلمان مترجمین و مفسرین کتب منطق نے عمل کیا۔

ابتدائی تین صدیوں میں قاطیخوریاس *قاطیخوریاس* مضمون *مضمون* باری ارمینیا *ارمینیا* اور انالوطیقہ اولیٰ *انالوطیقہ اولیٰ* مضمون *مضمون* کے ترجمے ہوئے، تلخیصیں لکھی گئیں جو ارمینیا *ارمینیا* جو عیس اور شرح و تفسیر لکھی گئیں مگر بعد کی پانچ کتابوں (یودیقٹیقہ کتاب البرہان) *یودیقٹیقہ کتاب البرہان* (کتاب الجدل) *سوفسطیقہ کتاب الحکمۃ الموعظہ* (یودیقٹیقہ کتاب الخطابہ) *یودیقٹیقہ کتاب الشرح* کے ساتھ کسی نے اعتناء نہیں کیا۔ قاطیخوریاس کے مروجہ نسخہ کو حنین بن اسحق نے عربی میں ترجمہ کیا باری ارمینیا کو اس کے بیٹے اسحاق نے اپنے سرکاری ترجمے سے عربی میں نقل کیا اور انالوطیقہ کو تیار دوس نے عربی میں ترجمہ کیا اور حنین نے اس پر اصلاح دی۔

لے طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد ثانی صفحہ ۱۱۱ التراث البیرونی صفحہ ۱۱۱

خانیہ عربی تراجم سریانی سے ہوئے اگرچاس سے پہلے دوسری صدی کے ربح ثالث میں سکا
 حرانی نے ان تینوں کتابوں در فروریوس کی ایسا خوبی کا راہ راست یونانی سے ترجمہ کیا تھا۔
 (د) رسم قدیم سے بناوت | منطقی تعلیم کی رسم قدیم کے خلاف سب سے پہلے فارابی نے
 بناوت کی اور اُس نے امرار کے اپنے استاد یوحنا بن جیلان سے کتاب البرہان بھی پڑھی۔
 اس کے بعد مسلمانوں میں ”الجزء الذی لا یقرأ“ کے پڑھنے پڑھانے کا بھی رواج
 ہو گیا۔ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے :-

”قال ابو نصر الفارابی من نفسه ابو نصر فارابی نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ اُس
 انه تعلم من یوحنا بن جیلان نے یوحنا بن جیلان سے کتاب البرہان کے
 الی آخر کتاب البہان ... خاتمہ تک پڑھا پھر جب منطقی کی
 وصار للرم بعد الذلحیث تعلیم مسلمان متعلمین فلسفہ میں آئی تو یہ رسم
 صار لا من الی محلی المسلمین ہو گئی کہ طالب علم اشکال وجودیہ کے بعد
 ان یقر من الاشکال لوجوب (الجزء الذی لا یقرأ سے) جس قدر حصہ
 الی حیث قدس الانسان ان پڑھ سکتا ہو پڑھ لے۔
 یقر ۶۶

چنانچہ سب سے پہلے تیسری صدی میں حنین بن اسحق اور اُس کے بیٹے اسحق بن حنین نے ابو یوسف
 کو سریانی میں ترجمہ کیا اور اس سریانی ترجمہ سے فارابی کے محاصرہ متی بن یونان نے عربی میں ترجمہ
 کیا۔ اسی طرح اسحق بن حنین نے طوسیہ کو سریانی میں ترجمہ کیا اور یحییٰ بن عدی نے جو فارابی
 کا شاگرد تھا سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا سو فلسطیہ کا ابن تاہر اور متی بن یونان نے رطانی
 میں ترجمہ کیا اور یحییٰ بن عدی نے توفیلی ~~مستطعم~~ سے عربی میں ترجمہ کیا۔ رطویہ
 کذا اسحق بن حنین نے عربی میں ترجمہ کیا۔ یوسف کا کو متی بن یونان نے ترجمہ کیا۔

لے معارف جولائی ۱۹۵۵ء ص ۵۵ طبعات الاطباء لابن ابی اصیبعہ ص ۱۳۵

ابود یقظقا پر پہلے کندی نے شرح لکھی تیسری صدی کے آخر یا چوتھی صدی کے آغاز میں متقی بن یونان اور فارابی نے اس پر شروع لکھیں طوبیقا پر فارابی نے شرح لکھی۔ یونانی حکماء میں سے طوبیقا پر امونیوس اور اسکندر افرودیسی نے جو شرح لکھی تھی اُس کا عربی ترجمہ اسحق بن حنین نے کیا۔ دوسرا ترجمہ بو عثمان دمشقی نے کیا۔ سوفسطیقا کی تفسیر پہلے کندی نے کی پھر قویری نے۔ ریطوریتقا کی تفسیر فارابی نے کی اور ابوطیقا کی تلخیص کندی نے کی۔ ان میں قدیم ترین کندی ہے اُس نے ابود یقظقا پر شرح لکھی، سوفسطیقا پر شرح لکھی اور ابوطیقا کی تلخیص کی۔ کندی حنین بن اسحق اور اسحق بن حنین سے مقدم ہے جنہوں نے ابود یقظقا کو سریانی میں ترجمہ کیا۔ اور متقی بن یونان سے تو بہت زیادہ مقدم ہے جس نے سوفسطیقا کو سریانی میں اور ابوطیقا کو عربی میں ترجمہ کیا۔ لہذا کندی کے زمانہ میں کسی سریانی ترجمہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اب سوال یہ ہے کہ کندی نے یہ شروع اور تلخیص کس متن سے کیں یہاں اس بات کے تسلیم کے بغیر جارہ نہیں ہے کہ یا تو کندی کے پیش نظر ان کتابوں کے عربی تراجم تھے جو بعد میں غیر معروف ہو گئے مگر جو راہ راست یونانی سے کئے گئے تھے یا کندی نے ان کتابوں کی یونانی اصلوں کو سامنے رکھ کر ان کی شروع اور تلخیص لکھیں [غالباً یہ موخر الذکر شق زیادہ قرین قیاس ہے اس کی تفصیل آگے لگائی جائے گی] رہے حنین بن اسحق اور اسحق بن حنین تو وہ مغربین مہد اسلام کے گل سرسب ہیں خواہ براہ راست یونانی سے عربی میں ترجمہ کریں جیسا کہ ریاضی و ہندسہ کی کتابوں کے سلسلے میں کیا یا سریانی کے واسطے سے کریں، بہر حال یونانی سے واقف تھے۔ اسی طرح متقی بن یونان بھی سریانی کے علاوہ یونانی میں دستگاہ کامل رکھتا تھا، اُس نے نہ صرف اسحق کے سریانی ترجمہ ابود یقظقا اور ابوطیقا کو عربی میں نقل کیا بلکہ خود سوفسطیقا کو یونانی سے سریانی میں ترجمہ کیا۔

لے الفہرست لابن التمیم ص ۱۱۹ - ۱۲۰

بہر حال ارسطاطالیسی منطق کی باقی پانچ کتابوں کے ترجمے ایسے لوگوں نے کئے جو
”مترجمین عہد اسلام“ کے حلقے سے تعلق رکھتے تھے اور یونانی کے جدید عالم تھے۔

ارسطاطالیسی منطق کی کتب ثنائیہ کے علاوہ اور بھی منطق کی کتابیں تھیں مثلاً
جالینوس کی ”کتاب البرہان“ جو عہد اسلام سے پیشتر سریانی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھیں لیکن
مترجمین اسلام کی سعی و اعتناء سے اپنی یونانی اصل میں دریافت ہو کر ترجمہ ہوئیں۔ جالینوس
کی کتاب البرہان کو سب سے پہلے جبریل بن جندیث نے تلاش کرایا اور بڑی زحمت کے بعد ایوب
اس کے کچھ مقالے حاصل کرکے ان کا ترجمہ کیا۔ بعد ازاں حنین بن اسحق نے بڑی جدوجہد کے
بعد اُس کے کچھ مزید مقالے تلاش کئے چنانچہ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے :-

”کتاب البرہان“..... قال	کتاب البرہان..... حنین نے کہا ہے کہ
حنین و لویق الی ہذا لغایۃ الی	آج تک ہمارے معاصرین میں سے کسی کو یونانی
احمد مت اہل دھرنا کتاب	زبان میں کتاب البرہان کا مکمل نسخہ نہیں ملا۔
المبرہان نسخة قامة بالیونانیة	حالانکہ جبریل نے اس کی تلاش میں بہت
علی ابن جبریل قد کان عفی	زیادہ اعتناء کیا تھا اسی طرح میں نے بھی اسے
بطلبہ عنایة شدیدة وظلیہ	بہت زیادہ ڈھونڈا..... مگر مجھے صرف
انا بغایۃ الطلب فلم اجد منہ	دشمن میں اس کا کوئی نصف حصہ دستیاب
شیثا الا بد مشق نحواً من نصفه	ہوا جبریل کو بھی کچھ مقالے ملے تھے...
..... وقد کان جبریل	جن کا ترجمہ اُس کے ایاء سے ایوب نے کیا تھا
ایضاً وجد منہ مقالات اُنھوں نے مقالے سے گیارہویں مقالہ
..... وتوجملہ الیوب ما	تک جو حصہ دستیاب ہوا اس کا ترجمہ میں نے
وجد منہما..... وتوجملہ	بھی نے اور بارہویں مقالے سے پندرہویں
حسینی بن یحییٰ ما وجد من	مقالے تک کا ترجمہ اسحق بن حنین نے کر دیا

المقالة الثامنة الى المقالة
الحادية عشر وترجم اسحق
بن حنيت عن المقالة الثانية
عشر الى المقالة الخامسة عشر
الى العربية ۱۱۰

اسی طرح ارسطاطالسی فلسفہ کی بہت سی کتابیں تھیں جو سریانی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھیں مگر عربی میں ان کا ترجمہ ہوا جو یقیناً یونانی اصل سے براہ راست ہوا ہوگا۔ مثلاً ارسطو کی ”کتاب الآثار العلویہ“ جو اسکندر افروڈیسی نے شرح لکھی تھی مگر یہ شرح متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے بھی سریانی میں ترجمہ نہیں کی لیکن اس کا عربی میں ترجمہ ہوا چنانچہ ابن النذیم لکھتا ہے:-

انکرم علی الآثار العلویہ... کتاب الآثار العلویہ..... اسکندر
..... وللا اسکندر شرح نقل افروڈیسی نے اس پر شرح لکھی تھی۔ یہ شرح
الی العربی ولہ ینقل الی السریانی عربی میں ترجمہ ہوئی مگر اس سے پہلے سریانی
میں ترجمہ نہیں ہوئی تھی۔

(۳) مترجمینِ ہند اسلام کی ایک بڑی تعداد صائبہ جوان پر مشتمل تھی جو دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ یونانی میں بھی بہارتِ تامہ لکھتے تھے، حسانی مترجمین کے علاوہ اور بھی مترجمین یونانی جانتے تھے کیوں کہ اس کی تعلیم کا مشرقِ قریب میں عرصے سے رواج تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:-

اسکندر کے حملہ کے بعد سے جنوبی مغربی ایشیا کی ثقافتی زبان یونانی ہو گئی تھی۔ شاہانِ اشکانی یونانی زبان اور اس کی ادبیات کا احترام اس حد تک کرتے تھے کہ اس میں

لے طبقات ابن ابی اصیبعہ جلد اول ص ۳۱۱ الفہرست ص ۳۱۱

پرستش کا شائبہ پایا جاتا تھا۔ مشتاق یونان Phil Hellas کا لقب جسے بادشاہ ہر
 محض اول نے اختیار کیا تھا اس کے جانشینوں نے بھی برقرار رکھا۔ جب شاہ
 اردوان Mithradates اول نے رومن سپہ سالار کراسوس پر فتح پائی تو حکم دیا کہ یوری یا
 کا یونانی ڈرامہ بیکائی Accades اُس کے سامنے کر کے دکھایا جائے۔ بعض شکیانی
 بادشاہوں کے یونانی زبان میں لکھے ہوئے کتبے اب تک باقی ہیں۔ یونانی زبان اُن کی
 سلطنت کے بعض حصوں کی ملکی زبان تھی۔ ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے
 بھی پہلوی کے ساتھ ساتھ یونانی زبان کو اپنے کتبوں میں استعمال کیا ہے۔ غرض یونانی زبان
 کو مشرقِ قریب میں ہم زمانہ سے مقبولیت حاصل تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ شاہ پورسپور
 سے فلسفہ و حکمت کی کتابیں منگا کر فارسی میں ترجمہ کرائیں۔ بعد میں بھی امتدادِ زمانہ کے
 باوجود یونان پسندی ایران کے ادبی مزاج سے بالکل فنا نہیں ہوئی اور پانچویں صدی کے بعد
 تو نستعلیق کے فروغ نے اس میں جان ڈال دی تا آنکہ چھٹی صدی میں خسرو انوشیرواں
 کی علم دوستی سے یہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچ گئی اس کے نتیجے میں جنہی ساہور کا مدد سے ظہور میں
 آیا جو اسلامی ثقافت (بالخصوص مسلمانوں میں یونانی علوم کی نشر و اشاعت) کا جزو
 اور غزنیہ ہے۔

۱۔ اپنے ایرانی پیشروں سے مسلمانوں نے بھی یونان پسندی و روم میں پائی۔ اسی نے مفقود
 (۱۵۸ - ۱۳۶) کے زمانہ میں جب اصولِ اقلیدس پہلی مرتبہ دربار میں آئی تو اسے یونانی سے
 عربی میں ترجمہ کرانے کے لئے کوئی دقت نہیں ہوئی۔

قومی و ملکی تعصب کی وجہ سے ایران میں یونان پسندی کو دقتوں کا سامنا ضرور کرنا
 پڑا تاہم عراق میں حران ایسا مقام تھا جو یونانی ثقافت کے پرستاروں کا آخری ملجأ و گڑھ
 تھا۔ اسی وجہ سے حران کے پڑوسی اُسے مدنیہ الیونانیین کہتے تھے اور اسی وجہ
 سے ایران بعد ساسانیوں کے ۱۔ التراث الیونانی

یہ ریاضی و ہیئت کے اکثر علماء حجازی صابئی تھے حافظ ابن تیمیہ نے "الرد علی المنطقیین" میں لکھا ہے:-

فلان حسن ان كانت داره طولا
الصائبة وكان بها
هيكل العلة الاولى
وكان هذا دينهم قبل ظهور
النصوانية فيهم ثم ظهر
النصوانية فيهم مع بقاء اولئك
الصائبة المشركين حتى جاء
الاسلام وهدى بها الصائبة
والفلاسفة في دولة الاسلام
الى آخر وقت ومنهم الصائبة
الذين كانوا يبغضون وغيرهم
اطباء وكتبا وبعضهم لم يسم

کیوں کہ حزن ان صائبوں کا حکم تھا....
... اور اسی میں علتِ اولیٰ کا مندر ہے
..... اور یہی (صائبیت) مسیحیت سے
پہلے ان کا مذہب تھا۔ پھر نصرانیت ان میں
پھیل گئی مگر یہ مشرک صابئی اب بھی باقی تھے
یہاں تک اسلام مبعوث ہوا اور اس شہر میں
اسلامی سلطنت کے عہد میں بھی آخر تک
صابئی اور فلسفی لوگ بود و باش رکھتے رہے
انہیں لوگوں میں سے وہ صابئی تھے جو بغداد
میں طبیب اور کتاب (غلازین سکرٹریٹ)
کی حیثیت سے رہتے تھے اور ان میں سے بہت
سے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔

بہر حال اکثر ترجمین اسی حزان کے رہنے والے تھے اور اس لئے یقیناً یونانی زبان سے واقف تھے۔
لے الرد علی المنطقیین ص ۲۸

صراطِ مستقیم

انگریزی زبان میں اسلام کی صداقت پر ایک معزز یورپین نو مسلم خاتون کی مختصر اور بہت اچھی کتاب - محترم خاتون نے شروع میں اسلام قبول کرنے کے مفصل وجوہ بھی تحریر کئے ہیں۔ - طبع جدید پیر

سند و ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ

(سرجال السنند و الہند الی لفظ السالچ)

(جناب مولانا ابو حفص ظاکریم صاحب منصوری کچھو تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے کہ جناب مولانا قاضی ابوالعالی اطہر مبارک پوری کی علمی مصروفیتوں کے تذکرہ میں ایک بزرگ کی زبانی یہ خبر ملی تھی کہ سند و ہند کے رجال پر قاضی صاحب نے کام شروع کیا ہے۔ یہ اطلاع راقم کے لئے بے حد مسرت آگئی و اشتیاق آفریں تھی کہ سند و ہند کی علمی و تمدنی تاریخ کا موضوع، علم و تحقیق کے ہر طالب کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

سند و ہند اور شمالی ہند کی تاریخ کے مطالعہ میں سب سے بڑی دشواری مواد کی قلت و کمیابی اور علمی الخصوص تمدنی و ثقافتی تاریخ سے متعلق باقی ماندہ مواد کی بے ترتیبی و پراگندگی ہے۔ عربی تاریخوں کے ضمنی ابواب متعلقہ فتوح سند کے علاوہ لٹری کی چند کتابیں صحیح نامہ تلج المائر۔ طبقات ناصری اور کئی اعتبار سے اور الجرب والشہار، لباب الالباب، جوامع الحکایات وغیرہ اصولی مأخذ میں جن سیاسی تاریخ کا جو کٹھا جوں توں چار کھلی کر لیا جاتا ہے برہمی و ثقافتی تاریخ کے سلسلہ میں ہمارے پاس کوئی ایسا مرتب و مستند دستاویز نہیں جو صحیح معنوں میں نشان راہ بن سکے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلامی ثقافت نے سندھ کی کامیابیت دی تھی اور کتنی ہی بالکل شخصیتیں اس تنظیم میں پیدا ہوئیں جن کا حصہ اسلامی و عربی ثقافت کی تعمیر و ترقی میں بنو ہند و عرب کے زہد و علم و ادب کے مقابلہ میں کچھ کم نہیں رہا لیکن اسلامی ثقافت کے

اصلی مرکز دمشق، بغداد اور جرمن سے قریب تر ہونے کے علاوہ مخصوص سیاسی حالات کے باعث سندھ کی مرکزیت ان عظیم مرکزوں کا ضمیمہ بنی رہی اس کے نتیجے میں سندھ کی باکمال شخصیتوں کو وطن کی چار دیواری سے باہر اپنے جوہر دکھلانے کے جس قدر مواقع حاصل تھے وہ خود اپنی جیم بھومی میں انھیں میسر نہیں آ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ کی معروف ترین شخصیتیں صرف اپنی غریب الیاری کی بدولت زندہ جاوید رہیں ورنہ سندھ میں رہ کر ان کو بغداد کے خطیب و ابن النجار، مرو کے معانی یا دمشق کے ابن عساکر جیسے تذکرہ نگار ہرگز میسر نہیں آتے۔ کاش سندھی رُواقِ علم و ادب کے لئے بھی کوئی ابن الفرغی یا ابن بشکوال پیدا ہوا ہوتا تو آج کتنی ہی نامعلوم شخصیتوں کا شمار شاہکار میں ہوتا اور کتنی بے حمان خاکوں میں جان پڑ گئی ہوتی، یہ واقعہ ہے کہ جن سندھی علماء کے سرسری خاکے کتب طبقات مترجم میں محفوظ رہ گئے ہیں آج ہم ان کے خدو خال صحیح طور پر اجاگر کرنے میں رنگ و روغن کا سارا ذخیرہ صرف کر ڈالنے پر بھی پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بہر حال اس سنگلاخ زمین کا طے کرنا اور موضوع کا حق ادا کرنا جس قدر دشمن اور صبر آزما کام ہے اس کا اندازہ کچھ اہل نظر ہی کر سکتے ہیں کہ سندھ و ہند کے علماء قدیم کی جو رجحانیاں ہزاروں صفحات میں پھیلی ہوئی کتب طبقات و تراجم میں ضمناً یا اصالۃً باقی رہ گئی ہیں ان کو تحقیق کی گرفت میں لانا اور ذمہ دارانہ شناخت کے بعد ان سے بزمِ پیشین کا راستہ کرنا ”ہام و سندان با حقن“ کا مصداق ہے۔ قاضی اطہر صاحب اپنی اخباری مصروفیتوں کے باوجود اس خالص علمی و تحقیقی خدمت کے انجام دینے میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ ان کی مسلسل و رتی گردانیوں کا خلاصہ کتاب رجال السند و الہند الی القرن السابع کی شکل میں ایابِ علم و فن کے ہاتھوں میں ہے ہمیں یقین ہے کہ اسلامیات کے مکتبہ میں یہ کتاب موضوع کی سنگلاخی اور مواقع

عہ المطبوعہ المجازیۃ، ۵۹ شارع محمد علی بومباہی ۳ (الہند) ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء

کے ذوق تحقیق و تفحص کے لحاظ سے گراں قدر اضافہ قرار پائے گی۔

اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سندوہند کے محدثین، مفسرین، فقہاء، ادباء، شعراء اظہار اور دوسرے قابل ذکر اشخاص کی بہت بڑی جماعت کا تعارف بیک نظر حاصل ہو جاتا ہے۔ کتاب کے ابتدائی صفحات میں مختلف الدیار علماء کی تقریظیں نشر و نظم میں درج ہیں مولف کی اس عظیم خدمت کے اعتراف میں فاضل تقریظ نگاروں نے بجا طور پر اپنے بہترین جذبات و خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مولف کا مبسوط مقدمہ صفحہ ۱۱ سے صفحہ ۲۶ تک سندھ کے قدیم تاریخی و جغرافیائی ماخذوں کے سرسری ذکر کے علاوہ سندوہند کے مردم خیز خطوں اور تاریخی اہمیت کے شہروں کے تفصیلی تعارف پر مشتمل ہے۔ تراجم و سوانح کا حصہ صفحہ ۷۴ سے صفحہ ۳۰۹ تک اس کے بعد فہرست رجال صفحہ ۳۲۵ تک اور اخیر میں مصادر و ماخذ کی فہرست صفحہ ۲۸۸ تک درج ہے مولف کی بے پایاں محنت و کاوش کے اعتراف کے ساتھ تحقیق طلب امور پر اظہار خیال اور شواہد و قرائن کی وضاحت ہمارا علمی و اخلاقی فرض ہے۔ امید کہ مولف کتاب مندرج ذیل معروضات کو علمی خلوص پر محمول فرماتے ہوئے ہمارے اختلاف و وجوہ اختلاف پر غور فرمائیں گے ہم نے اپنے فرض کے پورا کرنے میں علمی و تحقیقی حدود و قیود کی رعایت حتی الامکان مد نظر رکھی ہے۔

۱) مولف نے سندوہند کو قدیم عرب مؤرخین و جغرافیہ کی مقررہ عادت کے مطابق دو مستقل اقلیموں کی حیثیت دی ہے ہمارے ناقص خیال میں صحیح طریقہ کار یہی تھا البتہ انہوں نے بعض ایسے علاقوں کو بلاد سندھ میں شامل کر لیا ہے جن کی بابت قدیم عرب جغرافیہ نگاروں کا قول ثبوت میں پیش نہیں کیا جاسکتا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ :

۲) الف) ایمان کو سندھ کا علاقہ تصور کیا گیا ہے اور کتاب کے اصل حصہ میں

بامیان کے کئی اشخاص کے تراجم نقل کئے گئے ہیں ہمارے خیال میں بامیان کے اشخاص کو سندھ و ہند کے ارباب علم و دانش کے طبقات میں شمار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ سمعانی بامیانی کی نسبت میں اس کا موقع بلخ و غزنہ کے درمیان بتاتے ہیں یہاں کے مضبوط قلعہ اور بہت خانہ کی بلند عمارت اور اس کے اندرونی نقش و نگار کا تذکرہ کرتے ہیں، سوخ بت اور خشک بت کا نام بتاتے ہیں۔ معروف جغرافیہ نویس یاقوت، معجم البلدان میں سمعانی کے بیان پر صرف اتنا اضافہ کرتا ہے کہ بلخ سے بامیان تک اس مرحلے میں اور غزنہ سے بامیان تک آٹھ میلے۔ چوتھی صدی ہجری کی فارسی کتاب جغرافیہ حدود العالم کا بیان سمعانی سے قطعاً مختلف نہیں اس میں بامیان کا موقع غزنہ اور حدود خراسان کے درمیان بتایا گیا ہے۔ ابن الفقیہ خراسان کی علاقائی تقسیم میں بامیان کو تیسرے حصہ میں (الربیع الثالث من خراسان) رکھتا ہے (دیکھو الانساب سمعانی ص ۶۳، معجم البلدان ج ۱ ص ۸۱ ابن الاثیر اللباب ج ۱ ص ۹۲ حدود العالم ترجمہ) ص ۱۰۹، کتاب البلدان، ابن الفقیہ ص ۳۲۱ غرض بامیان کا سندھ سے رشتہ جوڑنا ظاہراً بالکل غلط ہے

(ب) بامیان کی طرح ارض الداور یا زمند اور بھی صحیح جغرافیائی بیان کے بموجب سندھ کے وسیع حدود میں شامل نہیں کیا جاسکتا لیکن مولف کتاب نے بلا تامل زمند اور کے علماء کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے اور زمند اور پر مقدمہ کتاب میں یاقوت کا اقتباس پیش کیا ہے۔ بلا داور کا موقع غور اور بست کے درمیان حدود خراسان میں ہے (حدود العالم ص ۱۱۱) ابن خرداد بہ بختان کے شہروں کو شمار کرتے ہوئے لکھتا ہے: والبلخ وبلاد الداور وحمی مملکة رستم الشدید مملکة کیکاؤ و... (المسالك و الممالک ص ۷۷) ابن الفقیہ کی کتاب میں انہی الفاظ کا حوالہ ہے (البلدان ص ۲۰) خود یاقوت کے الفاظ لفظ داور کے تحت سندھ سے داور

کا تعلق کسی طرح ظاہر نہیں کرتے اور اس لئے لفظ نزد یعنی بلادِ داد کے منہم مرصع کے ذکر میں جو لکھا ہے کہ ”منہم کان فی بلاد الداد من ارض السند“۔ یہ اس کے مقدم الذکر بیان اور بقیہ تمام جغرافیہ نویس کی تخریر کے خلاف ہے۔ لہذا یا قوت کے اس آخری بیان سے مولف اگر استدلال کرنا بھی چاہیں تو متفقہ جغرافیائی اقوال کی مدد خنی میں اس کی گنجائش نہیں نکلتی۔

(۲) سندھ کے مشہور متنازع فیہ شہر بیرون کے نام میں قدیم تصنیف برقرار رکھی گئی ہے۔ مولف کے نزدیک بیرون (یہ یا تے مودہ) کی صحت غیر مشکوک ہے وہ قلعشدری اور ابن سعید مغربی کے اقتباسات پیش کرتے ہیں (مقدمہ جہاں السنہ) ان میں سے قلعشدری کا بیان اس نام کی تحقیق و ضبط سے خالی اور اصل میں ایفنی کی معروف کتاب القانون المسعودی سے ماخوذ ہے۔ قانون کی طباعت چند قدیم خطوط کی بنیاد پر ہو چکی ہے اور اس میں اس شہر کا نام بیرون (بالنون) درج ملتا ہے جس کی صحت پر اہل تحقیق عموماً اتفاق رکھتے ہیں۔ بیرونی شہر کا طول ۹۴ درجہ ۳۰ دقیقہ (صد / ل) اور عرض البلد ۲۴ درجہ ۵۴ دقیقہ (کد / مک) بتاتا ہے جو قلعشدری کے یہاں بالکل صحیح منقول ہے۔ بہر حال صحیح الارغشی میں بیرون بالباء کا وجود تصنیف پر مبنی ہے (القانون المسعودی ج ۲ / ۵۵۲)۔ واقعہ یہ ہے کہ اس لفظ کا ضبط کسی قدیم جغرافیہ نویس کے یہاں نہیں ملتا البتہ جغرافیائی کتابوں میں عام طور سے اس کی قراءۃ بیرون بالباء کی گئی ہے۔ اصطخری کی کتاب المسالك والممالك میں (بیرون) بالباء ہے لیکن اس کے قلمی نسخوں میں بیرون اور نیروز کی شکلیں بھی ملتی ہیں آخری شکل بڑے مجمع بعد الواء ہے بلانڈی کی فتوح البلدان میں صرف ایک جگہ اس کا ذکر آتا ہے جس کی قراءت مستشرق دعوے حسب عادت بالباء کرتا ہے حالانکہ اصل نسخہ میں السرون بلا اتمام لکھا ہے (دیکھو فتوح البلدان مکتبہ حاشیہ ج ۱)

یوں ہے) ابن حوقل کے خطوط میں ایک جگہ البرزق اور دوسری جگہ السند وکی شکل ہے لیکن ایڈیٹر نے اسی قراءۃ کو اختیار کیا ہے (المسالك الممالك ص ۱۲۷، ص ۲۳) حدود العالم کے واحد خطوط میں لوزی کی شکل ہے اس موقع پر انگریزی ترجمہ و شرح کے مولف مینورسکی کی تعلیق آئندہ درج کی جائے گی۔ مقدسی کی احسن التعمیم اور اردو کسی کی نزہۃ المشتاق نے اختراق الافاق کے نسخوں میں اس کی شکلیں کتنی مختلف رہی ہیں ان کا اندازہ نشان دادہ صفحات سے رجوع کرنے پر ہوگا (مقدسی ص ۱۷۷ مع حاشیہ ص ۲۹، ص ۳۰ علی گڑھ ص ۱۹۵) یا قوت اپنی وسیع ترین کتاب جغرافیہ میں یفرین (بالباء) کا ذکر نہیں کرتا۔ ابن سعید مغربی کا قول کہاں تک قابل اعتماد ہو سکتا ہے اس کی تفصیل آئندہ کسی مناسب موقع پر پیش کی جائے گی ہمارا خیال یہ ہے کہ سندھ کا یہ شہر نیرون (بالنون) تھا جیسا کہ اہل تحقیق لکھتے ہیں (حواشی ص ۲۵۵) وغیرہ دیکھو (۳) رجال سند و الهند کے موضوع سے صرف ایسی شخصیتوں کا تعلق ہے جو

مندرجہ ذیل شرطوں میں سے کسی ایک شرط پر پوری اترتی ہوں

(الف) جن کا مولد و منشاء سندھ و ہند کا کوئی علاقہ ہو اور یہیں ان کی زندگی کا بڑا حصہ بسر ہوا ہو خواہ ان کی وفات کسی بیرونی ملک میں واقع ہوئی۔

(ب) جن کا نسلی تعلق سند و ہند سے ثابت ہو لیکن ان کا مولد کہیں باہر کے ملکوں میں ہے اور ان کی زندگی باہر ہی تمام ہو گئی۔

(ج) جو لوگ باہر سے ترک وطن کر کے ہند و سند کے کسی علاقہ میں آئے۔

مذکورہ شرطوں سے شاید کسی کو اختلاف نہ ہوگا، لیکن کتاب کے مندرجہ ترجمہ کا سرسری جائزہ لیتے ہی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ مولف نے اولین دو شرطوں کو بالارادہ توڑ دیا ہے اور کسی شخص کے سندھی اصل یا سندھی المولد ہونے کے ثبوت

میں جن دلائل یا قرائن و شواہد کی ضرورت ہو سکتی ہے اصولی طور پر ان کا واضح غرضتہ مؤلف کے پیش نظر نہیں رہا۔ یہ واضح رہے کہ تراجم و طبقات کی کتابوں میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ملتی ہے جن کے اسماء و کنیٰ، ہندی، ہندی، ابو السندی، ابو الہندی وغیرہ ہیں لیکن ان لوگوں کے سندی الاصل ہونے کے بارہ میں کوئی ثبوت علی العموم پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مؤلف کتاب کا نظریہ کسی کو سندی الاصل قرار دینے کے سلسلہ میں یہ رہا ہے کہ مذکورہ اعلام و کنیٰ کی دلالت کافی سمجھ لی جائے۔ اس کتاب کے کثیر تراجم کا نفس موضوع سے اسی قدر تعلق ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اشخاص متعلقہ میں سے کسی کا نام سندی تھا اور کسی کا ہندی۔ کسی کی کنیت ابو السندی تھی اور کسی کی ابو الہندی، کوئی ابن السندی کہلاتا تھا اور کوئی ابن الہندی۔ ذیل میں ہم اس امر کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ مؤلف کے خیال کے برخلاف ہر جگہ، سندی ابو السندی یا ہندی، ابو الہندی کسی شخص کی سندیت یا ہندیت کے بارہ میں نہیں سمجھ نہیں بن سکتے جب تک اس کی اصلیت کسی مستند ماخذ سے بصراحت معلوم نہ ہو یا قوی قرائن و شواہد اس کے ہندی نژاد ہونے کے حق میں نہ پائے جاتیں ہم یہاں ان اشتباہ انگیز الفاظ میں سے صرف سندی، ہندی اور دیہلی کی نسبت اپنا خیال ظاہر کریں گے کہ مؤلف کے ذہن پر انہی لفظوں کا غلبہ و استیلاء رہا ہے۔

(دفعہ) سندی کا لفظ عربی زبان میں سند کی طرف نسبت ہے اور علم و لقب کی حیثیت سے بھی مروج رہا ہے سمعانی کی کتاب الانساب میں دونوں حیثیتیں واضح کی گئی ہیں جن شخصیتوں کے لئے سندی بطور علم یا لقب استعمال کیا گیا ہے ہمارے نزدیک

لے خود مؤلف نے پہلے بن محمد و بن الازدی کے ترجمہ میں ذہبی کا قول نقل کیا ہے۔ ”یلقب السندی“ رجال السندی (۱) اور ابو معشر یحییٰ بن عبد الرحمن السندی کے تذکرہ میں ابن العاصی حوالہ صاحب الجبر و شاید بن خلدون کے الفاظ نقل کئے ہیں کان اسمعہ لخرقہ عبد القیلم۔ السندی من اللقب بالہندی

ان کا سندی الاصل ہونا قطعاً ضروری نہیں۔ بہر حال کتاب الانساب کی یہ صراحت
 مد نظر رہنی چاہیے کہ ”واسم علی وزان هذه النسبة وهو السندی بن
 شاہک صاحب الحرم الخ یعنی سندی کا ہم وزن نام بھی ہوتا ہے جیسے مستطاب
 بن شاہک کا نام۔ سمعانی کے اس بیان کی توثیق و وضاحت ابن الاثیر کا اللباب فی
 تہذیب ہے جو جاتی ہے ان کے الفاظ صریح ہیں کہ — وفي الاسماء ما يشبه هذه
 النسبة یعنی اسماء و اعلام میں اس نسبت (سندی) کا ہم وزن بھی مروج رہا ہے
 حیرت ہے کہ مولف کتاب کے پیش نظر دونوں کتابیں رہی ہیں اس کے باوجود انھوں نے
 اس مشترک بیان پر غور نہیں کیا اور اس کے نتیجہ میں بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہے۔ سمعانی
 اور ابن الاثیر کے متفقہ بیان کی مزید توثیق میں یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ علم و لقب کے
 طور پر صرف سندی یا السندی ہی مروج نہیں رہا تھا بلکہ اور مقامات کی نسبتوں کے
 ہم وزن اعلام و اسماء بھی کتب طبقات و رجال میں بکثرت ملتے ہیں اور ان اعلام و
 اسماء سے موسوم اشخاص کی اصلیت و نسل اولیت کا الحاق ان مقامات سے ثابت
 نہیں ہوتا۔ مثلاً علی بن بندار بن کمی بن حاصم ابو عبد اللہ الزنجانی ابو نعیم کی کتاب
 تاریخ اصہبان کے رجال میں ہیں (تاریخ اصہبان ج ۲/۳۲۶، یورپ) اس شخص
 کی اصل زنجان سے قرار پائے گی اگر کوئی شخص دادا اور پوتا دونوں کے موسوم ہوئے
 کی بناء پر ان دونوں کو ہی الاصل قرار دے تو یہ بات مضحکہ خیز ہوگی اسی طرح جنید
 کوئی بن جنید سی اخبار اصہبان کی شخصیتوں میں ہے (ج ۱ ص ۲۵۷) جنید کا باپ کو
 نام رکھتا تھا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ کوئی الاصل تھا بہت عجیب ہوگا اس
 کے اعلام کی طویل نہریت سے بحث کو طول دینا لا طائل ہوگا ہمارا مقصد یہ وار
 کر دینا ہے کہ جہاں سندی علم کے طور پر آیا ہے وہاں اسی طرح غور کر لینا چاہیے اگر کسی
 ایسے شخص کی سندیت تذکرہ نگاروں کی صراحت یا تاریخی قرائن کی دلالت سے

کو پہنچ جاتے تو اس کا تذکرہ رجال اسند کے طبقے میں درست قرار پائے گا اور عدم ثبوت کی شکل میں صرف اسم و علم کی بنیاد پر کسی کا سندھ سے رشتہ جوڑ دینا سندی تراشی کے جذبہ کو تسکین پہنچا سکتا ہے تحقیق کا حق نہیں ادا کر سکتا۔

(ب) ہندی یا ابوالہندی کا یہی حال رہا ہے کہ ہندی صرف نسبت ہی نہیں بلکہ بطور علم بھی مستعمل رہا ہے لہذا کسی کو ہندی الاصل قرار دینے کے لئے اس سے موسوم ہونا کافی نہیں۔ ہند عربوں کے محبوب ترین اسماء میں سے ہے اور جہد جاہلیت اس سے ذکر و اناث کے لئے عام رہا ہے۔ ہندی بھی عربی اعلام میں اتنا ہی مقبول تھا اس نام کی شہرت کے پیش نظر کسی دلیل کی ضرورت نہیں لیکن مولف کی غلط فہمی زائل کرنے کے لئے یہاں لسان العرب کا ایک فقرہ پیش کر دیا جاتا ہے جو ابونصیر الازہری کی کتاب تہذیب اللغہ سے ماخوذ ہے و من اسمائہ ہندی و ہنداد و ہند۔ (لسان ج ۷ ص ۴۵۰) آئندہ معلوم ہو گا کہ اس بارہ میں بھی مولف کا نقطہ نظر کس قدر غلط رہا ہے۔

(ج) سندی اور ہندی دونوں لفظ علم اور نسبت کی مشترک حیثیت رکھتے تھے ہاں ہمیں بعض ایسی نسبتوں کی طرف اشارہ کر دینا ہے جو مشترک نام کے شہروں کی نسبت ہونے یا خطی مشابہت کی وجہ سے مصحف ہو جانے کی بناء پر مولف کو بار بار غلطیوں میں مبتلا کرتے رہے مثال کے طور پر منصور، بوتانی اور دیلی کی نسبتیں پیش کی جاتی ہیں آخری لفظ دیلی (بتقدیم الیاء المثناة) سندھ کے مشہور شہر دیلی (دال مفتوح، باء مثناة ساکنہ، باء موحده مضموم اولام) کی طرف نسبت ہے مولف نے شہر دیلی کا مفصل تعارف بھی پیش کیا ہے (رجال اسند ص ۲۷-۲۸) لیکن اس امر کا انہوں نے خیال نہیں کیا کہ سندھ کا دیلی بتقدیم یا مثناة ہے اور اس کا ہم شکل دیلی بتقدیم ہائے موحده ایک معروف مقام رہا ہے جس کو سندھ کے علاقہ سے کوئی واسطہ نہیں۔

محدثین در رواۃ کی شخصیتیں تنہا سندھ کے شہر دیبل ہی میں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ کتنے محدثین وقراء ایسے بھی گذرے ہیں جن کا تعلق دیبل اسد کے بجائے دیبل (بہ تقدیم ہائے موصدہ) سے تھا چنانچہ سمعانی کی کتاب میں ہر دو نسبتوں کا ذکر یعنی اپنی جگہ پر مٹا ہے۔ دیبلی (بہ تقدیم الباء الموصدہ) کی نسبت اس ضبط کے ساتھ ملتی ہے۔

”بتقدیم الباء و بفتح الدال و کسر الباء هذه النسبة الى ديبل وهي قرية من قرى الرملة (الانساب) ہر دو مقاموں کی بابت مزید تفصیل لغوی و جغرافیائی ماخذوں سے پیش کر دی جاتی ہے فیروز آبادی مؤلف۔ قاموس مادہ دیبل کے تحت پہلے دیبل بتقدیم الباء الموصدہ بروزن امیر کے بارہ میں لکھتے ہیں۔ ”موضع بالسند“۔ یہ قول حسب تصریح زبیدی شارح قاموس تنہا ابو علی الفارسی سے ماخوذ ہے زبیدی نے صراحت کی ہے۔ ”عن الفارسی والنشد سیبویہ۔“

سیبویہ فوقی اقم اللام اقفا بقالیقلا ۲۰ مت و ذراع دیبل (تاج العروس ج ۴/۳۱۷) فارسی ایک مستند اور محقق ترین نحوی ہے اس کی امامت فن نحو و عربیہ میں معروف و مسلم ہے لیکن جغرافیہ اور خصوصاً جزیرۃ العرب کے باہر کے جغرافیہ میں اس کا قول کوئی اہمیت نہیں رکھتا پھر اس کے خلاف تمام محققین جغرافیہ کے اقوال ہیں۔ خود اس شعر میں آرمینہ کے مشہور شہر قالیقلا کا ذکر اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ دیبل کا موقع و محل کہیں آس پاس ہوگا مشہور جغرافیہ نویس ابو عبید البکری جو نحو و لغت میں بھی طبقہ علیا کے محققین میں شمار کیا جاتا ہے فارسی کے اس قول سے بے تعلق ہو کر بیجم یا استجم میں دیبل بروزن فیصل کے متعلق لکھتا ہے۔ ”مدینۃ من الشام معروفہ“، و دیبل بتقدیم الباء موضع آخر دیکھ کر فی موضعہ (بیجم یا استجم ص ۵۵ مصر) مؤخر الذکر مقام دیبل بتقدیم یا ئے مشناتہ کے ذکر میں اس

کے الفاظ یہ ہیں۔ الدبیل یفتح اولہ وبالباء الموحدة بوحدة المضمومة،
مدینة معروف فتی اسف السند ویقال لها ایضا الدبیل انشد
ابو عمرو عن ثعلب عن ابن الاعرابی۔

كان ذراعہ المشكول منه سلب من رجال الدبیل
(مجموعہ اشعم ۵۶۹ مصر) اس بیان سے ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے کہ دبیل السند
کو دبیلان بصیغہ تشنیہی کہا کرتے تھے لیکن ہمارے خیال میں یہ صرف شاعری
کی زبان ہے اور عربوں کی عادت جزیرۃ العرب کے بہت سے مقامات کے سلسلہ میں
صیغہ تشنیہ استعمال کرنے کی رہی ہے اسی کے مطابق کہنے والے نے الدبیلان کہہ دیا۔
فارسی کے قول کا ضعف خود فیروز آبادی کی اس تصریح سے واضح ہو جاتا ہے کہ۔
”ودبیل بضم الباء الموحدة وسكون الياء المثناة التحتیة والدال
مفتوحة ویقال الدبیلان علی التثنیة“۔ اس دبیل کے تعارف میں میرزا
نے صفائی کا حسب ذیل بیان نقل کیا ہے کہ۔ ”قصبة بلاد السند التي تسمى
اليها السفن قال الصاغانی اهلها صلحاء وامراءؤها طلماع قديما
وحدیثا یشاركون قطاع طریق سفن البحر ویضربون معهم بسهم
رتلج العروس ج ۴/ ۳۱۷) دبیل کے امیروں کی او باشی اور بحری ڈاکوؤں سے ان
کا سا جھاگوا صاغانی کے عہد تک قائم تھا فتوح سندھ کے اسباب میں ایک قوی
سبب ان سمندری ڈاکوؤں کی شرارتیں تھیں تاج العروس کی دونوں عبارتوں
سے صاف ظاہر ہے کہ دبیل (بتقدیم الباء الموحدة) کی نشاندہی سندھ میں صرف
الفارسی کا بیان ہے اور صاغانی کو اس کا علم نہیں بظاہر اس نام کی کوئی جگہ سندھ
میں ہوتی تو صاغانی کو اس سے ضرور واقفیت ہوتی پس صاغانی کی عدم واقفیت
فارسی کے قول کی تردید کے لئے کافی ہے۔ بکری کی منقولہ بالا عبارت میں دبیل الشا

اور دیل السند کے ناموں میں وقوع تصحیف کا اندیشہ ظاہر کیا جا چکا ہے اہل دیل کی نسبت جہاں بھی نظر آئے اس کی بابت تحقیق کر لینی چاہیے کہ یہ نسبت فی الواقع دیل السند کی طرف ہے یا دیل الشام کی طرف، مطبوعات و مخطوطات میں عموماً یہ نسبت لفظوں کے معمولی ہیر پھیر سے مصحف ہو گئی ہے یا قوت نے لفظ دیل کے ماتحت جزیرۃ العرب کے اندر اور باہر اس نام کے کئی مقامات چھوٹے بڑے ذکر کئے ہیں خاص طور پر دیل ارمینیا اور دیل الرملہ (الشام) سے واقف ہونا چاہیے (یا قوت بمع البلدان ج ۲/ ۵۴۹ ابن اثقفہ ص ۲۸۷) کہ ہماری علمی و ثقافتی تاریخ میں دیل السند کے علاوہ دیل سے منسوب رجال علم کا ذکر آتا ہے ابن فردا زیہ ارمینیا الشاف کے مقامات میں کور دیل کا ذکر کرتا ہے (المسالك ص ۱۲) اسی کے الفاظ قد امر بن جعفری کتاب الخراج میں بھی ملتے ہیں (بند من کتاب الخراج وصنعة الکتابہ ص ۲۴ وغیرہ)

ان چند اصولی نقاط بحث سے گذر کر ہم کتاب کے اصل حقہ تراجم کا جائزہ قدرے تفصیل سے پیش کرنا چاہتے ہیں یہ تفصیل بوجہ ذیل منقسم ہوگی۔
(۱) وہ تراجم جو اشخاص متعلقہ کے موسوم یا ملقب بہ ہندی ہونے کی بناء پر درج کتاب کئے گئے۔

(۲) وہ تراجم جن کا اندراج اشخاص متعلقہ کی کنیت ابو الہندی یا ابو السندی ہونے کی بناء پر کیا گیا۔

(۳) وہ تراجم جو کسی مصنف یا مشترک نسبت سے عدم واقفیت کی بناء پر درج کئے گئے۔

(۴) جن تراجم کا اندراج سندھ کے جغرافیائی حدود کو عرب جغرافیہ نویسوں کی تحدید کے خلاف وسعت دینے پر یا کسی خلاف تحقیق جغرافیائی بیان کو تسلیم کر لینے

ہم مبنی ہے۔

(۵) جن تراجم کے سلسلہ میں بحث و تحقیق کی گئی ہے۔
(۶) چند ایسے تراجم کی نشاندہی جن کا اندراج کتاب میں مولف کے نقطہ نظر سے ہونا چاہیئے تھا۔

(۷) چند ایسے تراجم جن کا درج کتاب ہونا نفس موضوع کا تقاضہ تھا۔
(۸) کتاب کی بعض جزوی غلطیاں جن کا تعلق مولف کی تحقیق یا نقل و طباعت سے ہے

۱، اولین مشق کے متعلق راقم اپنے زاویہ نظر کی وضاحت کر چکا ہے، کتاب کا بہت بڑا حصہ تراجم کا مرقع ہے جن کا تعلق رجال سند و ہند کے موضوع سے بہ مشکل قائم کیا جاسکتا ہے ہم فرداً فرداً ہر ترجمہ کی تفصیل میں جانے کے بجائے ایک فہرست پیش کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد ضروری اشارے کئے جائیں گے۔

(۱) احمد بن سندی بن حسن بن بحر، الحداد (رجال السند ۲-۵۴)

(۲) احمد بن سندی بن فروخ المطرز البغدادی (ایضاً ص ۵۵)

(۳) احمد بن سندی، الباقی الرازی (ایضاً ص ۵۵-۵۶)

(۴) ابن الہندی = احمد بن سعید بن ابراہیم مالکی البغدادی (ایضاً ص ۵۵ + ۲۴۹)

(۵) ابن الہندی = احمد بن لقاسم بن یسماوی البکر البغدادی (ایضاً ص ۵۵)

(۶) ابراہیم بن علی بن السندی (ایضاً ص ۶۵-۶۹)

(۷) ابراہیم بن السندی بن شاہک (ایضاً ص ۷۵-۷۶)

(۸) ابراہیم بن عبد السلام، ابن اخی السندی بن شاہک (ایضاً ص ۷۵)

(۹) ابراہیم بن عبد اللہ، ابن اخی السندی بن شاہک (ایضاً ص ۷۵)

(۱۰) احمد بن محمد بن عبد اللہ بن عبد اللہ السندی (ایضاً ص ۷۵)

- (۱۱) رجاء بن السدی النسابوری ابو محمد (رجال السنہ ص ۱۲۶)
 (۱۲) السدی بن شاہک (رجال السنہ ص ۱۳۹-۱۴۳)
 (۱۳) سدی بن شماس البصری (ایضاً ص ۱۲۲)
 (۱۴) سدی بن عدوۃ الشاعر (ایضاً ص ۱۲۱)
 (۱۵) سدی بن عبدویہ البکلی الرازی (ایضاً ص ۱۲۴-۱۲۶)
 سہل بن عبد الرحمن (ص ۱۵۲-۱۵۳) = سہل بن عبدویہ
 (۱۶) سدی بن علی الوداق البغدادی (ایضاً ص ۱۴۶-۱۴۸)
 (۱۷) السدی بن یحییٰ المحرشی (ایضاً ص ۱۴۸-۱۵۰)
 (۱۸) ابو السدی = سہل بن ذکوان المکی الواسطی (ایضاً ص ۱۵۲-۱۵۳)
 (۱۹) کشاجم بن الحسن بن شاہک (السدی) (ایضاً ص ۱۹۸-۱۹۹) =
 محمد بن الحسن بن سدی بن شاہک
 (۲۰) محمد بن رجاء السدی (ایضاً ص ۲۱۴-۲۱۸)
 (۲۱) محمد بن محمد بن رجاء السدی (ایضاً ص ۲۳۶-۲۳۷)
 (۲۲) موسیٰ بن السدی الجرجانی (ایضاً ص ۲۵۲-۲۵۳)
 (۲۳) ابن السدی = نصر اللہ بن احمد بن القاسم بن سیماء (ایضاً ص ۲۵۵)
 (باقی)

کتابت حدیث

حدیثوں کی ترتیب و تدوین کی تاریخ پر ایک جامع مقالہ
 مؤلف مولانا سید منت اللہ شاہ صاحب بحمانی سجادہ نشین خانقاہ جانی ممبئی
 جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب اس موضوع پر لکھی گئی ہے کہ احادیث رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کس نے قلم بند کی گئیں، کیا ان کی کتابت خود آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے دور میں ہو چکی تھی؟ طرز بیان نہایت سلیس، دل میں اتر جانے والا۔ قیمت مجلد
 ایک روپیہ چار آنے۔

تاریخ الردۃ

(جناب ڈاکٹر خورشید احمد فاروق صاحب تالو دیات عربی دہلی یونیورسٹی)

(۴۱)

عروۃ بن زبیر، ابوبکر صدیقؓ نے خالدؓ کو ہدایات دینا شروع کیں اور
 ہا: خالد! خونِ خدا کو اپنا شمار بناؤ اور اپنے ماتحت ساتھیوں کے
 ساتھ مہربانی سے پیش آؤ، تمہارے ساتھ رسول اللہؐ کے پرانے ہاجر
 و انصار صحابہ ہیں، اپنے معاملات میں ان سے مشورہ کرو اور ان کی
 صوابدید کے مطابق عمل کرو، فوج سے آگے آگے ہراول دستے رکھو
 جو تمہارے کیمپ کے لئے مناسب ٹھکانے تلاش کریں، کوچ کے وقت
 اپنے ساتھیوں کو عمدہ فوجی ترتیب میں رکھو، اُسد اور عطفان کے علاقہ
 میں پہنچ کر تم دیکھو گے کہ ایک گروہ تمہارا مطیع ہے تو ایک مخالف، اور
 کچھ نہ مطیع ہوں گے نہ مخالف بلکہ متذیب اور اس بات کے مستنظر
 کہ جو جیتے اس کے وفادار ہوں، (مجھے ان کا تو زیادہ ڈر نہیں) لیکن
 مجھے اندیشہ اہلِ پیامہ (بنو حنیفہ) کی طرف سے ہے، ان سے جنگ
 میں خدا سے مدد طلب کرنا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ سب کے سب
 اسلام سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اگر مدینہ کے فواج میں تمہیں کامیابی ہو تو
 یہاں کا رخ کرنا، وہاں تم ایسے دشمن سے مقابل ہو گے، جو اہل سے
 آنحک تمہارے خلاف ہے، جس کا علاقہ سخت دشوار گزار ہے، یہاں
 صرف جنگوں سے ہو کر پہنچنا ممکن ہے، ان جنگوں میں سفر کے صحت

نوح کا خاص خیال رکھنا، کیوں کہ ان میں کافی لوگ کمزور ہیں، مجھے امید ہے کہ تم بنو حنیفہ کے علاقہ میں پہنچنے میں کامیاب ہو گے، جب تم وہاں داخل ہو تو بہت زیادہ چوکنا رہنا، اور جب تم ان سے صفت آرا ہو تو جن ہتھیاروں سے وہ لڑیں اپنی سے تم بھی لڑنا، اگر وہ تیر چلائیں تو تم بھی تیر چلاتا، وہ نیزوں سے لڑیں تو تم بھی نیزوں سے لڑنا اور اگر وہ تلواروں سے مقابلہ کریں تو تم بھی تلواروں سے مقابلہ کرنا اور اگر خدا تم کو فتح عطا کرے تو ان کے ساتھ رحم یا نرمی سے پیش نہ آنا، اور دیکھو تم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس سے مجھے طال ہو، میری ہدایت اور وصیت گوش ہوش سے سنو، جس گھر سے اذان کی آواز آئے وہاں تحقیق کئے بغیر چھاپ نہ مارنا، اور جسے نماز پڑھتا دیکھو اس کو ہرگز قتل نہ کرنا، تم کو دھیان رہے خالد کہ خدا جیسا تمہارا ظاہر دیکھتا ہے ویسا ہی تمہارے باطن سے بھی باخبر ہے، تم کو یہ بھی یاد رہے، کہ تمہاری رعیت جیسا کرتے تمہیں دیکھے گی ویسا خود بھی کرے گی، کف علیہ اطرافک (و) اپنی فوج کے آرام کا خیال رکھو، نامناسب باتوں سے ان کو ضرور روکو، تمہاری لڑائی اہل امتداد سے (ہتھیاروں سے نہیں) عمل کے ذریعہ ہے، اور اچھے عمل ہی سے ہم دشمن پر تمہاری فتح کی توقع کرتے ہیں جاؤ، خدا کی برکت تمہارے شامل حال رہے۔“

بڑا خہ اور دوسرے محاذوں کو خالد بن ولید کی روانگی

مورخ کہتے ہیں کہ (باغیوں کے خلاف) خالد بن ولید نے جب پیش

لے نجد (شمال - مشرقی مدینہ) میں قبیلہ اسد کا ایک تھلستان تھا۔ معجم البلدان
یا قوت مصر ۱۹۷۷ء ۲/۱۶۱۔

قدمی کی تو عدی بن حاتم ان کے ساتھ تھے، عدیؓ سے (ان کے قبیلہ) طئ کے ہزار جوان آئے تھے، خالدؓ نے بُراہؓ آکر کیمپ لگایا قبیلہ جدیلہ طئ کی ایک شاخ، اسلام سے منحرف تھا، عدی بن حاتم کا تعلق طئ کے ایک دوسرے خاندان غوث سے تھا، جب جدیلہ نے مرتد ہونے کا ارادہ کیا تو مکنت بن زید الخیل طائی ان کے پاس آئے اور کہا: کیا تم اپنی قوم کے ماتھے پر کلنگ کا داغ لگانا چاہتے ہو، طئ کا ایک فرد تک باغی نہیں ہوا ہے اور ابو طریف عدی بن حاتم کے ساتھ طئ کے ہزار جوان اسلام کی وفاداری پر قائم ہیں، ان باتوں نے جدیلہ کے حوصلے پست کر دیے، جب خالد بن ولیدؓ بُراہؓ میں اترے تو انھوں نے عدیؓ بن حاتم سے کہا: ابو طریف کیا ہم جدیلہ کی خبر لینے نہ جاتیں؟“ عدیؓ: ابوسلیمان ایسا نہ کیجئے، آپ کو وہ سپاہی پسند ہے جو دونوں ہاتھوں سے آپ کے ساتھ لڑے یا وہ سپاہی جو ایک ہاتھ سے لڑے؟“ خالد: وہ سپاہی جو دونوں ہاتھوں سے لڑے؟“ عدی: تو سمجھ لیجئے کہ جدیلہ میرا ایک ہاتھ ہے، یہ سن کر خالد نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی، عدی جدیلہ کے پاس گئے، اُن کی تلقین و ترغیب سے وہ مسلمان ہو گئے، عدی نے خدا کا شکر ادا کیا اور جدیلہ کے جوانوں کو لے کر خالدؓ کے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے، خالدؓ نے ان کو آنا دیکھا تو وہ گہرا تے اور سمجھے کوئی دشمن لڑنے آ رہا ہے، انھوں نے اپنی فوج کو مسلح ہونے کا حکم دے دیا، بعض لوگوں نے انھیں بتایا کہ یہ جدیلہ کے جوان ہیں جو (وفادار ہو کر) آپ کے لئے لڑنے آ رہے ہیں، جدیلہ نے مسلمانوں کے قریب ذرا ہٹ کر اپنا کیمپ لگایا، خالد بن ولیدؓ ان کے پاس گئے، ان کی آؤ

بھگت کی اور ان کے آنے پر خوشی کا اظہار کیا، جدیلہ کے لیڈروں نے اب تک الگ تھلگ رہنے پر معذرت کی اور خالدؓ سے کہا اب ہم آپ کی مرضی پر چلیں گے؛ خالدؓ نے ان کو جزائے خیر کی دعا دی۔ اس طرح قبیلہ طئی کا کوئی فرد مرتد نہیں ہوا۔ اب خالدؓ عسکری ترتیب کے ساتھ روانہ ہوئے، عدیؓ نے ان سے درخواست کی کہ میری قوم کو ساری فوج سے آگے رکھئے، خالدؓ: ابو طریف، لڑائی قریب ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تمہارے لوگوں کو آگے رکھوں گا تو گھسان کی لڑائی کے وقت وہ منہ موڑ جائیں گے، اور ان کی دیکھا دیکھی ہمارے ساتھیوں کے بھی سپر اکھڑ جائیں گے، اس لئے مجھے ان لوگوں کو آگے رکھنے دو جو شائد جنگ کو جھیل سکتے ہیں، جن کی اسلامی خدمات دیرینہ ہیں اور جن کے سینوں میں بھی اسلامی لگن ہے، وھم صحت بقعاء حق قدام الیمامۃ (۲) خالدؓ نے اپنے جاسوسوں کو حکم دیا کہ جہاں جہاں ان کا گندہ ہو وہاں دیکھیں کہ نماز کے وقت لوگ اذان دیتے ہیں یا نہیں، اگر اذان دیں تو ان کو مسلمان سمجھا جائے اور ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔

خالدؓ اور مسلمان اس جگہ پہنچے جہاں طلیحہ کا کیمپ تھا، اس کے لئے چڑے کا ایک خیمہ لگایا گیا تھا، اور اس کی فوج خیمہ کے چاروں طرف پڑی ہوئی تھی، خالدؓ شام کے وقت وہاں پہنچے اور طلیحہ کے کیمپ سے ایک میل دور یا اس کے لگ بھگ اپنا کیمپ لگایا، وہ اور صحابہ کی ایک جماعت گھوڑوں پر سوار ہو کر طلیحہ کے لشکر کے قریب آکر کئے خالدؓ نے کہا: طلیحہ نکل کر ہمارے پاس آئے، طلیحہ کے فوجیوں نے

نے کہا: ہمارے نبی کا نام طلحہ ہے، اس کو بجاؤ و مت: ”طلحہ کیمپ سے نکلا اور خالدؓ کے قریب آکر رکا۔ خالدؓ: ہمارے خلیفہ کا حکم ہے کہ ہم تمہیں دعوت دیں کہ خدا کی وحدت اور محمدؐ کے رسول ہونے کا اقرار کرو، اور از سر نو اسلام لاؤ، اگر تم ایسا کرو گے تو ہم اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں گے۔“ طلحہ: میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ یکتا اور بے شریک ہے اور میں اس کا رسول ہوں، خدا نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور ذوالنون (فرشتہ) میرے پاس (وحی لے کر) آتا ہے جس طرح محمدؐ کے پاس جبریل آتا تھا۔ رسول اللہؐ کے زمانہ میں طلحہ نے دعویٰ کیا تھا کہ میرے اوپر ذوالنون کی معرفت وحی نازل ہوتی ہے اور رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ ذوالنون آسمان کے ایک بڑے فرشتہ کا نام ہے۔ (طلحہ طلحہ) عیینہ بن حصن فزاری نے طلحہ سے کہا: اپنی نبوت کی کچھ کرامات دکھاؤ، تم اور ہم محمدؐ کی نبوت کی کرامات (وحی) تو دیکھ چکے۔“ طلحہ: ”اچھا، دکھاؤں گا۔“ جب خالد بن ولیدؓ مدینہ سے (اہلِ ردہ کی گوشمالی کرنے) روانہ ہوئے اس وقت طلحہ نے جو ان کے اقدام سے ناواقف تھا، کچھ جاسوس بھیجے اور اپنی قوم سے) کہا: تمہاری طرف مدینہ سے بنو نصر بن قعین کے دو سوار آرہے ہیں سفید داغ پیشانی اور کھروں والے گھوڑوں پر اور ان کے ساتھ ایک ممتاز عرب ہے (؟) لہذا تم بھی دو سوار (جاسوس) تیار کرو چنانچہ دو سوار بھیجے گئے، ان کو راستہ میں خالدؓ کا ایک جاسوس ملا جس سے انہوں نے پوچھا: ”کیا خبر ہے؟“ جاسوس: ”خالد بن ولیدؓ ایک فوج لے کر آرہے ہیں۔“ یہ دونوں، خالدؓ کے جاسوس کو لے

کر طلحہ کے پاس آئے۔ اس واقعہ سے طلحہ کے متبعین کی گمراہی اور زیادہ بڑھ گئی (یعنی طلحہ کی بنوت پر ان کا عقیدہ زیادہ راسخ ہو گیا) طلحہ نے (فاستحانہ شان سے) کہا: ”دیکھ لو“ میں نے تم سے نہ کہا تھا (کہ مدینہ سے خالد کی قیادت میں فوج آرہی ہے)

طلحہ نے خالدؓ کی دعوت ماننے سے انکار کر دیا تو وہ اپنے کیمپ واپس چلے گئے اور اُس رات مکتف بن زید النحل طائی اور عدی بن حاتم کو جو مخلص اور پر جوش مسلمان تھے، کیمپ کی چوکیداری پر مامور کیا، دونوں نے مسلمانوں کی ایک چیدہ جماعت کے ساتھ رات بھر پہرہ دیا، صبح ہوئی تو خالدؓ نے لڑائی کے لئے فوج کی ترتیب درست کی، جھنڈے تقسیم کئے اور سب سے بڑا جھنڈا زید بن خطاب (برادر عمر فاروق) کو دیا، زیدؓ (ہاجرین کا) جھنڈا لے کر آگے بڑھ گئے اور ثابت بن قیسؓ انصار کا۔ قبیلہ طئیؓ نے خواہش کی کہ ایک جھنڈا ہمارے لئے بھی دیا جائے، سپہ سالار نے ان کی خواہش پوری کی اور (ان کے لیڈر) عدی بن حاتم کو ایک جھنڈا دیا۔

مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر سن کر طلحہ نے بھی اپنی فوج میلان جنگ کے لئے مرتب کر لی، خالدؓ پیادہ صفیں درست کرنے لگے اور طلحہؓ اپنی سواری پر بیٹھ کر۔ جب صفیں ٹھیک ہو گئیں تو ان کو لے کر خالدؓ بڑھے اور طلحہؓ کے قریب آ گئے، طلحہؓ اپنی فوج کے چالیں بے ڈاڑھی مونیچہ غلاموں کو جو بہادری اور سپہ گری میں اپنی مثال آپ تھے لایا اور ان کو میمنہ میں کھڑا کر کے کہا: پہلے یہاں تلوار کے جوہر دکھاؤ اور پھر میسرہ میں جا کر دکھانا، ان کی تلوار بازی سے مسلمان منتشر

ہو گئے، لیکن کوئی مرا نہیں، اس کے بعد طلحہ نے اُن چالیسوں غلاموں کو میسرہ میں لا کھڑا کیا، ان کی تلوار بازی سے مسلمان پسپا ہو گئے۔ قبیلہ ہوازن کے ایک عرب نے جو جنگ میں موجود تھا بیان کیا کہ جب مسلمانوں کے پیر اکھڑے تو خالدؓ نے کہا: مجاہدین انصارِ خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو! اور یہ کہہ کر وہ فوج کے وسط میں گھس پڑے اور اپنا گھوڑا بڑھاتے ہی چلے گئے، اس پر فوجی لیڈروں نے احتجاج کیا، خدا سے ڈرو خالد، خدا سے ڈرو، تم سالار فوج ہو، تمہارے لئے اس طرح آگے بڑھنا (اور اپنی جان جو کھوں میں ڈالنا) مناسب نہیں، خالدؓ بخدا میں یہ جانتا ہوں، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مجھے مسلمانوں کی شکست کا دھڑکا ہو اور میں صبر سے بیٹھا رہوں، مورخ کلبی نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے جس کا تعلق قبیلہ طئ سے تھا کہا کہ جب اُن چالیس غلاموں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو ایک طائی نے باواز بلند کہا: خالد، تسلی اور آجا (کے پہاڑوں میں) بھاگ چلو، خالد: ہمارا ملجا تو بس خدا ہے، پھر انھوں نے حملہ کر دیا اور بخدا اس وقت تک نہ لوٹے جب تک ان چالیسوں کا صفایا نہ کر دیا۔

جنگ بُراخہ میں خالدؓ بن ولید دو تلواروں سے لڑے اور اتنا کہ دونوں ٹوٹ گئیں۔ پسپا ہونے کے بعد مسلمان لوٹے تو جنگ پھر گرم ہوئی۔ طلحہ کا وزیر حَبَال بن ابی حَبَال گرفتار ہوا، مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو ابوبکر صدیقؓ کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ اس کی قسمت کا

لے سکی اور اُمتِ مدینہ سے نوے میل شمال میں دو پہاڑ ہیں، بن کے درمیان قبیلہ طئ کی بہتیاں تھیں۔ بمع البلدان یا قوت مصر خلافت ۱۱۳

فیصلہ کریں، لیکن اس نے کہا: میری گردن اڑا دو، مجھے تمہاری یہ عنایت نہیں چاہیئے۔ چنانچہ اس کی گردن مار دی گئی۔

قاضی واقدی نے عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے جو جنگ میں شریک تھے بیان کیا، میں نے دیکھا کہ طلحہ کا جھنڈا سرخ رنگ کا ہے جس کو ایک آسٹری اٹھائے ہے، — خالدؓ اس کے پاس آئے اور حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا، جھنڈے کا گرنا تھا کہ طلحہ کی فوجیں بھاگ پڑیں، میں نے دیکھا کہ جھنڈے کو اونٹ، گھوڑے اور آدمی روند رہے ہیں، یہاں تک کہ اس کے پرزے بھو گئے۔ خدا خالدؓ بن ولید پر رحم فرماتے، ان کی کارگذاری اور جرأت قابلِ داد تھی، میں نے دیکھا کہ جنگ بُرا نہ میں وہ بذاتِ خود لڑائی میں کود پڑے ہیں، اس پر لوگ ان کو ملامت بھی کرتے، اسی طرح میں نے جنگ یمامہ میں دیکھا کہ وہ خود لڑائی لڑ رہے ہیں، اگر کوئی اور ان کی جگہ ہوتا (تو صورت حال اتنی خطرناک تھی) کہ خود لڑنے سے کتراتا، جب وہ دشمن کی صفوں سے ہمارے پاس واپس آتے تو ان کی سانس پھولی ہوتی۔“ (باقی)

لے قبیلہ اسد سے تعلق رکھنے والا۔

جارج برنارڈشا

(عصر حاضر کا سب سے بڑا ادیب)

اس دور کے سب سے بڑے ادیب، ڈرامہ نویس اور مزاح نگار۔ جارج برنارڈشا کے سوانح حیات پر نہایت جامع اور تفصیل کتاب جس میں دنیا کے اس سب سے بڑے اور اچھوتے ڈرامہ نویس کی خصوصیات زندگی کے ایک ایک پہلو کو نئے انداز سے سامنے لایا گیا ہے مطالعہ کے قابل کتاب متوفی ظ انصاری صاحب صفحات ۲۸۸ قیمت جلد پیر

ذکر مصحفی

(۳)

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی - دہلی یونیورسٹی لائبریری - دہلی)

ولادت مصحفی کی ولادت کے سال کا تئیس ابھی تک نہیں جو سکا ہے۔ قدیم تذکرہ نگاروں میں تو یہ رواج تھا ہی نہیں کہ کسی کا سال ولادت و وفات تحقیق کرنے کے کبھی طے میں پڑیں۔ بہت ہوا تو بالبعث تذکرہ کے وقت اس کی عمر بتا دی یا اگر کوئی مادہ تاریخ اچھا باتھ آگیا ہے تو وہ درج کر دیا جس سے اتنا معلوم ہو گیا کہ کب انتقال ہوا مصحفی کا سال وفات تو کئی مستند ذبیعوں سے معلوم ہو جاتا ہے لیکن ان کی ولادت کب ہوئی اس میں بنو ز اختلاف باقی ہے۔ ہم یہاں مختلف شواہد کی روشنی میں اسی سے بحث کریں گے۔

مولانا حسرت موہانی نے سال ولادت ۱۱۶۲ھ، عمر ۶۷ سال اور سال وفات ۱۲۴۰ھ قرار دیا ہے ڈاکٹر مولوی عبدالحی کا خیال ہے کہ وہ ۱۱۴۲ھ اور ۱۱۵۶ھ کے درمیان کسی سال میں پیدا ہوئے اور ان کا استدلال یہ ہے کہ

مصحفی اپنے تذکرہ ریاض النعمان میں اپنے حالات کے آخر میں لکھتے ہیں کہ اس وقت میری عمر ۶۷ برس کی ہے یہ تذکرہ ۱۲۲۱ھ میں شروع ہوا اور ۱۲۳۶ھ میں اختتام کو پہنچا اس حساب سے ان کی پیدائش ۱۱۵۴ھ اور ۱۱۵۶ھ کے درمیان واقع ہوتی ہے

یہ غلط فہمی "ترب بہ ہشتاد" کے لفظ سے پیدا ہوئی ہے۔ چونکہ یہ فرض کر لیا گیا کہ مصحفی نے اپنا حال ریاض النعمان میں ۱۲۳۶ھ میں لکھا ہے اور اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال کے لگ بھگ ہوگی بہت زیادہ

لے دے سے علی بن محمد ۱۲۳۶ھ میں ریاض النعمان لکھا۔

۱۹۵۶ء اس سے پہلے کی ہوئی۔ اور تذکرے کی تالیف کا آغاز ۱۹۶۱ء میں ہوا، اسی سال اگر اپنا حال لکھا ہے تو زیادہ سے زیادہ ۱۹۶۱ء میں یا اس کے بعد پیدا ہوئے ہوں گے۔

ڈاکٹر ابوالیث صدیقی لکھتے ہیں کہ ۱۹۶۲ء زیادہ قریبی صحت ہے۔ لیکن صدیقی صاحب نے جہاں جہاں اپنے پیاس سے کام لے کر نین کا نین کیا ہے وہاں ان سے صحت تسامح ہوا ہے۔ مثلاً وہ ۱۹۶۲ء کو سال ولادت مان کر پھر لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۹ء کے لگ بھگ امر وہ سے دہلی آئے ہوں گے۔ اس سے پہلے کہ آئے ہیں کہ ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ دہلی سے نکلے اور پچھلے آنولہ پہنچے۔ پھر معافی کے ٹانڈہ جانے اور محمد یار خاں امیر سے متوسل ہونے کا زمانہ ۱۹۸۳ء کے قریب بتاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ معافی پہلی بار لکھنؤ ۱۹۵۵ء کے بعد گئے ہیں اور وہاں ایک سال رہ کر لکھنؤ سے دہلی واپس ہوئے اور تھوڑے عرصے کے بعد دوبارہ لکھنؤ پہنچے اور مستقل قیام اختیار کر لیا ہے۔

حالانکہ انھیں معافی کی اس تحریر کا علم ہے جس میں خود معافی نے دور نجف خانی میں بارہ سال تک دہلی میں گوشہ نشین رہنا بیان کیا ہے۔ غرض ایک بات بھی صدیقی صاحب نے ٹھکانے کی نہیں لکھی۔ یہ تناقض و تضاد کی جتنی دلچسپ مثال ان کی یہ کتاب ہے ایسی بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں یہ بات کچھ ان کی تحریروں کا امتیازی نشان ہو گئی ہے۔ چنانچہ لکھنؤ کا دبستان شاعری، صدیقی صاحب کا تحقیقی مقالہ ہے اس پر نہ صرف یہ کہ علی گڑھ یونیورسٹی نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری دی تھی بلکہ شہہ اردو نے اپنی طرف سے اس کی اشاعت کا سر و سامان بھی کیا تھا اور اس کا پہلا ایڈیشن سلم یونیورسٹی علی گڑھ ہی کے معارف سے طبع ہوا تھا۔ لیکن تحقیقی اعتبار سے اس کتاب کا جو مرتبہ ہے وہ ڈاکٹر وحید قریشی کے

۱۹۵۷ء / ۱۹۵۸ء / ۱۹۵۹ء / ۱۹۶۰ء / ۱۹۶۱ء / ۱۹۶۲ء / ۱۹۶۳ء / ۱۹۶۴ء / ۱۹۶۵ء / ۱۹۶۶ء / ۱۹۶۷ء / ۱۹۶۸ء / ۱۹۶۹ء / ۱۹۷۰ء / ۱۹۷۱ء / ۱۹۷۲ء / ۱۹۷۳ء / ۱۹۷۴ء / ۱۹۷۵ء / ۱۹۷۶ء / ۱۹۷۷ء / ۱۹۷۸ء / ۱۹۷۹ء / ۱۹۸۰ء / ۱۹۸۱ء / ۱۹۸۲ء / ۱۹۸۳ء / ۱۹۸۴ء / ۱۹۸۵ء / ۱۹۸۶ء / ۱۹۸۷ء / ۱۹۸۸ء / ۱۹۸۹ء / ۱۹۹۰ء / ۱۹۹۱ء / ۱۹۹۲ء / ۱۹۹۳ء / ۱۹۹۴ء / ۱۹۹۵ء / ۱۹۹۶ء / ۱۹۹۷ء / ۱۹۹۸ء / ۱۹۹۹ء / ۲۰۰۰ء / ۲۰۰۱ء / ۲۰۰۲ء / ۲۰۰۳ء / ۲۰۰۴ء / ۲۰۰۵ء / ۲۰۰۶ء / ۲۰۰۷ء / ۲۰۰۸ء / ۲۰۰۹ء / ۲۰۱۰ء / ۲۰۱۱ء / ۲۰۱۲ء / ۲۰۱۳ء / ۲۰۱۴ء / ۲۰۱۵ء / ۲۰۱۶ء / ۲۰۱۷ء / ۲۰۱۸ء / ۲۰۱۹ء / ۲۰۲۰ء / ۲۰۲۱ء / ۲۰۲۲ء / ۲۰۲۳ء / ۲۰۲۴ء / ۲۰۲۵ء / ۲۰۲۶ء / ۲۰۲۷ء / ۲۰۲۸ء / ۲۰۲۹ء / ۲۰۳۰ء

۱۹۵۷ء / ۱۹۵۸ء / ۱۹۵۹ء / ۱۹۶۰ء / ۱۹۶۱ء / ۱۹۶۲ء / ۱۹۶۳ء / ۱۹۶۴ء / ۱۹۶۵ء / ۱۹۶۶ء / ۱۹۶۷ء / ۱۹۶۸ء / ۱۹۶۹ء / ۱۹۷۰ء / ۱۹۷۱ء / ۱۹۷۲ء / ۱۹۷۳ء / ۱۹۷۴ء / ۱۹۷۵ء / ۱۹۷۶ء / ۱۹۷۷ء / ۱۹۷۸ء / ۱۹۷۹ء / ۱۹۸۰ء / ۱۹۸۱ء / ۱۹۸۲ء / ۱۹۸۳ء / ۱۹۸۴ء / ۱۹۸۵ء / ۱۹۸۶ء / ۱۹۸۷ء / ۱۹۸۸ء / ۱۹۸۹ء / ۱۹۹۰ء / ۱۹۹۱ء / ۱۹۹۲ء / ۱۹۹۳ء / ۱۹۹۴ء / ۱۹۹۵ء / ۱۹۹۶ء / ۱۹۹۷ء / ۱۹۹۸ء / ۱۹۹۹ء / ۲۰۰۰ء / ۲۰۰۱ء / ۲۰۰۲ء / ۲۰۰۳ء / ۲۰۰۴ء / ۲۰۰۵ء / ۲۰۰۶ء / ۲۰۰۷ء / ۲۰۰۸ء / ۲۰۰۹ء / ۲۰۱۰ء / ۲۰۱۱ء / ۲۰۱۲ء / ۲۰۱۳ء / ۲۰۱۴ء / ۲۰۱۵ء / ۲۰۱۶ء / ۲۰۱۷ء / ۲۰۱۸ء / ۲۰۱۹ء / ۲۰۲۰ء / ۲۰۲۱ء / ۲۰۲۲ء / ۲۰۲۳ء / ۲۰۲۴ء / ۲۰۲۵ء / ۲۰۲۶ء / ۲۰۲۷ء / ۲۰۲۸ء / ۲۰۲۹ء / ۲۰۳۰ء

ایک طویل تبصرے و واضح ہو جاتا ہے جو سہ ماہیؒ ذرا سے ادبؒ ذرا بھی میں شائع ہو چکا ہے۔ علیٰ ہذا ان کا طویل مقالہ مصحفی اور ان کا کلامؒ اگست ۱۹۴۹ء اور فروری ۱۹۵۰ء کے ادیشنل کاغذ میگزین میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اس پر محمد وحی قاضی عبدالودود دربار لٹ۔ لاہور، تبصرہ کر چکے ہیں۔ اور اس کی تاریخی و تحقیقی غلطیوں کی طرف سے چند اشارے کیے ہیں۔

اسی تبصرے کے ذیل میں قاضی عبدالودود صاحب نے لکھا ہے کہ ”مصحفیؒ کی ولادت میرے خیال میں ۱۱۶۴ھ سے قبل ہوئی ہے مگر یہ کسی طرح ۱۱۶۰ھ سے پہلے نہیں۔“ دوسری جگہ قاضی صاحب لکھتے ہیں:-
 ”آبرو کا سال ولادت... مصحفیؒ نے... موت کے وقت عمر ۷۰ سے تہا اور تھی (مذکرہ ہندی)۔“
 اس حساب سے زمانہ پیدائش ۱۱۹۵ھ کے لگ بھگ ٹھہرتا ہے۔ اس کی تردید کی کوئی شکل نظر نہیں آتی لیکن اس کے قبول کرنے سے یہ تسلیم کرنا لازم آتا ہے کہ یہ اپنے استاد آرزوؒ کی ولادت ۱۱۹۰ھ سے کئی سال بڑے تھے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ مصحفیؒ جو اپنا ماخذ نہیں بتاتے آبروؒ کی رحلت کے کم از کم ۵ برس قبل پیدا ہوئے ہیں اور کم از کم ۲۵ برس کی عمر میں دہلی پہنچے ہیں۔“

اس کے بعد آگے چل کر انھوں نے خود ہی لکھا ہے کہ:-

”آبروؒ کی... صحیح تاریخ وفات ۲۴ رجب ۱۱۴۶ھ ہے... یہ سفینہ خوشگوئیوں و درجے ہے۔“

خوشگوئی نے آبروؒ کی وفات ۱۱۴۶ھ میں ہونا بیان کیا ہے اس اعتبار سے اگر ہم قاضی عبدالودود صاحب کے مذکورہ بالا قول کو تسلیم کریں مصحفیؒ... آبروؒ کی رحلت کے کم از کم ۵ برس قبل پیدا ہوئے اور کم از کم ۲۵ برس کی عمر میں دہلی تو مصحفیؒ کا سال پیدائش ۱۱۳۱ھ اور ان کے دہلی پہنچنے کا زمانہ ۱۱۵۶ھ ماننا لازم آتا ہے۔ اور اس کی تصدیق کا نہ صرف یہ کہ کوئی ذریعہ نہیں اور باعتبار قرائن بھی یہ غلط ہے بلکہ خود قاضی صاحب کے اس خیال سے متناقض ہے جو ہم نے اوپر نقل کیا کہ ”مصحفیؒ کی ولادت میرے خیال میں ۱۱۶۴ھ سے قبل ہوئی ہے مگر

۱۱۶۴ھ کے بعد ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔“ ۱۱۶۵ھ میں شاہ مبارک آبروؒ مراد ہیں۔ ۱۱۶۵ھ میں صاحبِ مصنفہ ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۶۵ھ میں صاحبِ مصنفہ ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۶۵ھ میں صاحبِ مصنفہ ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔

یہ کسی طرح ۱۱۹۷ھ سے پہلے نہیں!

غالباً یہ کتابت کی غلطی یا سہو ظلم ہے۔ زیر بحث عبارت میں ”۵۰ سال قبل پیدا ہوئے ہیں“ کی جگہ ”۵۰ برس بعد“ سمجھا جائے تو اس کا رتبہ ہو جاتا ہے اور صحیح سال پیدائش بھی حاصل ہوتا ہے۔ سال ولادت کا تعین کرنے کے سلسلے میں چند امور اور شواہد غور طلب ہیں جنہیں بالترتیب یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(الف) ریاض النصفائین معنی نے لکھا ہے کہ اب میری عمر ”قرب بہشت“ ۷۰ انہی سال کے لگ بھگ ہے۔ اور یہ ہم بتا چکے ہیں کہ ریاض النصفائین کی تالیف ۱۲۲۱ھ اور ۱۲۳۶ھ کے درمیان ہوئی ہے۔

(ب) معنی نے اپنے دیوان ششم کے دیباچہ میں لکھا تھا کہ

”تولد من در احمد شاہی است۔ تا الیوم مگر از شفت (۶۰) تجاوز خواہد بود۔“

اس دیباچہ کے آخر میں یہ بھی تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ ۱۲۲۲ھ میں بد مقام لکھنؤ لکھا گیا۔ احمد شاہ سے مراد احمد شاہ بن محمد شاہ ہے جو حکم جمادی الاول ۱۱۹۷ھ کو تخت نشین ہوا تھا۔

دیوان ششم کا یہ دیباچہ طوہ خضر مولفہ صغیر بلگرامی کے علاوہ معارف اعظم گڑھ کی کسی اشاعت میں بھی پیش کیا گیا تھا۔ سرسرتف الامراء مرحوم کے داماد محمد عبداللہ خان ضیفم کے مولفہ تذکرہ ”یادگار ضیفم“ کا ایک قلمی نسخہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کی تالیف ۱۳۱۸ھ میں شروع ہوئی اور ۱۳۲۳ھ میں اتمام پذیر ہوا۔ مولف یادگار ضیفم نے بھی دیباچہ دیوان ششم کا ترجمہ اپنے مقدمہ میں درج کیا ہے۔ لیکن آخری جملے کے ترجمہ میں انھوں نے غلطی کی ہے:

”تولد میرزا محمد شاہ بادشاہ کے وقت میں ہوا اور اس وقت میری عمر ۶۰ برس سے بڑھی ہوئی ہے“

لے مامر حصہ ۱۸۶۲ھ دیوان ششم کا یہ دیباچہ سب سے پہلے سید فرزند احمد صغیر بلگرامی دشاگرد غالب نے اپنی کتاب طوہ خضر میں نقل کیا تھا یہ کتاب اب بہت کیاب ہے۔ راقم الحروف کی نظر سے اس کا وہ نسخہ گذر اچھا جو کتب خانہ مالک رام کی زینت ہے۔ اس سے جو یادداشتیں قلمبند کی گئی تھیں وہ اس وقت نہیں ملیں۔ ۱۸۶۲ء ہسٹریک راج ۵۶ء لکھ یادگار ضیفم قلمی، ملاحظہ ہو: تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو جلد ۴۔ یہ تذکرہ راقم الحروف کی نظر سے بھی گذر رہا ہے۔

چونکہ اس غلطی سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے اس لئے تصریح اور تصحیح ضروری ہے۔
 راج، مجمع الفوائد میں مصحفی لکھتے ہیں کہ ”نواح شرعی کے بعد میرے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کی والدہ
 اسی دوران میں فوت ہو گئی۔ اور اس کے بعد تقریباً تیس سال ہوئے ہوں گے یا کچھ زیادہ، کہ میں لکھنؤ میں
 مقیم ہوں“ پھر آخر میں لکھتے ہیں:
 ”مالاکس عمر از شصت تہا و راست ...“

اس سے دو باتیں متنبہ ہوتی ہیں اولاً یہ کہ مجمع الفوائد کی تالیف کے وقت مصحفی کی عمر ساٹھ سال سے
 متجاوز تھی اور ثانیاً یہ کہ وہ تقریباً ۳۰ سال سے لکھنؤ میں مقیم تھے۔ اس سے انھوں نے اپنے دوبارہ مستقل قیام
 کی نیت سے لکھنؤ آنے کا زمانہ مراد لیا ہے اور وہ ۱۱۹۰ھ میں دوسری بار لکھنؤ آئے تھے جس کے بعد کچھ کچھ
 لکھنؤ سے باہر نہیں نکلے۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو مجمع الفوائد ۱۲۲۸ھ کے آس پاس کسی سال میں تصنیف
 ہوئی ہے۔ اور ۱۲۲۸ھ میں اگر مصحفی کی عمر ساٹھ سال زیادہ تھی تو ان کا سن ولادت ۱۱۶۰ھ ہوتا ہوگا۔

(د) میر حسن دہلوی رشتہ ۱۱۰۱ھ محرم ۱۲۱۱ھ میں اپنے مذکورہ شعراء اردو کی ترتیب و تہویب کا
 کام ۱۱۸۳ھ کے لگ بھگ شروع کر دیا تھا ۱۱۸۵ھ میں سکر تال کی جنگ سے پہلے مصحفی کبھر میں موجود
 تھے۔ اگر ان کا قیام وہاں ۳-۴ مہینے رہا تو وہ اسی سال گئے ہوں گے۔ میر حسن نے ان کے ترجمے میں لکھا:
 ”اٹھال در شاہ جہاں آباد بہ پیشہ تہمارت سبری برد“

اس سے ظاہر ہے کہ مصحفی کا حال ۱۱۸۳ھ اور ۱۱۸۵ھ کے درمیان لکھا گیا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے
 کہ وہ عنقوانِ شباب میں دہلی پہنچے تو امر دہر سے ان کے نکلنے کے وقت عمر کم از کم ۲۵ سال ہونی چاہیے۔ اس

۱۱۸۵ھ میں مجمع الفوائد علیٰ بحوالہ مصحفی اور ان کا کلام ”ازاد الیث مدنی“ ۶-۷۰ھ لکھنؤ میں مصحفی کے قیام کا تذکرہ کرتے
 ہوئے ڈاکٹر صدیقی نے لکھا ہے کہ ”لکھنؤ ۱۱۸۳ھ کے قریب پہنچے۔۔۔ اس حساب سے عنقوانِ شباب ۱۱۸۳ھ کے قریب کی تصنیف

۱۱۸۵ھ میں حساب ہوتا ہے اور بالکل فرضی ہے۔ حقائق اس کی تائید کسی پہلو سے نہیں کرتے۔ خدا جانے کہ صدیقی صاحب نے

۱۱۸۵ھ اور ۱۱۸۳ھ کا فصل کب سے کیا ہے؟ اصل میں کیا؟ دستور انصاف ۱۳۶۹ھ بمطابق ۱۱۸۵ھ میں تہذیب و تمدن

اصطلاح شیعہ، گھنٹن پزار، ۱۱۸۵ھ میں عنقوانِ شباب پر جہاں آباد آمد طبع انعام، ۱۱۸۵ھ میں ملاحظہ، ۱۱۸۵ھ میں

حساب سے بھی اُن کی پیدائش ۱۱۶۰ھ کے لگ بھگ قرار پاتی ہے۔

ان امور کو ذہن میں رکھتے ہوئے فیصلہ کی نیا دیوان ششم کے دیباچے ہی کو بنا کر پڑھے گا۔ خود مصحفی دور احمد شاہ میں پیدا ہونا تحریر کرتے ہیں اور اُس کا سال جلوس ۱۱۶۰ھ مصدقہ ہے تو کیوں نہ ہم اسی سن کو اُن کی ولادت کا سال مان لیں۔ اس سے سارے انکال رفق ہو جائیں گے۔ یعنی ۱۔

دالغ (یا ض الغصا) میں انھوں نے اپنی عمر پورے اسی برس نہیں بتائی ”قرب بہشتا“ دکھائے ۱۱۶۱ھ کو سال پیدائش مانیں تو ۱۱۶۲ھ میں اُن کی عمر ۷ برس ہوتی ہے جسے آسانی کے ساتھ ”قرب بہشتا“ کہا جاسکتا ہے۔

دب دیوان ششم کا دیباچہ خود مصحفی کی تصریح کے مطابق ۱۱۶۲ھ میں لکھا گیا ہے۔ اس میں عمر ساٹھ سال سے زیادہ بتائی ہے۔ یہ بھی ۶۳ سال ہوتی ہے جو یقیناً آدھشت ہزار کے ذیل میں آتی ہے۔ رج مجمع الفوائد کا سال تصنیف اگر ۱۱۶۲ھ صحیح ہے تو اس کی تالیف کے وقت عمر ۶۷ سال ہوتی ہے اور یہی مصحفی نے لکھا ہے۔

ان نثران کو دیکھتے ہوئے ہماری رائے یہ ہے کہ وہ جامدی الاول ۱۱۶۱ھ کے بعد کسی مہینے میں پیدا ہوئے۔ اور یہ احمد شاہ بن محمد شاہ بادشاہ دہلی کا عہد حکومت تھا۔

مولد | سال ولادت کی طرح مصحفی کے مولد میں بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ میر حسن دہلوی کا بیان ہے کہ وہ اکبر پورنامی قبیلہ میں پیدا ہوئے جو دہلی کے متصل ہے۔ اور خود مصحفی اس کا محل وقوع ”جنا کے کے کنارے“ بتاتے ہیں۔

میر حسن کے الفاظ یہ ہیں:

... شیخ ہمدانی الغصا مصحفی ... از بجائے احمد دہم مولدش اکبر پور کہ قبضہ ایست

متصل دہلی۔ وطن بزرگانش از قدیم۔ الحال در شاہ جہاں آباد پریشہ تجارت

دقیقہ حاشیہ ۳۲، حصہ ۸/۱۱۹۔ قاضی عبدالودود صاحب کا خیال ہے کہ ”وہ کم از کم ۷۰ برس کی عمر میں دہلی پہنچے۔
لے مصحفی: مجمع الفوائد رقمی، متعلقہ عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے۔

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصحفی امروہہ کے شرفاریں سے ہیں۔ **کاخک** ہوئی جو دہلی سے متصل ایک قصبہ ہے اور ان کے بزرگوں کا مسکن بہت زمانے سے

دہلی میں تجارت کرتے ہیں۔ اس عبارت میں ایک صریح تناقض ہے جب مصحفی کا پوچھوڑی جلیگڑا (ان کے بزرگوں کا مسکن) مان بھی زمانہ قدیم سے ہے تو پھر ”نجاے امروہہ“ سے لے کر کچھ نہیں کر سکتے ہوا۔ لیکن دراصل یہ غلط فہمی ایک کاتب کی پھیلائی ہوئی ہے اور اس سے انداز

کی مہوئی سی لغزش قلم سے تاریخ و تحقیق کے طالب علموں کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑ جاتے ہیں ہر ۱۹ جولائی ۱۹۳۸ء کے مرتب و معشی مولانا تیار علی خاں معشی کی مندرجہ ذیل عبارت سے سلبہ جاتناقل ۱۱، ۱۲ اگست ۱۹۳۸ء کے قلمی نسخہ خزوندہ رضا لاہور بری راہپور کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں بی اگر رکلت کو، وطن کہوں سے اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ کتاب خانہ عالیہ راہپور میں موجود ہے اس میں

یادس دس پانچ پانچ سطروں کی بیاضیں پائی جاتی ہیں۔ نیز آخری حال و دوساتھ محمد مشقی علوم بہدسترس ہے جس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ خود مصنف کا نسخہ ہے کہیں کہیں مطبوعہ تراجم کے ذریعہ آشنا ہونے کی اختلاف بھی ہے یہاں صرف مصحفی سے متعلق ایک جملے کے اختلاف کا ذکر کرنا نہیں علم و ادب کی نسخہ میں عبارت یوں ہے: ”از نجاے امروہہ، مولدش اکبر پور کہ قبسی بات ہے حکیم عبدالحمید فرغ کے وطن بزرگان نش از قدیم۔ الحال در شاہ جہاں آباد بہ پیشہ تجارت سبرمی برہی میں پہلی بار میں نے اپنا نام ہمارے قلمی نسخہ میں یہ عبارت اس طرح ہے:

”از نجاے امروہہ۔ مولدش اکبر پور کہ قبسی است متصل۔ الحال در شاہ جہاں آباد کے لیے قبلہ ام امتیاز

تجارت سبرمی برود

مطبوعہ مصحفی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی جس اکبر پور نامی ۱۹۱۸ء دی ہے۔

دہلی کے متصل ہے اور قلمی نسخہ اس کے برخلاف یہ بتاتا ہے کہ قصبہ مذکور

علامہ میر محمد علی صاحب دہلوی کے شرفاریں ۱۱/۱۲/۱۹۳۸ء

ایضاً

یوپی کے ڈسٹرکٹ گزٹنگ راجہ ۱۱/۱ میں قصبہ اکبر پور کا ذکر امروہہ کے ساتھ کیا گیا ہے اور مندرجہ
گزیٹ میں دہلی کے قصبہ کسی اکبر پور نامی قصبہ کا ذکر نہیں ملتا۔ اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ راجہ پور
کے اس نسخے کی عبارت صحیح ہے اور مطبوعہ نسخے میں کتابوں نے کتب پونت کر دی ہے۔
۱۱/۱ اکبر پور | مندرجہ بالا تصریح سے یہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے کہ اکبر پور متصل دہلی نہیں تھا بلکہ امروہہ
سے متصل ہے۔ شاہی زمانے کے عرصے میں دہلی کی حیثیت ایک صوبہ کی تھی اور اس زمانے کی دستاویزات اور فرامین
میں عام طور پر یوں ہی لکھا جاتا تھا مثلاً ”پرگنہ امروہہ میں توابع سرکار سبھل متصل دہلی یا من مضافات دہلی
یہاں متصل“ سے مراد وہیں کہ دونوں کی سرحدیں بالکل ملی ہوئی ہیں۔ بلکہ یہ دفتر ادھر پر کچری کی زبان تھی۔
اب یہ بھی دیکھا ضرور ہے کہ خود مصنفی نے ”اکبر پور کی جائے وقوع کیا بیان کی ہے۔ مجمع الفوائد کی
اصل عبارت مع ترجمہ کے ہے پہلے درج ہو چکی ہے اس میں مصنفی نے لکھا ہے کہ
”میرے موت اٹلی کا اقامہ موضع اکبر پور میں تھا جو موضع منجھاوی اور موضع شیخ پور کے درمیان
واقع ہے۔“

امروہہ سے ۳ میل شمال مغرب میں جو موضع اکبر پور واقع ہے اور جس کا ذکر ڈسٹرکٹ گزٹ میں بھی کیا
گیا ہے اس کا موقف قطعاً سناوی ہے جو مصنفی نے بیان کیا ہے۔
۱۱/۱ امتیاز علی عری : دیہہ راجہ دستور انصاف ۶۹-۶۸ جے مصنفی مجمع الفوائد (قلمی) سے ڈسٹرکٹ
گزیٹ ج ۱۶ ص ۱

ماہنامہ نقش

۱۔ پہلا شمارہ جون ۱۹۵۷ء میں زیر احسانیت مولانا سید انظر شاہ کشمیری
ادبی مواد کو نہایت سہولت میں اردو میں پیش کیا جاتا ہے۔ زیر نظر شمارہ کے خاص لکھنے والے
(۱) مولانا ضیاء الدین اصلاقی دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ ۲۔ حضرت المصنف
(۲) جناب ابو نصر فیضی بی۔ ایس۔ سی۔ ۳۔ استاد علی عاری مدس جامعہ ادرہ
وغیرہ ہیں۔ ہر خاص نامہ او عام سے رسالہ کے خریدار جنس کی اپیل کی جاتی ہے۔
نمونہ ذیل کے بل پر پتہ سے مفت طلب کریں۔ سالانہ چندہ ۵ روپے
دفتر نقش دلیو بند۔ یوپی

اسی زمانے میں مرزا غالب کے شاگرد داد شاہ خاں شوخی رام پوری خیم کلکتہ کی فرمائش پر ارتمالہاچہ شعر لکھا۔
 کہہ اور ساتواں شعر مزید فرمائش پر یہ کہا۔

وعدہ دین بھی کچھ طرفہ تماشا کی بات
میں تو بھولوں نہ کہیں، ان کو کبھی یاد نہ ہو

اسی زمانے میں مخزنِ نیا نیا نکلا تھا۔ اس میں چند تحریروں (اخبار نویسی) اور خاقانی شروانی بھی ہیں۔
 دولت رائے نظر کے خدنگ تندرگستور میں غزلیں نکلیں اور انہیں کچھ دن بعد نشر کا ایک حصہ بڑھانے پر آمادہ کر لیا جس کی ترتیب اپنے فتملے لی: احسن الامجاء اور تحفۂ احمدیہ رقیبہ احمد حسن فتحپوری (میں بالآخر صفائیں کر لی ہوئی)۔ پھر خود اپنا ایک پرچہ لسان الصدق جاری کیا۔ یہ سب باتیں ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۴ء کی ہیں۔ اس وقت میری عمر ۱۶ برس سے زیادہ نہ تھی۔

تعلیم سے پندرہ برس کی عمر میں فارغ ہو گیا تھا..... والدینے تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا..... رب سے پہلی تقریر میں نے ۱۹۰۳ء میں کی.... غالباً دوسرے سال انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں شریک ہوا تھا اور تقریر بھی کی تھی۔ ندوۃ العلماء راولپنڈی میں ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں میں اب پابندی کے ساتھ شریک ہونے لگے۔ کانفرنس کے کھنڈہ اجلاس میں ۱۹۰۴ء میں ان کی شرکت کی شہادت موجود ہے۔ اسی دوران میں شمالی سے تعارف ہو چکا تھا۔ ان کی دعوت پر الندوۃ کے ارٹان میں شامل ہو گئے اور اکتوبر ۱۹۰۶ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک اس سے وابستہ رہے۔ راولپنڈی میں الندوہ جو جو کڑ وکیل امرتسرہ

۱۔ نقش آزاد، ۵۲۔

سکھ ایضاً۔ جو فقرے بریکٹ () میں ہیں اس کی ذمہ داری لینے کے لئے میں تیار نہیں ہوں۔ حوالہ دینے والے یوں ہی کہا ہے۔ مزید توثیق کیلئے: آزاد کی کہانی، رعایت، تلخ آبادی، سلج آبادی کے یہاں کچھ اور پیچھے اور بعض تعاضفات مکمل جائینگے جن کی تصدیق کے لئے میرے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

۵۲۔ نقش آزاد: بیان دینی حبیب اللہ خان، ترتیب وادب رضا بیار، ضیا جون ۶۵۴

ش. الندوة: أكتوبر ١٩٥٥، ١٩٥٦، ١٩٥٧، ١٩٥٨، ١٩٥٩، ١٩٦٠، ١٩٦١، ١٩٦٢، ١٩٦٣، ١٩٦٤، ١٩٦٥، ١٩٦٦، ١٩٦٧، ١٩٦٨، ١٩٦٩، ١٩٧٠، ١٩٧١، ١٩٧٢، ١٩٧٣، ١٩٧٤، ١٩٧٥، ١٩٧٦، ١٩٧٧، ١٩٧٨، ١٩٧٩، ١٩٨٠، ١٩٨١، ١٩٨٢، ١٩٨٣، ١٩٨٤، ١٩٨٥، ١٩٨٦، ١٩٨٧، ١٩٨٨، ١٩٨٩، ١٩٩٠، ١٩٩١، ١٩٩٢، ١٩٩٣، ١٩٩٤، ١٩٩٥، ١٩٩٦، ١٩٩٧، ١٩٩٨، ١٩٩٩، ٢٠٠٠، ٢٠٠١، ٢٠٠٢، ٢٠٠٣، ٢٠٠٤، ٢٠٠٥، ٢٠٠٦، ٢٠٠٧، ٢٠٠٨، ٢٠٠٩، ٢٠١٠، ٢٠١١، ٢٠١٢، ٢٠١٣، ٢٠١٤، ٢٠١٥، ٢٠١٦، ٢٠١٧، ٢٠١٨، ٢٠١٩، ٢٠٢٠، ٢٠٢١، ٢٠٢٢، ٢٠٢٣، ٢٠٢٤، ٢٠٢٥، ٢٠٢٦، ٢٠٢٧، ٢٠٢٨، ٢٠٢٩، ٢٠٣٠، ٢٠٣١، ٢٠٣٢، ٢٠٣٣، ٢٠٣٤، ٢٠٣٥، ٢٠٣٦، ٢٠٣٧، ٢٠٣٨، ٢٠٣٩، ٢٠٤٠، ٢٠٤١، ٢٠٤٢، ٢٠٤٣، ٢٠٤٤، ٢٠٤٥، ٢٠٤٦، ٢٠٤٧، ٢٠٤٨، ٢٠٤٩، ٢٠٥٠، ٢٠٥١، ٢٠٥٢، ٢٠٥٣، ٢٠٥٤، ٢٠٥٥، ٢٠٥٦، ٢٠٥٧، ٢٠٥٨، ٢٠٥٩، ٢٠٦٠، ٢٠٦١، ٢٠٦٢، ٢٠٦٣، ٢٠٦٤، ٢٠٦٥، ٢٠٦٦، ٢٠٦٧، ٢٠٦٨، ٢٠٦٩، ٢٠٧٠، ٢٠٧١، ٢٠٧٢، ٢٠٧٣، ٢٠٧٤، ٢٠٧٥، ٢٠٧٦، ٢٠٧٧، ٢٠٧٨، ٢٠٧٩، ٢٠٨٠، ٢٠٨١، ٢٠٨٢، ٢٠٨٣، ٢٠٨٤، ٢٠٨٥، ٢٠٨٦، ٢٠٨٧، ٢٠٨٨، ٢٠٨٩، ٢٠٩٠، ٢٠٩١، ٢٠٩٢، ٢٠٩٣، ٢٠٩٤، ٢٠٩٥، ٢٠٩٦، ٢٠٩٧، ٢٠٩٨، ٢٠٩٩، ٢١٠٠، ٢١٠١، ٢١٠٢، ٢١٠٣، ٢١٠٤، ٢١٠٥، ٢١٠٦، ٢١٠٧، ٢١٠٨، ٢١٠٩، ٢١١٠، ٢١١١، ٢١١٢، ٢١١٣، ٢١١٤، ٢١١٥، ٢١١٦، ٢١١٧، ٢١١٨، ٢١١٩، ٢١٢٠، ٢١٢١، ٢١٢٢، ٢١٢٣، ٢١٢٤، ٢١٢٥، ٢١٢٦، ٢١٢٧، ٢١٢٨، ٢١٢٩، ٢١٣٠، ٢١٣١، ٢١٣٢، ٢١٣٣، ٢١٣٤، ٢١٣٥، ٢١٣٦، ٢١٣٧، ٢١٣٨، ٢١٣٩، ٢١٤٠، ٢١٤١، ٢١٤٢، ٢١٤٣، ٢١٤٤، ٢١٤٥، ٢١٤٦، ٢١٤٧، ٢١٤٨، ٢١٤٩، ٢١٥٠، ٢١٥١، ٢١٥٢، ٢١٥٣، ٢١٥٤، ٢١٥٥، ٢١٥٦، ٢١٥٧، ٢١٥٨، ٢١٥٩، ٢١٦٠، ٢١٦١، ٢١٦٢، ٢١٦٣، ٢١٦٤، ٢١٦٥، ٢١٦٦، ٢١٦٧، ٢١٦٨، ٢١٦٩، ٢١٧٠، ٢١٧١، ٢١٧٢، ٢١٧٣، ٢١٧٤، ٢١٧٥، ٢١٧٦، ٢١٧٧، ٢١٧٨، ٢١٧٩، ٢١٨٠، ٢١٨١، ٢١٨٢، ٢١٨٣، ٢١٨٤، ٢١٨٥، ٢١٨٦، ٢١٨٧، ٢١٨٨، ٢١٨٩، ٢١٩٠، ٢١٩١، ٢١٩٢، ٢١٩٣، ٢١٩٤، ٢١٩٥، ٢١٩٦، ٢١٩٧، ٢١٩٨، ٢١٩٩، ٢٢٠٠، ٢٢٠١، ٢٢٠٢، ٢٢٠٣، ٢٢٠٤، ٢٢٠٥، ٢٢٠٦، ٢٢٠٧، ٢٢٠٨، ٢٢٠٩، ٢٢١٠، ٢٢١١، ٢٢١٢، ٢٢١٣، ٢٢١٤، ٢٢١٥، ٢٢١٦، ٢٢١٧، ٢٢١٨، ٢٢١٩، ٢٢٢٠، ٢٢٢١، ٢٢٢٢، ٢٢٢٣، ٢٢٢٤، ٢٢٢٥، ٢٢٢٦، ٢٢٢٧، ٢٢٢٨، ٢٢٢٩، ٢٢٣٠، ٢٢٣١، ٢٢٣٢، ٢٢٣٣، ٢٢٣٤، ٢٢٣٥، ٢٢٣٦، ٢٢٣٧، ٢٢٣٨، ٢٢٣٩، ٢٢٤٠، ٢٢٤١، ٢٢٤٢، ٢٢٤٣، ٢٢٤٤، ٢٢٤٥، ٢٢٤٦، ٢٢٤٧، ٢٢٤٨، ٢٢٤٩، ٢٢٥٠، ٢٢٥١، ٢٢٥٢، ٢٢٥٣، ٢٢٥٤، ٢٢٥٥، ٢٢٥٦، ٢٢٥٧، ٢٢٥٨، ٢٢٥٩، ٢٢٦٠، ٢٢٦١، ٢٢٦٢، ٢٢٦٣، ٢٢٦٤، ٢٢٦٥، ٢٢٦٦، ٢٢٦٧، ٢٢٦٨، ٢٢٦٩، ٢٢٧٠، ٢٢٧١، ٢٢٧٢، ٢٢٧٣، ٢٢٧٤، ٢٢٧٥، ٢٢٧٦، ٢٢٧٧، ٢٢٧٨، ٢٢٧٩، ٢٢٨٠، ٢٢٨١، ٢٢٨٢، ٢٢٨٣، ٢٢٨٤، ٢٢٨٥، ٢٢٨٦، ٢٢٨٧، ٢٢٨٨، ٢٢٨٩، ٢٢٩٠، ٢٢٩١، ٢٢٩٢، ٢٢٩٣، ٢٢٩٤، ٢٢٩٥، ٢٢٩٦، ٢٢٩٧، ٢٢٩٨، ٢٢٩٩، ٢٣٠٠، ٢٣٠١، ٢٣٠٢، ٢٣٠٣، ٢٣٠٤، ٢٣٠٥، ٢٣٠٦، ٢٣٠٧، ٢٣٠٨، ٢٣٠٩، ٢٣١٠، ٢٣١١، ٢٣١٢، ٢٣١٣، ٢٣١٤، ٢٣١٥، ٢٣١٦، ٢٣١٧، ٢٣١٨، ٢٣١٩، ٢٣٢٠، ٢٣٢١، ٢٣٢٢، ٢٣٢٣، ٢٣٢٤، ٢٣٢٥، ٢٣٢٦، ٢٣٢٧، ٢٣٢٨، ٢٣٢٩، ٢٣٣٠، ٢٣٣١، ٢٣٣٢، ٢٣٣٣، ٢٣٣٤، ٢٣٣٥، ٢٣٣٦، ٢٣٣٧، ٢٣٣٨، ٢٣٣٩، ٢٣٤٠، ٢٣٤١، ٢٣٤٢، ٢٣٤٣، ٢٣٤٤، ٢٣٤٥، ٢٣٤٦، ٢٣٤٧، ٢٣٤٨، ٢٣٤٩، ٢٣٥٠، ٢٣٥١، ٢٣٥٢، ٢٣٥٣، ٢٣٥٤، ٢٣٥٥، ٢٣٥٦، ٢٣٥٧، ٢٣٥٨، ٢٣٥٩، ٢٣٦٠، ٢٣٦١، ٢٣٦٢، ٢٣٦

برہان دہلی

کے ادارے میں پہنچ گئے۔ مگر اسی سال کے آخر تک کسی ہینے دہ دیکھیں کہ چھوڑ کر خود اپنا اخبار نکالنے کی فکر میں تھے۔

وسط جنوری (۱۹۰۷ء) سے ایک مستقل اخبار میری ایڈیٹری میں نکلتے سے نکلتا: دارالاسلام علیہ

۱۹۰۷ء سے مئی ۱۹۰۹ء تک کے درمیانی وقفہ میں بغداد و قسطنطنیہ اور پیرس کا سفر کیا۔ جون ۱۹۰۹ء میں وہ ہندوستان میں موجود تھے۔

۱۹۱۰ء میں وہ اٹھ ہفتہ روزہ کے نکالنے کے لیے برصغیر میں تھے جو دو سال بعد الہلال کے نام سے نکلا۔ ۱۹۱۲ء میں ۱۲ رجلائی کو بالآخر الہلال مکمل آیا۔ جو عبورت ٹائپ میں مصور پرچہ۔ روایت سازانہ "ہر شخص کی زندگی کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے کسی قدر متضاد و مختلف ہوں۔ خود میں کلیم زہد اور قبائے زندگی کو ایک ہی وقت میں اڑھنے کا مجرم ہوں۔" آنکھیں کھلیں تو عہد شباب کی صبح ہو چکی تھی اور خواہشوں اور دلوں کی شبہم سے غارت خانہ بنتی کا ایک ایک کانٹا پھولوں کی طرح شاداب تھا۔ اپنی طرف دیکھا تو پہلو میں دل کی جگہ سیلاب کو پایا۔ دنیا پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ اس صبح فریب کے لیے نہ تو سوز و غم کی وہ پہرے نہ ناامیدی و ناکامی کی شام۔ یہ سارا شہرستان امید اور نگار خانہ نظر منہ بیا صرف ہمارے ہی دیدہ و دل کی کاجوئیوں کے لئے بننا ہے اور گویا گوشہ گوشہ اور ذرہ ذرہ ہماری ہوتا کیوں کے لیے چشم ہوا

۱۹۰۶ء بنام حسن نظامی راتالیق خطوط نویسی

۱۹۰۶ء کاروان خیال میں اس سفر کا تذکرہ آیا ہے، مزید۔ لونی مینیوں: ابوالکلام آزاد مرتبہ ہایوں کبیر: انڈیا دہس فریڈم۔

۱۹۰۶ء شملی بنام ابوالکلام، ۱۵ جون ۱۹۰۹ء کا ایک خط رملاتیب شملی ۱۰۱۱۱۱۱۱

۱۹۰۶ء رملاتیب شملی: راتالیق خطوط نویسی ۱۹۰۶ء کے خطوط۔

۱۹۰۶ء انسان و عشق کے بارے میں دوسری ستمبر روایتوں کے علاوہ کلاسیک متن جنی عبد اللہ و اسکیکل جون ۱۹۰۶ء

۱۹۰۶ء بنام حسن نظامی، ۱۵ جون ۱۹۰۹ء راتالیق خطوط نویسی

ہے جس طرف کان لگا یا یہی صدا سنائی دی.....

شہریت پر زخوباں، دزہر طرف بھار

یا راں صلائے عام است گری کنید کار

غفلت و مدہوشی نے انہوں پہونکا، سستی و سرگرانی نے جام بھرے، جنونِ شباب نے ہاتھ پکڑا اور دلوں اور ہوسوں نے راہ دکھائی دل کی خود مشردشیوں نے اُسی کو منہ لے مقصود سمجھا ہوش و غرور کو پہلے جیرانی ہوئی لیکن پھر اس نے بھی آگے بڑھ کر اٹھا وہ کیا، راہ ہے تو یہی اور وقت ہے تو اسی کا۔

ساقیا مرغِ ازمن عالم جوانی ہا ست

جس طرف نظر اٹھائی ایک صنم آباد اُلفت و پرستش پایا جس میں مندوں اور مورتیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہر مند رجینِ نیاز کا طالب، ہر مورتی دل فروشی و جاں سپاری کے لیے وہاں دوش، ہر جلوہ برقِ تمکین و اختیار، ہر نگاہ بلائے صبر و قرار۔

الفراق اے صبر و تمکین، الوداع اے عقل و دین

جس راہ میں قدم اٹھایا زنجیروں اور کندوں نے استقبال کیا، جس گشتے میں پناہ ملی یہی زندانِ ہوش و آگہی نکلا۔ ایک قید ہو تو ذکر کیجئے۔ ایک زنجیر ہو تو اس کی کڑیاں گنیئے۔۔۔

وائے برصید کہ یک باشند و میا وے چند

.... کبھی سرو کی بلند قامتی پر رشک آیا تو سر بلندی و سرافرازی کے لیے دل خون ہوا۔ کبھی سبز و پامال کی خاکساری و افتادگی پر نظر پڑ گئی تو اپنے چندار و خود پرستی پر شرم آئی۔ کبھی یادِ صبا کی روشِ پسند آئی تو اقامت گزینی سے وحشت ہوئی۔ آوارگی و رہِ نوردی کی دل میں ہوا سمانی کبھی آبِ برداں کی بے قیدی و بے تعینی اس طرح ہی کو جانی کہ پابندیوں اور گرفتاریوں پہ آنکھوں نے

سے آنکھوں کے تاشِ بینوں کی اصطلاح میں 'خاند ساز آشا' اُسے کہتے ہیں جسے طواغیت کہتے

ہیں کے انکار کے لیے لگاتے رکھتی ہیں۔ فطش آزاد، ۳۲۳۔

آمنوں اور دل نے زخموں کے ساتھ ماتم کیا... غرضکہ نہ تو اسباب میں کمی تھی اور نہ استعداد بالکل مفقود تھی۔

.... مگر اہی میل کی آخری حدفق ہے اور مگر اہی اعتقاد کی الحاد سوفسق والحاد کی کوئی قسم ایسی دھمی جس سے اپنا نامہ اعمال خالی رہا ہو....

کوئی بچار تا ہے اور دروازہ نہیں کھلتا کوئی بھاگتا ہے اور اس پر کندھیںکے جاتے ہیں قانون طلب دسی سے انکار نہیں۔ لیکن اگر وہ بے طلب دینا چاہے تو اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے.....

ناگہاں جاذبہ توفیق الہی پر وہ عشق مجاز میں نمودار ہوا اور ہوس پرستیوں کی آوارگیوں نے خود بخود شاہراہ عشق و محبت تک پہنچا دیا۔ آگ لگتی ہے تو رفتہ رفتہ شعلے بھڑکتے ہیں۔ سیلاب آتا ہے تو بتدریج پھیلتا ہے۔ یہ تو ایک بجلی تھی جو آٹا فانا نمودار ہوئی، چکی اوردیکھا تو خاک کا ڈھیر تھا۔ ہوس و عشق پر کیا موقوف ہے۔ کوئی درمیانی منزل ہو، اگر قدم آگے بڑھنے سے رک گئے تو پھر وہی منزل بہت اور رہرہ اس کا پرستار... کامیابی چلتے رہنے اور بڑھتے جانے کا نام ہے کہ۔

ٹمک دیکھ لیا، دل خاد کیا خوش کام ہوئے اور چل بکے

اور نامراوی نہیں ہے مگر اٹھنے اور رہ جانے میں۔

یک لمحہ فافل بودم و مدد سالہ راہم دور شد

پننا نچ... اس منزل کے وقفے نے بھی زیادہ طول دکھینچا۔ ایک سال پانچ ماہ کے اندر اس کو چپے کے بھی تمام رسم و رواج ایک ایک کر کے دیکھ ڈالے۔ کوئی گوشہ کوئی مقام باقی نہیں ہوٹا۔ نہ بھنڈے ہم حنائی کا سودا ہے نہ فرما دے مقابلے کا دعویٰ... البتہ یہ ضرور دیکھ سکے نیمہ عشق و عاشقی و طریقی آشنگی و جاں سپاری کی جتنی باتیں سننے میں آتی تھیں وہ سب کے کچھ نہیں اور اس راہ کا کوئی حال اور معاملہ ایسا نہیں رہا جو کسی کی زبان پر جو ادب پنہاں

نہ گزر چکا ہو....

.... ایک ایک گھڑی اور ایک ایک لمحہ ایسا گزر چکا ہے کہ سیکڑوں آہیں اندر ہی اندر پھینکی ہیں
ہزاروں شورشیں سینے کے اندر ہی اندر چلی ہیں۔ آنسوؤں کو آنکھوں کی وسعت نہ ملی تو دل کے گوشے ہی
میں طوفان اٹھاتے رہے۔....

انداز جنوں کو نساہم میں نہیں مجنوں :

پر تیری طرح عشق کو رسوا نہیں کرتے

اگرچہ اس معاملے کا خاتمہ ابھارنا کای و مایوسی پر ہوا لیکن فی الحقیقت فتح و کامرانی کی ساری
شاردانی اسی ناکامی میں پوشیدہ تھی۔ اسی ناکامی نے بالآخر کامیابی کی راہ کھولی.... غبارِ حجاز دور
ہوا تو کعبۂ حقیقت سامنے تھا۔

.... سارا کام پہلے سے ہو چکا تھا چو لہا مدتوں سے گرم تھا۔ جس بازی نے چنگاریوں کا کام
دیا تھا عشق نے شعلے بھڑکائے تھے۔ صرت اتنی بات باقی رہ گئی تھی کہ ایک دیگ اتار کر دوسری چڑھا دی
جائے۔ یہ کام عشق کی امیدوں سے نہ ہو سکا تو کیا مضائقہ؟ عشق کی مایوسیوں نے تو پورا کر دیا۔
اگر کچھ پرستی و رندی کی منزل پیش نہ آتی تو نہیں معلوم حقیقت پرستی کے کتنے ہی گوشے ہیں جن
سے ہمیشہ خبر رہتے۔ تھے

”جس حال میں رہے نقص و ماطاقتی ہے دل کو ہمیشہ گریز رہا اور شیوہ تقلید و روشِ عام سے
پرہیز جہاں کہیں رہے اور جس رنگ میں رہے کبھی کسی دوسرے کے نقشِ قدم کی تلاش نہ ہوئی۔ اپنی راہ خود
ہی نکالی اور دوسروں کے پیچھے اپنا نقشِ قدم رہنا چھوڑا۔ رندی و ہوسناکی کا عالم رہا تو اس کو بھی
نا تمام نہ چھوڑا۔ تھے

تھے تذکرہ ۳۱۵ — ۳۲۴

تھے ایضاً ۳۲۶

تھے ایضاً ۳۲۸

مدبران دہلی

اپنی شگلی خوشگلی نہ تو کسی ہاتھ کی بھون ہے، نہ کسی زبان کی، نہ خاندان کی، نہ تعلیم و تربیت ظاہری کی جو کچھ پایا ہے صرف بارگاہ عشق سے پایا ہے جتنی رہنمائیاں ملیں، صرف اسی مرشد ہادی طریق سے ملیں۔ وہ بن کر آیا تھا مگر دوا بن کے گیا۔۔۔ علم کا دروازہ اسی نے کھولا عمل کی حقیقت اسی نے بتلائی۔۔۔ قرآن مجید بھی اسی نے بتلائے سنت کے اسرار اسی نے کھولے۔ نظر اس نے دی۔ دل اس نے پھنسا۔۔۔

اگر کسی کو اول روز سے اپنے زہد و پاک پرناز ہو تو ہم کو بھی اپنی اس رندی و ہوسنا کی کی تردانی کا کوئی شکوہ نہیں جس کو عین اکیس ماہ کی عمر میں درجنوں شباب کی سرمستوں کا اصل موسم ہوتا ہے، دونوں ہاتھوں سے اس طرح چوڑا کر ایک قطرہ بھی باقی چھوڑا۔۔۔

باوجودیکہ اس معاملے پر کامل لودس برس گزر چکے۔۔۔ لیکن الحمد للہ کہ جو در پہلے داغ و دبھر زخم بن کر رہا تھا اب ناسور بن کر نہاں خانہ دل میں محفوظ ہے اور امید ہے کہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ نہ لولانا کی سوانح حیات کا باقی ماندہ حصہ جانا پہچانا ہے۔

۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۷ء تک اہلالِ راہ اور پھر البلاغ (۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۸ء تک) ۲۰ مارچ ۱۹۱۶ء سے یکم جنوری ۱۹۲۰ء تک راجہ میں نظر بند رہے اور ۱۹۲۳ء میں کانگریس کے خصوصی اجلاس میں اس کے صدر چن لئے گئے جس عہد کی ذمہ داری ایک بار اور ان کو سپرد کی گئی اور اس بار کامل ہمال کیلئے، ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۶ء تک رہے۔

میں نے ۱۹۱۲ء میں ایک اردو جرنل اہلالِ جاری کیا۔۔۔۔۔ اہلال نے تین سال کے اندر مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی حالت میں بالکل نئی حرکت پیدا کر دی۔۔۔۔۔ اہلال نے مسلمانوں کو تعداد کی جگہ ایمان پر مبنی بنانے کی کوشش کی اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جلنے کی دعوت دی اس

یعنی یہ بات ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ کی ہے۔ اپنے حساب سے اس وقت ان کی عمر ۲۴ سال تھی۔
سے تذکرہ۔۔۔ ۳۰ - ۳۲۹ -

اہلال اور البلاغ کے بارے میں تفصیل کے لئے دیکھئے "ہندوستانی صحافت کا ایک اہم باب" از عابد رضا بیہار، اردو ادب آزاد نمبر۔

تذکرہ، دیباچہ اور آخری اور اقیانوس اخبار پر قائم کلکتہ۔ ۱۹۲۰ء یا دوس فرمیں

ہے تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا نتیجہ آج متحدہ خلافت و سراج ہے۔ بہرہ و کرسی ایک ایسی تحریک کو زیادہ عرصہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے پہلے الہلال کی ضمانت ضبط کی گئی، پھر حب البلق کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا تو ۱۹۱۷ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظر بند کر دیا۔ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ الہلال نامہ ستر زندگی یا موت کی دعوت تھی۔ اسلام کی مذہبی تعلیمات کے متعلق اس شخص سے ملکہ بحث و نظریہ بنیاد ڈالی، اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے، صرف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں آج ہاتھ لگانے والی مذہبی زندگی کی جو روح بیدار کر رہے ہیں، الہلال اس کام سے ۱۹۱۳ء میں فارغ ہو چکا تھا۔ ۱۹۲۱ء کے آخر میں طبع آبادی کی ادارت میں کلکتے ہی سے ہفتہ وار پیغام نکھوایا جو تین ہفتے چل کر مولانا کی گرفتاری کے بعد بند ہو گیا۔ پیغام پر مولانا کی صحافتی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔

————— پھر اس کے بعد کی زندگی خالص علمی سیاست کی زندگی ہے جو تاریخ آزادی ہند کی کتابوں کے علاوہ انڈیا ریس فرینڈز، آزادی کی جیت، میں مضبوط ہے۔ اور مظلوم عوام ہے اس راجی سوانح زندگی کے اندرونی دھارے دیکھنا ہوں تو جامع مسجد کی ۱۹۳۷ء کی یادگار تقریر کافی ہے۔ اس میں اس بے چین روح کے سارے احساسات سمٹ آئے ہیں۔ اس کے نتیجے کیلئے نقشِ آزاد کے ۲۵ جنوری اور ۱۷ جون ۱۹۳۷ء اور ۲۵ جولائی ۱۹۳۷ء کے خطوط پڑھ لیجئے قوم پرست آزاد کا پورا خاکہ سامنے آجائے گا۔

تصانیف جن کا ذکر نقشِ آزاد میں آیا ہے اور جس جس طرح آیا ہے

تذکرہ ————— اصل قیمت دور و پیسے ہے۔

نقشِ قول فیصل، ۱۹۲۷ء، ۱۱ جنوری ۱۹۲۷ء

۱. پیغام کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیے عابد رضا بیدار کا اشاریہ، نکلا مئی ۱۹۵۹ء

۲. تصانیف کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ آزاد باؤگرانی مرتبہ عابد رضا بیدار، اردو ادب، آزاد نمبر۔ ۲۸

ترجمان القرآن جلد اول اشاعت قبل از ۲۵ جولائی ۱۹۳۲ء

جلد دوم مارچ مئی ۱۹۳۶ء و بعد از جولائی

جلد سوم اپریل جولائی ۱۹۳۷ء تک اشاعت کی توقع کی

ترجمان القرآن اول دوم، طبع ثانی اشاعت اپریل جولائی ۱۹۳۷ء و بعد از جولائی
ام القرآن یعنی تفسیر سورۃ فاتحہ۔ فضیلت تقریباً ۲۰ صفحات۔ ۱۹۳۷ء میں اشاعت کی تیاریاں

غبار خاطر اشاعت اپریل مئی ۱۹۳۷ء تعداد ۵۰۰۰

نیا ایڈیشن فروری ۱۹۳۷ء

مضامین جن کا ذکر نقشِ آزاد میں آیا ہے

تصنیف خلافت کی تاریخ زمین و آسمان ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

ایک طویل سلسلہ مضمونیں زمیندار و کاشتکار ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

مقام ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

مقام ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

تصنیف تصنیف جبر و تعاقب ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

تصنیف تصنیف جبر و تعاقب ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

تصنیف تصنیف جبر و تعاقب ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

تصنیف تصنیف جبر و تعاقب ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

تصنیف تصنیف جبر و تعاقب ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

تصنیف تصنیف جبر و تعاقب ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

تصنیف تصنیف جبر و تعاقب ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

تصنیف تصنیف جبر و تعاقب ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی

ادبیات

غزل

جناب الم مطلعہ نگری

آتی ہے اک آواز مجھے دل کی طرف سے
 حلقہ مری کشتی پہ کیا کرتے ہیں طوفاں
 جلوۂ کدوہ اپنے کہاں دیکھے گا کہ جس نے
 تیر جھکاؤ کی شوخی کو نہ بوجھو
 یہ فصلِ چمن ہے کہ سرکش ہستی
 رہن سے تو ہر گام پہ رہتا ہوں میں ہنسا
 موجود ہیں ہونہ وہ مقصودِ نظر دیکھ
 ہرزہ ہستی میں تڑپ ہو گئی پیدا
 مگر شہِ دشت ہے کوئی بعدِ فنا بھی
 اُسے گا کوئی جامِ ادھر بھی کہ ابھی تو
 بسے گی سرخِ کدہ عشق یہ کھل کر
 منزل کا بلا واسطہ بہ منزل کی طرف سے
 دریا کی طرف سے کبھی ساحل کی طرف سے
 نہ پھیرا آئینہ دل کی طرف سے
 آتے کیلئے کی طرف دل کی طرف سے
 ہوتا ہے کوئی جنِ فنا دل کی طرف سے
 خطرہ ہے مگر ہم ہر کمال کی طرف سے
 نفسِ دہشا جلوۂ باطل کی طرف سے
 جب درد کی آگ بجھائی ل کی طرف سے
 گزرا ہے غبارِ کال بھی محل کی طرف سے
 ہمارے حکم ساقیِ محفل کی طرف سے
 اٹھی ہے گھٹنا بیکدہ دل کی طرف سے

رہتا ہوں الم اس لیے سرگرمِ سخن میں

ملتی ہے مجھے دادِ مہر دل کی طرف سے

”تو اے عزم“

(ہندوستان کے حالیہ فرقہ وارانہ فسادات سے متاثر ہو کر)

(از جناب ساعر محبوبالی)

یوں اب کے گٹھا چھائی جیسے کہ نہیں چھائی	یوں اب کے بہار آئی جیسے کہ نہیں آئی
کچھ ایسی فضا مجھ کو ہر سمت نظر آئی	جیسے کسی پاگل نے لی ہو ابھی انگڑائی
آج ہم سے شناسائی کل ایک شناسائی	بھٹکے ہوئے رہبر کے پیرو بھی ہیں ہر جانائی
آزادی تو لاتی ہے پیغام بہاروں کا	اللہ گریاں تو سب ٹٹ گئی رعنائی
جس سمت نگہ اٹھی اک حشر پادیکھا	جو شکل نظر آئی غمگین نظر آئی
آج ہر تنفس ہے خود غرض و جفا شیوہ	صورت تو ذمہاد بیکھو جیسے کوئی سودائی
یہ دورِ مجبوریت یہ خون کی ارزانی	ہونے دو جو ہوتی ہے غم و غل کی سوائی
انصاف اگر چاہا تعزیریں ملیں ہم کو	داناؤں کو اس پر سبھی کچھ شرم نہیں آئی
تہویر سہی کہتے ہیں مظلوم و فاقوں کے	لینے کو ہے پھر پٹائیہ معد خود آرائی
مظلومیت انسان دیکھی نہیں جاتی اب	لے لے مری آنکھوں کی اللہ تو بینائی
کچھ اس طرح چپکے ہیں آنسو کراہن پر	گو یا دل پر غم کی تصویر اُدا آئی

ساعر مرے دل کا اب کچھ اور ہی عالم ہے

چلنے کو ہے ہاتھوں سے دامنِ فکیر بانی

تبلیات عثمانی

تبلیات عثمانی | ان پرنسپل انوار الحسن صاحب شیر کوٹی تعلیم کلاں جماعت ۴۰، صفحات
کتابت و طباعت بہتر قیمت میں ہے۔ ادارہ نشر المعارف چلیک لہان خیر و مغربی پاکستان
حضرت الاسلام مولانا خیر احمد علی رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل و عبادت کے انصاف و
کلمات کے باعث اس احمدی بڑی ممتاز اور نامور شخصیت کے ملک کے لئے ضرورت تھی کہ اس
مردود کی ایک جامع اور مبسوط سوانح حیات مرتب کی جاتی جس سے لوگوں کو آپ کے
بلند درجہ علمی و کمالات کا علم ہو تا اور آئندہ نسلیں اس سے روشنی حاصل کر سکیں اور جو حق
مقام ہے کہ اس اہم کام کا بیڑہ پرنسپل انوار الحسن صاحب نے اٹھایا ہے جو وہ بھی طار و معلوم
وہ بعد سے علی انصاف اور حضرت مرحوم سے شرف نگار رکھتے ہیں۔ موصوفت نے حضرت الاسلام
کا تذکرہ وہ الگ الگ جلدوں میں لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔
زیر تیسرے کتاب اس کی تذکرہ کی جلد اول ہے جو حضرت الاسلام کے شرف علمی و ادبی کمالات
کی نہایت مفصل و معجزہ و زندہ تصویر ہے اس کے بعد دوسری جلد حیات عثمانی کے نام سے
ذاتی سوانح و حالات پر ہوگی۔ اس جلد میں پہلے بطور قضاوی بہت سی مختصر طور پر حضرت الاسلام
کے فانی حالات یعنی پیدائش تعلیم و درس۔ غیبی خدمات اور وفات کا تذکرہ ہے بعد اس کے بعد
حضرت مرحوم کو حضرت شاہ ولی اللہ علیہ السلام سے لے کر حضرت شیخ الحدیث ابن جن بزرگد سے
استفادہ کی علمی نسبت حاصل رہی ہے اس کا بیان ہے۔ پھر اسلامی علوم و فنون یعنی تفسیر و حدیث
نفس۔ علم کلام منطق و لغت و فقہ و اصول دین و اخلاق و تہذیب کے کلمات ملتے ہیں اور ان کا ذکر
بڑی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ ہے اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ہر علم کی تعریف اور اس

(۱۲) اورنگ زیب نے سکھوں کے نویں گوروتیغی بہادر کو دہلی بلایا اور اسلام قبول نہ کرنے کے جرم میں چاندنی چوک میں قتل کرادیا۔

(۱۳) سرزند کے محبوبہ دار کے حکم سے گوردو کو بند لکھ جی کے دو شیر خوار اور بے گنا بچے محفل میں جرم میں دیوار میں زندہ چنوا دیئے کہ وہ گوردو صاحب کے بچے ہیں اور اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

سکھوں میں یہ تینوں باتیں اس درجہ مشہور ہیں کہ وہ اب بھی اپنے مذہبی اجتماعات و تقریبات میں ان کا برملا اظہار کرتے ہیں اور اس کا اثر سکھوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلق پر جیسا کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن بڑی خوشی کی بات ہے کہ جناب ابو الفلامان صاحب امرتسری نے زیر تصورو کتاب میں نہایت قوی اور ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تینوں الزامات بالکل بے بنیاد اور لغو ہیں اور تاریخی اعتبار سے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ چونکہ لائق معصفت گورنمنٹی زبان کے بھی بڑے فاضل ہیں۔ اور اس بنا پر سکھ لٹریچر کا ان کا مطالعہ بڑا وسیع اور متعمق ہے اس لیے انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا بڑا اور اصل ماخذ سکھوں کا قدیم و جدید لٹریچر ہے جس کے اقتباسات کتاب کے ہر صفحہ پر بکھرے ہوئے ہیں۔ مزید تائید کے لئے انگریزی، فارسی اور اردو کی کتب تاریخ اور محلات و رسائل کے بھی حوالے ہیں۔ انداز بیان شستہ اور سنجیدہ و متین ہے۔ کہیں بھی سنجیدہ تاریخ نگاری کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ سکھوں کے مذہبی پیشواؤں کے ناک عزت سے لیتے ہیں اور کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے طنز یا دلآزاری کا پہلو نکلتا ہو، اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ان الزامات کی بے حقیقی میں کوئی شبہ برپا نہیں رہتا اور یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ یہ تینوں الزامات جہانگیر اور اورنگ زیب کی وفات کے بہت عرصہ بعد خاص اغراض سے گھڑے گئے اور تاریخیوں میں سبیل طوطی داخل کیے گئے ہیں۔ اگرچہ جگہ جگہ اقتباسات کی کثرت اور بعض مضامین کی غیر ضروری تکرار کی وجہ سے

مختلفہ مواقع پر ثقالت پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی موضوع بحث کے اعتبار سے یہ کتاب اردو ادب کے پہلی کتاب ہے۔ اور اس لائق ہے کہ اس دور کی تاریخ کا ہر طالب علم خصوصاً اور ارباب ذوق سکھ اور سلطان عموماً اس کا ٹھنڈے دل و دماغ سے مطالعہ کریں۔ سکھوں اور مسلمانوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملے گی۔

آئینۂ ولد ار | از: جناب محمد ابراہیم صاحب صدیقی۔ تقطیع خورد۔ ضخامت ۲۵۶ صفحات۔ کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت تین روپے ۷۰۔ چپہ۔ خالد خضر صاحب ۳۹ جی نظامی روڈ۔ سنٹرل چیک لائن۔ نزد پرانی ٹائٹس۔ کراچی۔

ہند میں :- نظامی بک ایجنسی - بدایوں (دیوبند)

بدایوں چند کا ایک بڑا مردم خیز خط ہے۔ جہاں بڑے بڑے صوفیاء، اولیاء، علماء، ادباء اور مورخین و شعراء پیدا ہوئے اور دور دور تک ان کا فیض پہنچا۔ اسی شہر کے ایک بزرگ سید محمد لٹا علی صاحب مذاقی میاں بھی تھے مصلیٰ میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں وفات پائی۔ موصوف جہاں ایک طرف بلند پایہ صوفی اور صاحب بیعت دارشاہ بزرگ اور مختلف سلاسل طریقت میں مجاز تھے۔ دوسری جانب فارسی اور اردو کے بلند پایہ شاعر اور مصنف بھی تھے۔ اور اسی حیثیت سے ان کے تعلقات اُس عہد کے نامور شعراء اور علماء مثلاً مرزا غالب، مومن، ناسخ، آتش، مفتی صدر الدین آزرہ، امیر مینائی، مولانا عبدالحق خیر آبادی اور مولانا محمد حسین آزاد وغیرہم سے بڑے دوستانہ اور قلمباز تھے اور عجب کہ ان حضرات کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے یہ سب میاں صاحب کے علم و فضل کے حروف اور تاج تھے۔ (پر تبصرہ کتاب میں لائق مرتب نے انہیں میاں صاحب کے خاندانی اور ذوالی حالات و سوانح بڑی حسرت و اندکھالی سے فراہم کیے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب میں چند دیگر بات بھی ہیں جو محقق شاہیر علم ادب نے میاں صاحب کو لکھے تھے یا لکھے کسی اور کو تھے مگر ان میں میاں صاحب

تاریخ اسلام مکمل کو رس

تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ جو تاریخِ ملت کے نام سے مشہور ہے اور مقبول عوامِ خواص ہو چکا ہے۔ مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے۔ زبان کی سلاست، ترتیب کی دلنیشی اور جامعیت اس کی ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپ کو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملیں گی۔ خلفاء اور سلاطین کی شخصی زندگی کے سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد تاریخ اسلام کے تمام ضروری اور مستند حالات سامنے آجاتے ہیں۔

اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں داخل ہونے کے لائق کتاب

لد اول نبی عربی اکینہ آٹھ آئے جلد ششم خلافت عباسیہ دہم اٹھارہ آئے
جلد دوم خلافت راشدہ تین بیٹے آٹھ آئے جلد ہفتم تاریخ مصر تین بیٹے چار آئے
جلد سوم خلافت بنی امیہ تین بیٹے آٹھ آئے جلد ہفتم خلافت عثمانیہ تین بیٹے چار آئے
جلد چہارم خلافت بنی عباس دس بیٹے آٹھ آئے جلد ہفتم تاریخ صقلیہ ایک بیٹے چار آئے
جلد پنجم خلافت عباسیہ مظفریہ تین بیٹے آٹھ آئے جلد دہم سلاطین ہند تین بیٹے آٹھ آئے
جلد یازدہم سلاطین ہند دوم تین بیٹے آٹھ آئے

قیمت بمثل سیٹ غیر مجلد اکتیس بیٹے آٹھ آئے مجلد چونتیس روپے

مکتبہ برہان جامعہ مسجد ملی ۶

احادیث نبوی کا شاندار ذخیرہ اردو زبان میں ترجمان السنۃ

”ترجمان السنۃ“ حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعے فرمودات نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ اردو زبان میں منظم طور پر جمع کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے معانی و تفسیر کے ساتھ ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر بھی کی گئی ہے اور اس تشریح میں مندرجہ بالا کی پیروی کے ساتھ جدید و پڑھوں اور ماہوں کی بھی پیروی کی گئی ہے۔ ترجمان السنۃ کی تالیف کے موجودہ زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق اسلامی لٹریچر میں ایک عظیم الشان اور زبردست اضافہ ہے۔ کتاب کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی ہے۔

(۱) متن مع احادیث (۲) حلیہ اور عام فہم ترجمہ (۳) ہر حدیث پر مختصر تشریحی نوٹ (۴) باب کے خاتمے پر مندرجہ حدیثوں کے حلق ایکٹ عام اور سیر حاصل بحث۔

جلد اول جس کے شروع میں ایک مبسوط اور متفقانہ مقدمہ بھی ہے۔ اس میں ارشادِ اوست نبوی کی اہمیت، اس حدیث کے درجہ استناد و اعتبار، قرآن و حدیث کی باہمی تفسیر و تفسیر کی اہمیت اور حدیث کی اہمیت کے ضروری حالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب التوحید سے آمل کتاب شروع کی گئی جو تقطیع ۲۹۳۲ صفحات ۵۹۲ قیمت دس روپے جلد بارہ روپے۔

جلد دوم اس جلد میں کتاب الایمان والا سلام کی ۵۰۰ حدیثوں کا ذخیرہ ہے۔ ۵۱۲ قیمت نو روپے جلد تیرہ روپے۔

جلد سوم اس میں کتاب الایمان کے بقیہ بابوں کے علاوہ پوری کتاب الانبیاء جلد سوم بھی آگئی ہے۔ ۵۱۲ قیمت دس روپے آٹھ روپے جلد بارہ روپے آٹھ روپے۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی-۴

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی-۴

ندوة المصنفين دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برکات

مرتب
سعد احمد بک سرآبادی

مکمل لغت القرآن

(پچھ جلدوں میں)

قرآن کریم کے الفاظ کی شرح اور اس کے معانی و مطالب کے حل کرنے اور سمجھنے کے لئے اردو میں اس سے بہتر اور جامع کوئی لغت آج تک شائع نہیں ہوئی۔ اس عظیم الشان کتاب میں الفاظ قرآن کی مکمل اور دل بہتر شرح کے ساتھ نامتقلد محلول کی تفصیل بھی ہے۔ ایک مدرس اس کتاب کو پڑھ کر قرآن مجید کا بہترین درس لے سکتا ہے اور ایک عام اردو خواں اس کے مطالعہ سے نہ صرف قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی طرح کر سکتا ہے بلکہ اس کے مضامین کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اہل علم و تحقیق کے لئے اس کے علمی سیاحت لائق مطالعہ ہیں۔ لغات قرآن کے ساتھ الفاظ قرآن کی مکمل اور راستان فہمست بھی دی گئی ہے جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام لفظوں کے حوالے پڑی سہوکت سے نکالے جاسکتے ہیں۔ مکمل لغات قرآن اپنے انداز کی لاجواب کتاب ہے جس کے بعد اس موضوع پر کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جلد اول	صفحات ۳۳۴	پڑی تفتیح	غیر جلد چار روپے آٹھ آنے
جلد دوم	۳۳۶	غیر جلد پانچ روپے	جلد پانچ روپے آٹھ آنے
جلد سوم	۳۳۲	غیر جلد پانچ روپے	جلد پانچ روپے
جلد چہارم	۳۸۶	غیر جلد پانچ روپے	جلد پانچ روپے
جلد پنجم	۵۰۰	غیر جلد چار روپے	جلد چار روپے
جلد ششم	۳۶۴	غیر جلد پانچ روپے	جلد پانچ روپے آٹھ آنے

(پوری کتاب کی مجموعی صفحات ۲۶۱۲)

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد ملی

برہگان

شمارہ ۲۵

جلد ۴۳

اگست ۱۹۵۹ء مطابق صفر ۱۳۷۹ھ

فہرست مضامین

۶۶	سید احمد اکبر آبادی	نظرات
۶۹	جناب شہر احمد خاں قندھاری اہم۔ ایل ایل	یونانی علوم کا سائنس میں داخلہ
	بی بی ٹی۔ پرنسپل جیٹھارا اہمات دہلی تاری	
۸۴	مولانا ابو محفوظ اکبریم مصطفیٰ پور تریخ	سند و ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ
	مدرسہ عالیہ کلکتہ	
۱۰۱	جناب ڈاکٹر فرید احمد طارق صاحب استاد	تاریخ الرذیۃ
	ادبیات دہلی یونیورسٹی	
۱۰۹	جناب رفیع اللہ صاحب غازی	اسلام کا آئینی نظام مولانا آزاد کی نظر میں
۱۱۹	جناب نثار احمد صاحب فاروقی	ذکر مصطفیٰ
	دہلی یونیورسٹی لائبریری۔ دہلی	
۱۲۳	جناب آلم منظر گری	ادبیات - نزل
۱۲۴	جناب فصحا ابن فیضی	معراج بخیر دی
۱۲۵	(دی)	تبعہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لٹل

آجکل جمہوریت کا زمانہ ہے۔ کوئی بات خواہ کتنی ہی مقبول اور درست ہو لیکن اگر تہمتی سے اُس کو دو ٹوں کی اکثریت حاصل نہیں ہے تو غیر زورغیرانیوں سے بھی اس کو منوانا آسان نہیں ہے اسی بنا پر ریڈیکنڈ اور رائے عامہ کو ہمارے کرنے پر حکومتیں ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کرتی ہیں اور اس کام کے لئے مستقل حکمے اور ان کے لئے بڑا اور وسیع عملہ رکھتی ہیں حکومتوں کے علاوہ ہر فرقہ اور ہر جماعت کو بھی یہی کرنا پڑتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کا سب سے زیادہ کامیاب ذریعہ پریس ہے لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جہاں اور مختلف معیشتوں سے بہت فائدہ ہیں اس اعتبار سے بھی ان کی حالت بڑی زربوں اور قابلِ رحم ہے چنانچہ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ ان کے پاس پریس کی کوئی طاقت نہیں ہے۔ ان کے تھوڑے بہت جتنے اخبارات میں بھی وہ سب اردو میں ہیں اور ان کو دوسرے لوگ تو کیا پڑھیں گے خود انگریزی داں مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ نہیں پڑھتا اور چونکہ یہ لوگ صرف انگریزی کے اخبارات پڑھتے ہیں جن کو مسلمانوں کے معاملات و مسائل کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے اس لئے خود ان لوگوں کو بھی علم نہیں ہوتا کہ ملک کی اس اہم اور بڑی اقلیت کو کن مشکلوں اور پیچیدگیوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اور ان کا حل کیا ہے؟ انگریزی کے پریس کا مسلمانوں کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ اس کا اندازہ اس ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پچھلے دنوں مولانا محمد حفصہ الرحمن صاحب نے مبارکپور اور جھوپال کا دورہ کر کے وہاں کی اصل صورتِ حال سے متعلق ایک نہایت مقبول، سنجیدہ اور حقیقت افروز بیان اردو اخبارات میں شائع کیا اور اس بیان کا انگریزی میں ترجمہ کر کے انگریزی کے متعدد میٹنلسٹ اخباروں کو بھیجا لیکن ان میں سے کسی ایک اخبار نے مولانا کے بیان کی ایک سطر بھی شائع نہیں کی۔ حالانکہ یہی اخبارات سکھوں، عیسائیوں، اچھوتوں،

جہاں اور جن سنگہ کی خبریں اور ان جماعتوں کے لیڈروں کے بیانات آئے دن نمایاں طور پر شائع کرتے رہتے ہیں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہو۔ یہ اخبارات عید بقرعید اور محرم کے موقع پر فوٹو چھاپ دیں گے تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے اور وہ سیکولر نظام حکومت کے ماتحت اپنے مذہبی تہوار اور رسومات امن و امان اور سکون و اطمینان سے ادا کرتے ہیں اس طرح ان کا مقصد جو اکثریت یا گورنمنٹ کے حق میں پروگنڈہ کرنا ہی ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کے معاملات کیا ہیں؟ تعلیم میں تہمت میں سماشی خوشحالی میں اور سماجی رہنمائی میں ان پر جو بہت ماندگی طاری ہے اس کا کیا علاج ہو؟ ان معاملات میں ان کی شکلیں اور شکایات کیا ہیں؟ ان کے لیڈر کیا کہتے ہیں؟ خود ان کے احساسات کیا ہیں؟ ان چیزوں کی نسبت انگریزی اخبارات میں آپ ایک لفظ بھی نہیں دیکھیں گے۔ انتہا یہ کہ مسلمانوں کا بڑے سے بڑا اینٹلٹ لیڈر صحافی، ادیب یا مصنف مر جاتا ہے اور اس کی خبر فوٹو تک یا تو سرے سے چھپی ہی نہیں اور اگر کسی نامہ نگار کی رپورٹ پر چھپی بھی تو بہت معمولی اور سرسری طور پر۔

علاوہ انہیں ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے کلچر اور تاریخ پر بھی دنیا نوفا انگریزی میں مقالات و مضامین شائع ہوتے رہیں تاکہ جو لوگ واقعی کسی غلط فہمی یا مصلحت کی کمی کے باعث اسلام اور مسلمانوں کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے ان کے خیال کی اصلاح ہو سکے اور ان کا رویہ بدلے، ظاہر ہے یہ کام صرف اردو پریس سے سرانجام نہیں پاسکتا ضرورت اور بہت سخت ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے روزنامے انگریزی زبان میں بھی ہوں اور اس شان کے ہوں کہ حکومت ارکان اور اکثریت کے افراد بھی ان کا مطالعہ کریں اور اس طرح ملک کی رائے عامہ مسلمانوں کے حق میں ہموار ہو۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہر بڑے شہر مثلاً دہلی، کلکتہ، بمبئی، مددہ اس اور حیدرآباد و سی ایکٹ روزنامہ شائع ہو لیکن اگر سر درست ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم دہلی اور کلکتہ سے تو ایک ایک روزنامہ یا شیشین کی طرح ایک ہی اخبار کے دو ایڈیشن شائع کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہت کمزور اور زبون ہو چکی ہے اکثریت کے اقتصاد میں روزانہ کے فضل و کرم سوان میں اب بھی ایسے متمول افراد موجود ہیں کہ ان میں سے ہر شخص بدلت خود ایک مفسد نامہ کال مکتا ہے جو پھر اس میں تو صد فیصد خیرات کرنے کا بھی سوال نہیں ہو سکتا اگر

یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ

جناب شبیر احمد خان غازی ایم، اے، ایل، ایل بی، بی، بی، ایچ جسٹرار امتحانات
عربی و فارسی اتر پردیش

(۲)

۱۴۴۱ھ ابن النہیم نے انہرست میں مترجمین کے ذکر کے لئے ایک مستقل فصل لکھی ہے۔ ان میں اکثر لوگ مختلف زبانوں سے واقف تھے اور اس لئے یونانی سے بھی واقف تھے بعض یونانی سے واقف نہیں تھے صرف سریانی یا شہدی یا بطلی ہی سے واقف تھے۔ ایسے مترجمین کی اس نے تصریح کر دی ہے مثلاً سریانی کے مترجمین کے سلسلے میں کہتا ہے:-

ابن شہدی لکھنوی نقل من السریانی	ابن شہدی کرخی سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا
الی العربی نقلاً و وثیلاً... ایوب بن القام	کہتا تھا اگر اس کا ترجمہ اچھا نہیں ہوتا تھا...
الرقی نقل من السریانی الی العربی...	...ایوب بن قاسم رقی سریانی سے عربی میں
مولا حسی فی زماننا جید المعرفۃ بالسریانی	ترجمہ کرتا تھا... مولا حسی ہمارے زمانہ
عقلی الا لفاظیہ العربیۃ	میں سریانی اچھی طرح جانتا ہے مگر عربی خرا
یتقل بین یدی علی بن	ہے علی بن ابراہیم الدہکی کے سامنے سریانی
ابراہیم الدہکی من السریانی	سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا ہے اور ابن الدہکی
الی العربی و یعلم نقلہ	اس کے ترجموں کی اصلاح کیا کرتا ہے..
ابن الدہکی داسیشوم	... داریشوم اسحاق بن یسحاق بن علی
کان یسلا سلیح بن سلمان	کے واسطے سریانی کتابوں کی عربی میں ترجمہ

ابن علی الهاشمی من السیانیة الى القنطرة کیا کرتا ہے۔

فارسی سے نیز ہندی و نبطی سے ترجمہ کر نیا لوں کا اس نے اسماء النقلة من الفارسی الى العربی اور نقلہ الهند والنبط کے عنوان سے علمدہ نوکر کیا ہے بلکہ "اسماء النقلة من اللغات الى اللسان العربی" کے عنوان کے تحت "اصططن القدیمة" سے لیکر "بائیل" تک اور "تخنین" سے لیکر "تفلیسی" تک جن مترجمین کے نام ثبت کئے ہیں وہ سریانی و غیرہ کے علاوہ دیالو الاقل یونانی بھی جانتے تھے ورنہ بیچ میں محض سریانی جاننے والوں کے سریانی جاننے کی تصریح کیا مافی۔

پھر ان مترجمین میں سے بعض کے متعلق تو وہ تصریح بھی کرتا ہے کہ یونانی کے جید عالم تھے۔ مثلاً قسطابن توتا کے بارے میں لکھتا ہے

قسطابن توتا البعلکی جید المتعلیم قسطابن توتا بعلکی بہت ہی اچھا مترجم ہے۔
بالسان الیونانی والسیانی والعربی یونانی، سریانی اور عربی زبانوں کا فصیح ہے۔
آگے چل کر قسطابن توتا کے ذکر میں کہتا ہے:-

وہو قسطابن توتا البعلکی... بارعافی اس کا نام قسطابن توتا بعلکی ہے... بہت
علوم کثیر... فیصفا باللغة الیونانیة علوم میں کمال رکھتا ہے... یونانی زبان کا فصیح
وادیب ہے۔

اسی طرح حنین بن اسحق کے متعلق لکھتا ہے:-

حنین بن اسحق العبادی... حنین بن اسحاق جادی... یونانی سریانی
فیصفا باللغة الیونانیة والسیانیة اور عربی زبانوں کا فصیح و ادیب ہے۔ قدیم کتابوں
والعربیة داس البلاغ فی جمع کی تلاش میں بہت سے شہروں میں گھومتا ہے۔
الکتب القدیمة و دخل بلد الرو ملک روم بھی گیا تھا۔ زیادہ تر ترجمے ہی ہوئے

۱۰۱۲۱۲ ۱۰۱۲۱۲ ۱۰۱۲۱۲ ۱۰۱۲۱۲ ۱۰۱۲۱۲ ۱۰۱۲۱۲ ۱۰۱۲۱۲ ۱۰۱۲۱۲ ۱۰۱۲۱۲ ۱۰۱۲۱۲

والکثر بقولہ لہنی موسیٰؑ کے واسطے کے۔

اسی طرح اس کے بیٹے اسحق بن خنین کے بارے میں لکھا ہے :-

ابو یعقوب اسحق بن خنین فی بخارا بیدہ ابو یعقوب اسحاق بن خنین فضل و کمال اور یونانی
فی الفضل و صحۃ النقل من اللغة اور سریانی سے عربی میں صحیح ترجمہ کرنے کے واسطے
الیونانیۃ و السیانیۃ الی العربیۃؑ میں اپنے باپ کے نقش قدم پر ہے۔

اسی طرح ابن القفطی خنین بن اسحاق کے ذکر میں لکھا ہے :-

خنین بن اسحاق الطیب النصافی عیسیٰ طیب خنین بن اسحاق... حکمت کی
... فقد فی جملة المترجمین للکتب کتابوں کا سریانی اور عربی میں ترجمہ کرنے والوں
الحکمة واستقر اجہا الی السیانیؑ میں محسوب ہوتا تھا۔ وہ یونانی زبان کا فصیح
والی العربی و کان فصیحا فی اللسان اور عربی زبان کا ادیب تھا۔
الیونانی و فی اللسان العربیؑ

ابن القفطی اُس کی یونانی دانی کے بارے میں مزید لکھا ہے :-

وتعلم لسان الیونانیۃ باصلہ و کان اُس نے براہِ راست یونانی زبان سیکھی اور اس کے
جلیلا فی ترجمتہؑ ترجمہ میں بڑا پیر رکھا تھا۔

وہ بھی لکھا ہے کہ خنین نے باہر جا کر یونانی زبان کے علماء سے یونانی زبان سیکھی تھی اور
اُس میں اتقان و احکام سمجھ بیٹھا یا تھا :-

قد دخل خنین الی بلاد الروم لاجل خنین حکمت کی کتابوں کی تلاش میں روم
تحصیل کتب الحکمة و توصل فی کے شہروں میں گیا اور ان کتابوں کے
تحصیلها غایۃ امکانہ و احکم حصول میں اہتمام کی کوشش کی جب وہ
الیونانیۃ عند دخولہ الختلا بہا اس نزاع میں داخل ہوا تو اُس نے یونانی

لے انہرست میں ۱۷۱۷ء ایۃ ۱۲۷۷ء بخارا لکھا۔ ۱۷۱۷ء ایۃ ۱۲۷۷ء۔

وحصل نفاش هذا العلم وعاد
یلا من رجبی موسیٰ ابن شاگرد غزو
في النقل من اللسان اليوناني
الى العربي ۱۰

زبان میں احکام و اتفاق ہم پہنچایا اور اس
علم کے جو اہر پاروں کو حاصل کیا اور لوٹ کر
بنو موسیٰ بن شاگرد کے ساتھ رہا۔ انھوں نے
اسے یونانی سے عربی میں ترجمہ کرنے کی ترغیب کی

اسی طرح وہ اُس کے بیٹے اسحاق کی یونانی دانی کے بارے میں لکھا ہے:-

اسحق بن حنین بن اسحق فی
منزلة ابیه فی الفضل وصحة النقل
من اللغة اليونانية والسیانیة ۱۱
اسحاق بن حنین بن اسحاق فضل و کمال
اور یونانی و سریانی سے صحیح ترجمہ کرنے کے
باب میں دوسری مرتبہ سامی لکھا ہے جو
اس کے باپ کا تھا۔

اسی طرح وہ قسطنطین بن قسطنطین کے متعلق لکھا ہے:-

قسطنطین بن قسطنطین دخل
الى بلاد الروم وحصل من تصانیفهم
الکتب معدا الى الشام واستدعى
الى العراق لیترجم کتبا ویستخرجها
من لسان یونانی الى لسان العرب
وعاصم یعقوب بن اسحق الکندی ۱۲

قسطنطین بن قسطنطین روم کے شہروں
میں گیا اور ان کی بہت سی تصانیف حاصل
کیں پھر شام میں واپس آیا وہاں سے عراق
بلایا گیا تاکہ یونانی زبان سے عربی میں کتابوں
کا ترجمہ کرے۔ وہ یعقوب بن اسحاق الکندی
کا ہم عصر تھا۔

اسی عہد کا ایک اور مترجم حبیش بن الحسن الاعمش تھا جو حنین کے شاگردوں میں تھا۔ اس کا
لکھا ہے کہ وہ بھی یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔

حبیش بن الحسن الاعمش
احد تلامذہ حنین و التاقلین
حبیش بن الحسن الاعمش ... جنہی کنگد

میں تلامذہ بن و گد کی توجہ جو یونانی ان سریانی

لے اجارا اطار با جارا لکھا ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

من الیونانی والسیانی الی العربی
 وكان حنین یقول مله ویظمه ویصفه
 ویرحمی نقله وقیل من جمله سعاده
 حنین حصه جیش له فان اکثر ما
 نقله جیش نسب الی حنین^۱
 سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے جنین اُس کی
 بڑی عزت کرتا تھا۔ تعریف کرتا تھا اُس کے
 ترجموں کو پسند کرتا تھا اور اُسے اوروں پر
 ترجیح دیتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنین کی خوش فہمی
 تھی کہ جیش اُس کی محبت میں رہتا تھا کیونکہ
 بہت سی کتابیں جنین جیش نے ترجمہ کیا تھا
 جنین سے منسوب ہو گئیں۔

آگے چل کر اُس کی تصانیف کے ذکر میں کہتا ہے:-

و لجیش هذا من التصانیف سوی
 ما اخرجه من الیونانی الی العربی^۲
 اس جیش کی تصانیف میں سوائے ان کتابوں
 کے جن کا اُس نے یونانی سے عربی میں ترجمہ
 کیا تھا (حسب ذیل ہیں)

حنین کا ایک اور شاگرد عیسیٰ بن یحییٰ بھی یونانی سے براہِ راست عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔
 ابن النفطی لکھتا ہے:-

عیسیٰ بن یحییٰ بن ابراہیم من
 تلامیذ حنین والناقین المجیدین
 من الیونانی الی العربی^۳
 عیسیٰ بن یحییٰ بن ابراہیم حنین کے شاگردوں
 میں سے تھا اور یونانی سے عربی میں عمدہ قسم
 کا ترجمہ کرنے والوں میں سے تھا۔

لیکن یونانی جانتے والے مترجمین کی یونانی دانی کا تذکرہ زیادہ وضاحت کے ساتھ ابن ابی
 اہیب نے لکھا ہے۔ وہ جنین کے متعلق کہتا ہے کہ وہ یوحنا سے طب پڑھتا تھا ایک دن یوحنا نے
 اُسے طعنہ دیا جس سے براہِ مان کر وہ بھگ کر ہوا اور سب سے پہلے اسکندریہ جا کر یونانی علوم کا
 گہوارہ بن گیا۔

وتعلم لسان اليونانيين بالارمكندرية
 وكان جليل في ترجمة وهو الذي
 اوضح معاني كتب البهراطوجا والنيوس
 وخلصها احسن تلخيص وكشف ما
 استغلق منها وادفع مشكلا عنها
 اُس نے اسکندریہ جا کر یونانیوں کی زبان سیکھی۔
 وہ اُس کے ترجمہ میں بڑا اونچا مقام رکھتا تھا۔
 اُسی نے بقراط اور جالینوس کی کتابوں کے
 معانی و مطالب کی وضاحت کی اور ان کی
 کتابوں کا بڑی خوبی سے اختصار کیا۔ ان کے
 منقولات کو کھول کر بیان کیا اور ان کی
 مشکلات کو واضح کیا۔

حنین نے یونانی میں وہ کمال ہم پہنچایا کہ جبریل بن نجیشوع اُس کی یونانی دانی سے متاثر
 ہو کر اسے ”اساد“ (یار بن) کے لقب سے یاد کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اگر حنین زندہ رہا تو ہم جس
 راس عینی بھی جو یونانی سے سریانی میں ترجمہ کرنے والوں کا گل سرسبد ہے اُس کے سامنے
 ماند ہو کر رہ جائے گا۔

قوالله لمن مد له في العسا ليفضي
 سرجس۔ وسرجس هذا الذي
 ذكره جبرئيل هو الراس عيني
 وهو اول من نقل شيئا من علومهم
 الى اللسان السرياني۔ وليفضي
 غيرهم من المترجمين
 خدا کی قسم اگر اس کی عمر مہوئی تو یہ سرجس کو
 بھی مات کر دے گا۔ اور جس سرجس کا جبرئیل
 نے ذکر کیا تھا وہ راس العین کا رننے والا
 تھا اور اس نے سب سے پہلے رومیوں کے
 علوم کو سریانی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور
 سرجس کے علاوہ دوسرے مترجمین کو بھی
 مات کر دے گا۔

یوسف بن ابراہیم جو اس واقعہ کا راوی ہے کہتا ہے کہ جب جبریل بن نجیشوع نے حنین
 کی تعریف کی تو اُس نے مجھ سے کہا کہ یہ لو میں نے یونانی صرف و محکم کے ایک بحث ”فاحات“

لہ طبعات الابار لابن ابی اصیہم جلد اول ص ۱۸۵

برہان لکھا ہے جسے ابھی جبرئیل تک کو نہیں دکھایا اسے بجا کر ذرا یوحنا کو دکھانا اور جب وہ
تریف کر لے گئے تو بتایا کہ یحنین کی تصنیف ہے چنانچہ وہ اسے لیکر یوحنا کے پاس پہنچا اور جب
یوحنا کو یہ حال معلوم ہوا تو ہر معذرت کے بعد یحنین کو پھر بلا لیا :-

فَلَمَّا قَرَأَ بِرَحْمَتِكَ الْفُصُولَ وَهِيَ	پس جب یوحنا نے ان قصوں کو پڑھا جنہیں
الَّتِي تَسْمِيهَا الْيُونَانِيُّونَ الْفَاعَلَاتِ	یونانی اصطلاحات کی بحث اسے موسوم کرتے
كَثْرَتِجِبَةٍ وَقَالَ اَتَرَى الْمَسِيحَ اَوْحَى	تھے تو اس کا حیرت و استعجاب بڑھ گیا اور
فِي دَهْرٍ مَا هَذَا اِلَى اَحَدٍ فَقُلْتُ	کہنے لگا کیا تمہارا خیال ہے کہ مسیح علیہ السلام
لَهُ فِي جَوَابٍ قَوْلُهُ مَا اَوْحَى فِي هَذَا	نے ہمارے زمانہ میں کسی پر وحی بھیجی ہے تو میں
الَّذِي هُوَ وَلَا فِي غَيْرِهِ اِلَى اَحَدٍ	اس کے جواب میں کہا نہ اس زمانہ میں کسی پر
وَلَا كَانَ الْمَسِيحُ اِلَّا اَحَدًا مِنْ يَوْحَى	وحی بھیجی نہ کسی اور زمانے میں اور مسیح علیہ السلام
اِلَيْهِ فَقَالَ لِي دَعْنِي مِنْ هَذَا الْقَوْلِ	تو صرف ان برگزیدہ انسانوں میں سے تھے
لَيْسَ هَذَا الْاَخْرَاجُ اِلَّا خَرَجَ	جن پر وحی بھیجی گئی۔ یوحنا کہنے لگا اچھا اب
مُؤَيَّدٌ بِرُوحِ الْقُدُسِ فَقُلْتُ لَهُ	ان باتوں کو رہنے دو یہ صرف اسی شخص کی
هَذَا اَخْرَاجَ حَنِينَ بْنِ اَمِيحَى الَّذِي	تصنیف ہے جسے روح القدس کی تائید حاصل
طَرَفُهُ مِنْ مَنَزَلِكَ	ہو تو میں نے کہا یہ اُس یحنین بن اسماعیل کی
	تصنیف ہے جسے تم نے اپنے مکان سے

لکھا لیا تھا۔۔۔۔۔

فَسَأَلَنِي الْكَلْبُفَ لِاصْلَاحِ مَا	اس کے بعد یوحنا نے مجھ سے درخواست کی کہ
بَيْنَهُمَا	میں اُس کے اور یحنین کے درمیان اصلاح کر دوں

اس کے بعد یحنین نے یوحنا کے واسطے بہت سی یونانی زبان کی کتابوں کا سرنامی اور عربی

میں ترجمہ کیا۔

و نقل حنین لابن ماسویہ مکتبا اور حنین نے یوحنا ابن ماسویہ کے واسطے بہت
مکتبات و خصوصاً من کتب جالینوس سی کتبوں کا ترجمہ کیا بالخصوص جالینوس کی
بعضها الى اللغة السريانية وبلغها کتبوں کا بعض کا سریانی زبان میں اور بعض
الى العربية وکان حنین اعلم اهل کاعربی زبان میں اور حنین اپنے زمانہ کے لوگوں
منانہ باللغة اليونانية والسريانية میں سب سے زیادہ یونانی سریانی اور فارسی جاننے
والفارسية وادراية فيهم والا اور ان زبانوں میں سمجھ بوجھ رکھنے والا تھا۔

حنین نے یونانی زبان میں یہ کمال بھی پہنچایا تھا کہ وہ تفریق کے وقت نہ سریانی کے اشعار گاتا
تھا نہ عربی کے بلکہ ہومر کی ایڈ اور اوڈیسی کے اشعار گنگنا کر پڑھتا تھا جو یونانی ادبیات کا ایک شاہکار
ہیں۔ یوسف بن ابراہیم نے جب اُسے ابن الحنفی کے مکان پر دیکھا تھا تو وہ ہومر کے اشعار
پڑھ رہا تھا۔

و اذ لصوت بانسان له شعرا... یکایک میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے لیے
... وهو متردد وینشد شعراً... لیے بال تھے..... وہ ٹہل رہا تھا اور دینا
بالرومية لاوميوس رئيس شعراء زبان میں ہومر کے اشعار گنگنا رہا تھا جو یونانی
الروم فثبتت نفسته بنعمة حنین شعراء کا گل سرسبد ہے اس کا ترجمہ حنین کے
فرقت بحین فاستجاب لی فرقت سے ملتا تھا تو میں نے حنین کہہ کر آواز
دی اور اُس نے جواب دیا۔

یہی نہیں بلکہ حنین نے یونانی گرامر پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا ابن الندیم، ابن النفلی اور
ابن ابی اصیبعہ بھی نے ذکر کیا ہے یعنی

”کتاب احکام الاعراب علی مذهب اليونانيين“

لے بقاۃ الاطهار لابن ابی اصیبعہ جلد اول ص ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷۔

قابلاً سمحتاً "معلومات" جسے خنن نے یوحنا کے پاس یوسف بن ابراہیم کے ہاتھ سے لیا اس کا ایک جزو تھا۔ یہ حال یوحنا کی تحسین و ستائش سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں تھی جسے ہر یونانی داں لکھ سکے بلکہ ایک ایسے عبقری کی تصنیف تھی جسے یونانی گرامر کی جزئیات سے علی وجہ الکمال بصیرت حاصل تھی۔ پھر خنن نے یہ کتاب محض اظہارِ قابلیت کے لئے نہیں لکھی تھی بلکہ مترجمین اور دیگر تعلیم یافتہ حضرات کو یونانی زبان سیکھنے کے لئے ایک یونانی گرامر دیکار تھی اور خنن نے اس ضرورت کو پورا کیا۔ بالفاظِ دیگر اُس زمانہ میں یونانی جاننے والے اور سیکھنے والے اہل علم کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔

اسی طرح اسحاق بن خنن کے بار سے بن ابن ابی اُصیبہ لکھتا ہے :-

اسحق بن خنن..... کان یلحق	اسحاق بن خنن..... فضل و کمال اور مختلف
بابیہ فی النقل و فی معرفۃ	زبانیں جاننے اور اُن میں فصاحت کے واسطے
باللغات و فصاحتہ فیہا الا ان	میں وہ اپنے باپ کے مانند تھا، صرف متاخر
نقلہ للکتب الطیبۃ قلیل جداً	ہے کہ اُس نے جو طب کی کتابیں ترجمہ کی ہیں
بانسبۃ الی ما یوجد من کثرۃ نقلہ	ان کی تعداد اُس نے جو ارسطو کی فلسفہ کی
من کتب ارسطوطالیس فی الحکمۃ	کتابوں اور اُن کی شروع کو عربی میں ترجمہ
و مشاوحہا الی لغة العرب	کیلئے ان کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

اسی طرح کتاب بن یوحنا کے متعلق ابن ابی اُصیبہ لکھتا ہے :-

"و نقل قسطاً کتباً کثیرۃ من	اور قسطاً نے یونانیوں کی بہت سی کتابوں کو
کتب الیونانیین الی اللغة العربیۃ	عربی زبان میں ترجمہ کیا وہ بہت عمدہ مترجم
و کان جمیل النقل فیما باللسان	تھا یونانی سرانی اور عربی کا فصیح اور بہت
الیونانی و العربی	اور اُس نے بہت سے ایسے ترجموں کی

یہ علم فقہیہ کثیرہ واصلہ یونانی ہے، کی جن کی اصل یونانی تھی۔
 یہ قیاسی یونانیوں کے مذہب کے متعلق بھی ایک مستقل کتاب "کتاب شرح مذہب الیونانیین"
 کہی تھی۔

ابن ابی اصیبعہ نے یونانی سے براہ راست عربی میں ترجمہ کرنے والوں کے ضمن میں نفیث القصر
 الرومی کے نام کی بھی تصریح کی ہے۔

نفیث النفس الرومی کان نجیہً اَبالفا
 نفیث جو رومی پادری تھا۔ بہت سی زبانیں
 وکان یقل من الیونانی الی العربیۃ
 جانتا تھا اور یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔

ابن النقطی نے لکھا ہے کہ نفیث اور یوحنا النفس دونوں نے یونانی زبان میں اقلیدس کا
 ایک منفرد نسخہ دیکھا تھا۔

وَذَكَرَ يوحنا النفس انه رأى الشكل
 قیس یوحنا نے ذکر کیا ہے کہ اس نے وہ شکل
 الذي اذاعا كتاب في المقالة الاولى
 دیکھی تھی جس کے لئی ثابت بن فروہ نے دعویٰ کیا
 وسمع ان له في الميرتاني وذك
 ہے کہ وہ اقلیدس کے مقالہ اولی میں ہے اور
 نفیث انه اس کا ایسا ہے
 گمان کیا کہ اس کی اصل یونانی میں موجود ہے
 اور نفیث نے ذکر کیا ہے کہ اُس نے اُسے وہ
 شکل دیکھا ہی تھی۔

ابن ندیم بھی کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ یوحنا النفس یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔

”یوحنا النفس... بمن کان یقو
 یوحنا پادری... ان لوگوں میں سے تھا
 علیہ کتاب اقلیدس وغیرہ من
 جن سے طالب علم اقلیدس وغیرہ پندرسہ
 کتب الهندیۃ واللہ نقل من الیونانی
 کی کتابیں پڑھنے میں اُس نے یونانی سے ترجمہ
 وکان فاضلاً
 کیا اور اپنے عہد کا فاضل تھا

کتابیات الامام ابن ابی اصیبعہ جلد اول ص ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰۱ ۱۶۰۲ ۱۶۰۳ ۱۶۰۴ ۱۶۰۵ ۱۶۰۶ ۱۶۰۷ ۱۶۰۸ ۱۶۰۹ ۱۶۱۰ ۱۶۱۱ ۱۶۱۲ ۱۶۱۳ ۱۶۱۴ ۱۶۱۵ ۱۶۱۶ ۱۶۱۷ ۱۶۱۸ ۱۶۱۹ ۱۶۲۰ ۱۶۲۱ ۱۶۲۲ ۱۶۲۳ ۱۶۲۴ ۱۶۲۵ ۱۶۲۶ ۱۶۲۷ ۱۶۲۸ ۱۶۲۹ ۱۶۳۰ ۱۶۳۱ ۱۶۳۲ ۱۶۳۳ ۱۶۳۴ ۱۶۳۵ ۱۶۳۶ ۱۶۳۷ ۱۶۳۸ ۱۶۳۹ ۱۶۴۰ ۱۶۴۱ ۱۶۴۲ ۱۶۴۳ ۱۶۴۴ ۱۶۴۵ ۱۶۴۶ ۱۶۴۷ ۱۶۴۸ ۱۶۴۹ ۱۶۵۰ ۱۶۵۱ ۱۶۵۲ ۱۶۵۳ ۱۶۵۴ ۱۶۵۵ ۱۶۵۶ ۱۶۵۷ ۱۶۵۸ ۱۶۵۹ ۱۶۶۰ ۱۶۶۱ ۱۶۶۲ ۱۶۶۳ ۱۶۶۴ ۱۶۶۵ ۱۶۶۶ ۱۶۶۷ ۱۶۶۸ ۱۶۶۹ ۱۶۷۰ ۱۶۷۱ ۱۶۷۲ ۱۶۷۳ ۱۶۷۴ ۱۶۷۵ ۱۶۷۶ ۱۶۷۷ ۱۶۷۸ ۱۶۷۹ ۱۶۸۰ ۱۶۸۱ ۱۶۸۲ ۱۶۸۳ ۱۶۸۴ ۱۶۸۵ ۱

یہاں ایک دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مترجمین ہند اسلام میں یونانی جانتے والے صرف عیسائی ہی تھے یا مسلمان بھی تھے۔ اس کے جواب کے لئے میں تاجی خاں کا اعلان نظر سے مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد معلوم ہوگا کہ مسلمان بھی یونانی جانتے تھے بلکہ علوم حکیم میں تبحر کے لئے حتیٰ کہ متقیف ذہنی کے لئے یونانی جانا ضروری تھا۔ اس سو خرا لہذا امر کی تائید میں ہیں ابن الحنفی کا واقعہ طلبہ جو ہارون الرشید کی ایک کمینز خرسی کا بھانجا تھا خرسی نے اپنی بہن کی شادی ہارون کی اجازت کے بغیر کر دی تھی۔ جب ہارون کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوا اور اس کے ایاہ سے سلام المدبرش نے خرسی کی بہن کے شوہر کو خصی کر دیا مگر خرسی کی بہن کو اس سے پہلے ہی محل رہ چکا تھا اور کچھ دنوں میں اُس کے لڑکا راسحاق بن الحنفی پیدا ہوا۔ ہارون طوس کے سفر پر گیا جہاں اُس نے وفات پائی۔ ابن الحنفی کو خرسی نے گود لے لیا اور اُسے دیگر علوم کے ساتھ یونانی آداب نیز یونانی زبان کی تعلیم دلائی۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے :-

”قُبِنَتْ خُرْسِي ذَلِكَ الْغُلَامُ
پس خرسی نے اُسے متنبی کر لیا اور اُسے

وَادَبَتْهُ بِآدَابِ الرُّومِ وَقِرَاءَةِ
رومیوں کے آداب کی تعلیم دی اور اُن کی

حَتَبَهُمْ فَعَلِمُوا اللِّسَانَ الْيُونَانِيَّ
کتابوں کی تعلیم دی پس اُس نے راسحاق بن

خصی نے یونانی زبان سیکھی۔

غرض یہ اُس زمانہ کا طریق تعلیم تھا۔ کندی بھی ایک امیر کبیر کا بیٹا تھا ظاہر ہے اور امرا کے بیٹوں کی طرف اُس کی بھی تعلیم ہوئی ہوگی۔ ابن ابی اصیبعہ ابن حنبل سے نقل کرتا ہے :-

”ابن يعقوب بن اسحق الكندي
يعقوب بن اسحاق الکندی شریف غلذات

شريف الاصل بصري كان جديدا
کارسے غلذات تھا اُس کا والد ابی ہاشم کی جاگیر

وولي الولاية لسنه هاشم ونزل
کا متولی تھا اور بصرہ میں رہتا تھا اور وہیں

البصره فوضيعته هناك وانقل
اُس کی جامعہ تھی کندی نے یہاں منتقل ہو گیا تھا

لے لیا۔ اظہار ابن ابی اصیبعہ جلد اول صفحہ ۱۸۵۔

الحمد لله اذ وهبنا لك تاديب وكان
 عالماً بالطب والفلسفة وعلم الحسب
 والمنطق وماليك اللحن والقياس
 وطبا قوال اعداد وعلم النجوم وله
 ميك في الانشراح فيلسوف غريب...
 ... وتوجه من كتب الفلسفة الكثير...
 وریں اُسے ادب کی تعلیم ملی اور وہ طب، فلسفہ
 علم الحساب، منطق، موسیقی، مہندسہ، نجوم
 اعداد اور علم نجوم کا عالم تھا۔ اُس کے سوا
 مسلمانوں میں کوئی فلسفی نہیں ہوا...
 اُس نے فلسفہ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ
 کیا۔

اور چونکہ وقت کے مروجہ طریق تعلیم میں یونانی کی تعلیم بھی شامل تھی لہذا کندی نے یونانی بھی سیکھی
 ہوگی جس کا ثبوت ان متعدد کتابوں کے ترجمہ یا تالیف سے ملتا ہے جو اُس نے ریاضی و مہندسہ میں لکھیں
 احمد جی کی اصل سرانی میں نہیں تھی اور نہ سرانی میں اس سے پہلے اُن کا ترجمہ ہوا تھا۔ مثلاً
 ۱۔ رسالہ فی اصلاح کتب اقلیدس (جو یقیناً یونانی سے عربی میں اقلیدس کے ترجمہ کی اصلاح
 تھی۔ اسی طرح)

۲۔ رسالہ فی اصلاح المقالة البرہانہ عشر والحامیہ عشرین کتاب اقلیدس۔
 ۳۔ رسالہ فی المعطیات (جو یقیناً اقلیدس کی یونانی کتاب DATA کا ترجمہ یا آزاد
 ترجمہ تھا)

۴۔ رسالہ فی ظاہر بات الفلک (جو اسی طرح اقلیدس کی یونانی کتاب PHENOMENON
 کا ترجمہ یا آزاد ترجمہ تھا)

۵۔ رسالہ فی المساکن (جو اسی طرح ثاؤدوسیوس کی یونانی کتاب ON HABITATION
 کا ترجمہ یا آزاد ترجمہ تھا۔)

۶۔ رسالہ الی ابنہ احمد فی اختلاف مواقع المساکن من کرة الارض ولہذا الرسالہ مخرج فیہا
 کتب المساکن ثاؤدوسیوس

مجموعات البلاط لابن ابی امییر جلد اول صفحہ ۲۔

۷۔ رسالہ فی تصحیح قول البتلاؤس فی المطالع دجو البتلاؤس کی یونانی کتاب المطالع کی (اصلاح تھی)

۸۔ رسالہ فی ضارۃ بطليموس الفلكیہ۔

۹۔ رسالہ فی الابانہ عن قول بطليموس فی اول کتابہ فی المستی عن قول ارسطو طالیس فی انالوطیعا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اگر مزید تفصیل کیا جائے تو اور بھی مسلمان فضلاء مل جائیں گے جو یونانی میں دستگاہ عالی رکھتے تھے میں اُن مسلمان باکالوں کا نام نظر انداز کر رہا ہوں جو یونانی علوم و علوم الاول میں پایہ ساری رکھتے تھے کیونکہ اُن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ یونانی افکار سے عربی یا سریانی تراجم کی وساطت سے واقف ہوں گے۔ بہر حال صدر اسلام میں یونانی جاننے والے فضلاء کثیر تعداد میں موجود تھے بلکہ بعض علم دوست امراء تو صرف یونانی کتابوں ہی کے ترجمے کرتے تھے۔ اُن میں سب سے مشہور بنو موسیٰ کا خاندان تھا جو خود بھی ریاضی و ہندسہ میں عظیم القریں و فقیہ المثل تھا۔ وہ ریاضی و ہندسہ کی کتابوں کا یونانی سے خاص طور پر ترجمہ کرتا تھا۔ انھوں نے ہلال بن ابی ہلال الطحیسی اور ثابت بن فرہ سے اُبو نیوس کی کتاب الخروحات کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ یہ بھی واضح رہے کہ کتاب الخروحات کا ترجمہ بنو موسیٰ ہی کی نگرانی میں ہوا۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ خود یونانی زبان سے واقف نہ ہوں گے تو اس عظیم الشان ترجمہ کی نگرانی کے فرائض کس طرح انجام دیتے ہوں گے۔ وہ خود یونانی زبان اور فن خروحات سے واقف تھے جس کا ثبوت اُن کا مقدمہ ہے جو انھوں نے کتاب الخروحات پر لکھا نیز شکل بنی موسیٰ جو خروحات میں مشہور ہے اس میں ہے آگے چل کر ابن ابی شیمہ نے تبصرہ لکھا۔

۱۰۔ مسر مشہور علم دوست ابراہیم بن محمد بن موسیٰ الکاتب تھا جسے یونانی سے عربی میں ترجمہ کرانے کا شوق تھا۔ ابن ابی اُیسیہ لکھتا ہے :-

ابراہیم بن محمد بن موسیٰ الکاتب ابراہیم بن محمد بن موسیٰ الکاتب۔ اُسے عربی زبان

وکان حریفاً علی نقل کتب الیونانیین میں یونانی کتابوں کا ترجمہ کرنے کا بہت

ابن لغته العرب ومشتغل على اهل العلم زیادہ شوق تھا۔ اہل علم پر بہت زیادہ نوازش
والفضل وعلى النقلة الخاصة^۱ کرتا تھا۔ خاص طور سے مترجمین پر۔
اسی طرح محمد بن عبد الملک الزیات نے مشاہیر مترجمین سے یونانی زبان کی کتابیں عربی میں
ترجمہ کرائیں۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے :-

محمد بن عبد الملک الزیات وكان محمد بن عبد الملک الزیات اور
يقاسب عطاءك للنقلة والنسخ کاہنوں پر اُس کی ماہانہ بخشش کا اوسط دو ہزار
فی کل شهر الف دینار ونقل تھا۔ اُس کے نام سے بہت سی کتابیں ترجمہ
باسمہ کتب عدة وكان ايضا ہوئیں اور ممنون ہوئیں اور ان لوگوں میں
معن نقلت له الكتب اليونانية سے تھا جن کے واسطے یونانی زبان کی کتابیں
وترجمت باسم جماعة من اکابر ترجمہ ہوئیں۔ اُس کے نام سے مشاہیر اطباء
الاطباء مثل يوحنا بن ماسويه^۲ مثلاً یوحنا بن ماسویہ... وغیرہ نے کتابیں ترجمہ

یہ تیسری صدی کے اکابر فضلہ کا تذکرہ ہے جو یونانی زبان میں دہنگاہ عالی رکھتے تھے لیکہ اس
کے بعد بھی یونانی جاننے کا مسلمانوں میں چرچا رہا بالخصوص اُن باکالوں میں جو ریاضی و ہیئت سے
دلچسپی رکھتے تھے مثلاً البتانی، عبد الرحمن الصوفی، الفضل بن حاتم البیرونی، ابو عبد اللہ محمد بن میس
المہانی، ابو الحسن علی بن احمد السوسی، ابو سہل یحییٰ بن رستم الکوی، ابو الفضل احمد بن ابی سعید البروجی
ابو نصر صہبہ بن عواق، ابوریحان البیرونی۔ یہی نہیں بلکہ ابوریحان البیرونی نے کتاب البہدیس افلاطون
کی مشہور کتاب ”طیماؤس“ (TIMAEUS) کے جو اقتباسات دیئے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ
اُس کے پیش نظر طیمائوس کی یونانی اصل تھی چنانچہ کتاب البہدیس کے اوٹیرڈ کٹر سخا نے اپنی تعلیقات میں
ان اقتباسات کا یونانی اصل سے مقابلہ کیلئے اور بہت کم فرق پایا ہے۔

اسی طرح فارابی بھی یونانی زبان سے اچھی طرح واقف تھا اس کا ثبوت اس کی تصانیف کی

لے تعلقات الاطباء ابن ابی اصیبعہ جلد اول صفحہ ۲۵۰ ایضاً صفحہ ۲۵۰۔

داخلی شہادتوں کے علاوہ اس بات سے بھی قلم ہے کہ اس سے پہلے صرف ارسطاطالیسی منطق کی پہلی تین کتابوں کا سریانی یا عربی میں ترجمہ ہوا تھا۔ فارابی نے یوحنا بن میلان سے کتاب البرہان بھی پڑھی جو یقیناً سریانی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھی اور نہ عربی میں ترجمہ ہوئی تھی۔ ظاہر ہے یہ نسخہ یونانی

ہی میں ہو گا۔ یہی نہیں بلکہ اُس نے اس پر اور اسی طرح ارسطاطالیسی منطق کی دوسری کتابوں پر شرح بھی لکھی جس کے لئے اس نے مواد صرف یونانی کتابوں ہی سے حاصل کیا ہو گا کیونکہ سریانی میں آخری پانچ کتابوں (ابو دینطیقا سے ابوطھاکک) کی شرح تو درکنار متون بھی ترجمہ نہیں ہوئے تھے۔ فارابی کی یونانی دانی کے بارے میں ایک مصری معصف عباس محمود ثقاوکا استدلال حسب ذیل ہے

ابن طلکان کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فارابی پچاس ساٹھ زبانیں جانتا تھا اس قول میں کچھ زیادہ بسانہ نہیں معلوم ہوتا..... یونانی زبان پر بھی اسے اتنی قدرت تھی کہ وہ براہ راست اس زبان کے لٹریچر کا مطالعہ کر لیتا تھا، اس کا ثبوت اس بات سے مل سکتا ہے کہ جب وہ کسی عربی راگ یا نغمہ کا ذکر کرتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ وہ اس کے یونانی مترادف کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ اگر یونانی زبان پر اسے غیر معمولی قدرت نہ ہوتی تو اس کمال کا مقابلہ کرنا اس کے لئے آسان نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ یونانی زبان سے پورے طور پر واقف تھا۔

شیخ کے متعلق تو یونانی جاننے کی کوئی تصریح نہیں ملی لیکن اس کے معاصر ابو الفرج بن الطیب کے متعلق یہی قلم ہے کہ وہ یونانی جانتا تھا

الفیلسوف ابو الفرج بن الطیب الجائلیق۔ فلسفی ابو الفرج بن الطیب ابی ثقیف... شیخ کا ابو علی یزدہدیجی تصانیفہ... ابو علی سینا کی ذہنت کیا کرتا تھا اور اسکی تصانیف کا عالم باللفظ الرومیۃ والیونانیۃ... کی برائی کیا کرتا تھا... ابو الفرج رضی اللہ عنہ

اندرین حالات اس خیال کے ساتھ اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ

یونانی کے جاننے والے علماء کا ذکر وہ شاید نظر سے نہیں گذرا۔

ایسا اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ خیال اسلامی ثقافت کے ان اہم تائید و حامیوں کے لئے

مستشرقین کے ارجحی فیصلوں پر غیر مشروط اختیار کر کے قائم کیا گیا ہے۔

سند و ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ

(رجال المسند والہند الى القرن السابع)

(جناب مولانا ابو حفصہ اکبر محمد صاحب مسمومی لکچر تیار پنچ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

(۲)

اس فہرست میں جو کامل نہیں ہے ہر ترجمہ میں سند یا الہندی علم یا لقب کے طور پر درج طے گا اور ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مؤلف کتاب نے ان شخصیتوں کے تعارف میں جس قدر مواد فراہم کیا ہے وہ اشخاص متعلقہ کے سند یا اصل ہونے کی صراحت سے یکسر خالی ہے۔ تراجم بالا کی تدوین میں مؤلف نے مکتبہ اسلامیات کی معروف ترین کتابوں مثلاً تاریخ ہنداد، انساب سمانی، حلتہ الاویا، تذرات الذہب وغیرہ سے رجوع کیا ہے لیکن ان اشخاص میں سے کسی کو ان مستند تذکرہ نگاروں نے سند یا اصل قرار نہیں دیا۔ حالانکہ کتب طبقات پر نظر ڈالئے تو عام طریقہ ان کے مؤلفین کا یہی نظر آئے گا کہ سندھ کے واقعی اشخاص کے بارہ میں سند یا نزاد ہونے کی تصریح کر دی جاتی ہے۔ اور صرف نام یا لقب کی بنا پر کسی کو سندھی قرار نہیں دیا جاتا۔ اس فہرست کے کئی افراد در تمام ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱،

بن شاہک صاحب الحرمہ قال ابن مالک لا وکذا لک سراجاء بن السندی ومن ولدا ابوبکر محمد الخ (الانساب ۳۱۳ رب) خلاصہ یہ کہ ابن شاہک اور رجا ریشا پوری کے والد دونوں موسوم ہندی تھے نہ کہ منسوب بہ بلا وسند۔ بعد میں اُن کی اولاد پر سندی کا اطلاق صرف ان دونوں کے نام کی مناسبت سے ہوا چنانچہ کشاجم کے تذکرہ میں سمعانی کی صراحت ہے کہ يقال له السندی لانه من ولدا السندی بن شاہک (الانساب ۳۱۳ رط) ہمارے علم میں بعض مستند محققین نے رجا بن السندی کو بلا وسند سے منسوب سمجھا ہے لیکن اس کی سند انھوں نے پیش نہیں کی۔

۲ رجسٹ کے دوسرے متن کے سلسلہ میں عرض ہے کہ مؤلف نے سہل بن ذکوان المکی الواسطی کو اس کی کنیت ابو السندی کی بنیاد پر رجال السندی میں شامل کر لیا ہے اس ایک بات کے علاوہ تذکرہ نگاروں کے یہاں اس کی سندیت کے بارہ میں ضیف ترین قول بھی منقول نہیں ہے۔ پورا ترجمہ کتاب میں ملاحظہ فرمائیے (ص ۱۵۲-۵۳ نیز ص ۲۴۵) اور خود اس کا فیصلہ کیجئے کہ صرف کنیت کی بنا پر یہاں کو سندھی قرار دینا کہاں تک مقبول ہو سکتا ہے۔

مؤلف نے تین ایسے شخصوں کا تذکرہ کیا ہے جن کی کنیت ابو الہندی تھی۔ ان میں سے دو رواد حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں اور عجیب اتفاق کہ دونوں مجہول الحال ہیں، ان کے بارہ میں مؤلف نے خود ہی ذہبی کا قول ”لا یعرف“ نقل کیا ہے لا ملاحظہ کریں رجال السندی ص ۲۸۷-۲۸۸) تیسرا شخص ابو الہندی الکونی الشاعر (رجال السندی ص ۲۸۷-۲۸۸) ہے اس کا ترجمہ ابن فضل اللہ الممری کی کتاب مسالک الابصار سے ماخوذ ہے شاعر کے ایک قطع میں حسب ذیل دو شعر بھی ملتے ہیں۔

ولما حللتا رأسہ من سباطہ وفاض دما کالمسک او غبار الہند

اخو قریبہ پیدا تا وجہ صفحہ کلون ساقیق الجلود من ولدا السندی

شاعر کی کنیت کے علاوہ ان دو شعروں میں غبار الہند اور ولدا السندی کے الفاظ ایسے ہیں کہ مؤلف نے ان سے شاعر کے ہندی الاصل ہونے پر استدلال کیا ہے چنانچہ ترجمہ کے اخیر میں مؤلف کے الفاظ ہیں ”کان الہندی من الشعراء المجیدین المشہورین“

یا قہنہ کو وطنہ و صفاتہ فی اشعارہ و کان من القداماء درجال السدس) میں
افسوس ہے کہ ابوالہندی کا شمار رجال سندو نہد کے زمرہ میں ضیف ترین احوال کی بنا پر بھی صحیح نہیں
ہو سکتا حقیقت یہ ہے کہ ابوالہندی فاضل عرب تھا اگرچہ اس کی زندگی نامتو خراسان و ہجستان
میں بسر ہوئی اور خود اپنے وطن میں اس کی حیثیت غریب الدیار کی رہی۔ وہ غزلیات کے مشہور شعراء
القیح، ابوہنغان، ابوہناتس، وغیرہ کا پیشرو سمجھا گیا ہے ابن قتیبہ نے اس کا تذکرہ اشعر و اشعرائیں حسب
مات و بانقصار درج کیا ہے نام بہ القدوس بن ثبث بن ربیع اور قبیلہ کا نام بنو یزید بن ربیع بن
یربوع بتایا ہے۔ ابن فضل اللہ نے قصیدہ دالیہ کے جو اشعار نقل کئے ہیں اسی قصیدہ کے دو شعر ابن قتیبہ
کے یہاں بھی منقول ہیں (اشعر و اشعرائیں ص ۲۶۲ مصرع) ابوالہندی کا مفصل تذکرہ ابوالفرج اصفہانی
کی کتاب الاغانی میں ملتا ہے دو کچھ عبدالمہدی ۱۴۶ - ۱۸۰) اصفہانی اس کا نام غالب بن عبد القدوس
ابن ثبث بن ربیع بتاتا ہے الاغانی کے وسیع صفحات میں اس کے سندھی ہونے کی صراحت تو کیا کسی
ایسے قرینہ کا وجود نہیں جس کی بنا پر سندھ سے اس کا تعلق قائم ہو سکے، اس کا شمار شعراء الدین میں
ہوئے۔ عہد عباسی کے آثار تک بقید حیات تھا۔ شراب کی ایسی خو پڑی ہوئی تھی کہ اصفہانی کا بیان
ہے "رأى أحملاً واملاً ذكره، بعداً من بلاد العرب ومقامه بجستان و
خراسان و شغفه بالشراب و معاقرته أياً و فسقه و ما كان يتسلم يد من
فساد الدين و استغنى شعره بصفة الخمر و هو اول من وصفها من شعراء الاسلام
فجعل وصفها وحده و قصداً ۱۶) (الاغانی جلد ۲۱ ص ۱۴۶) ماسک الابصار کے قطعہ دالیہ
کے پانچ شعر الاغانی میں درج ملیں گے (ایضاً جلد ۲۱ ص ۱۴۶) اور اسی قصیدہ کے ۹ شعر
ابن القتیبہ کے یہاں درج ہیں (طبقات الشعراء المحدثین ص ۱۵۹) اس کی شراب نوشی کے واقعات
ہر دو کتابوں میں نخل مسطور ہیں ابن القتیبہ اس کا نام عبد اللہ بن ربیع بن ثبث بن ربیع الریاضی
بتاتا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے: "وقيل اسمه غالب بن بنی سیاح بن یربوع بن حنظلہ
شرح ادب الکاتب میں ابو منصور الجواتقی اس کا نام عبد اللہ بن ثبث بتاتا ہے (شرح ادب الکاتب

ص ۳۴ مصرعہ ابن المعتز بلا در عرب سے اس کی بے تعلقی کے بارے میں لکھا ہے۔ وقع الی
خراسان راستوی آخر عمرہ بجمستان و هو احد الدہات، فصیح، جید الید، یتمہد، حاضیہ
الجواب وقد ادس السالک الدولتین الخ (طبقات ۳۵) خمریات میں اس کی رامت کے بارے میں
لکھا ہے۔ ”وکانوا جماعۃ مثل ابی نواس والخلیع وابی ہفان وطینعمہم انما اقدسوا
علی وصف الخمر باسراؤا من شعر ابی الہندی و بما استنبطوا من معانی شعرہ بطبقا
ملا اجستان میں اس کا قیام محلہ کوئے زیان رسکتہ الخمران میں تھا جس کا نام ابو المعتز
کے عہد میں مسکتہ العدول پڑ گیا تھا و طبقات ۳۵) ابو الفرج اصفہانی اس محلہ کا نام کوہ زیان
رجل الخمران بتاتا ہے زافانی جلد ۲۱ (۳۱) ابو الہندی کا نام ابن الید البطلیوس، ابن
منظور افقی، اور زبیدی، عبد المومن بن عبد القدوس بتاتے ہیں رالاقضاب ۳۳۷، لسان العرب
جلد ۷ (۳۵) تاج العروس مادہ عرب) ہمارے نزدیک ابن المعتز کا قول سب سے زیادہ مستند ہے۔
ابو الہندی کے خالص عرب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ثبوت میں اس کے دو شعر درج ہیں۔

مثبت جدی وجدی موثر لم یأمن عنی عروق الموتش

من بنی شیخان اصلی ثابت و بنی یربوع فرسان العرب

و طبقات ابن المعتز (۱۰) زیادہ سے زیادہ ہم ابو الہندی کی بابت یہ باور کر سکتے ہیں کہ کبھی رندی و
بلا نوشی کے سلسلہ میں اس کا دورہ سندھ کے کسی علاقہ میں بھی ہوا ہو گا۔ شاید اسی بنا پر اس کے کلام
میں بعض خالص ہندی کے الفاظ بھی ملتے ہیں اس کے ایک قطعہ میں پہلی دفعہ ”جات“ کا معرب محبت
ملا ہے، ابن منظور اور زبیدی اس کا قطعہ مادہ عرب کے تحت درج کرتے ہیں جن کا پہلا شعر
یہ ہے :-

فاما المہبط و حیثانکو فمأملت منها کثیر السفر

لیکن یہ شعر لفظ محبت کے مادہ میں ایک نامعلوم شخصی شاعر سے منسوب ہے۔ بہر حال ابو الہندی کا
کہ جو ہندیت کا سوال نہ کر وہ تفصیلات کی روشنی میں پیدا نہیں ہوا اور جب اس کی حروف

تخصیص کا یہ حال ہے تو ابوالہندی کثرت رکھنے والے مجہول الحال راویاں حدیث کی منہدی یا منہدی اصلیت کا یقین کس طرح کیا جائے۔

۴۔ تیسرے شق کے ماتحت میں کئی تراجم سے مفصل بحث کرنا ہے۔ ہم نے گذشتہ سطور میں بتایا ہے کہ وہیل السند کے دھوکہ میں مولف نے کئی ایسی شخصیتوں کو سندھی سمجھ رکھا ہے جو دراصل وہیل (تقدیم الباء) سے منسوب ہیں تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

دالف (احمد بن محمد بن ہرون المقرئ الدبیلی الرازی البغدادی رجال السند

۷۶)

مولف نے خطیب بغدادی اور ابن الجوزی کے اقتباسات درج کئے ہیں خطیب اور ابن الجوزی الدبیلی کی نسبت کو ضبط نہیں کرتے تحقیق سے پتہ چلا کہ اس کا صحیح ضبط دبیلی (تقدیم الباء الموحدة) ہے یعنی صاف ترجمہ وہیل السند کے بجائے وہیل الرملہ سے منسوب ہیں۔ چنانچہ فیروز آبادی اسی احمد ابن محمد بن ہرون کو وہیل الرملہ سے منسوب کرتے ہیں (قاموس مادہ وہیل) اور مرتضیٰ زبیدی اس کی توثیق میں یہ الفاظ بحوالہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔ الرازی، الدبیلی المقرئ الحسبی قال الخطیب مات سنۃ ۳۷۰ (تاج العروس ج ۴، ۳۱۴) اس صراحت کے بعد خطیب کے احمد بن محمد بن ہرون المقرئ البیلی (۹) الرازی ابو بکر الطرہی رجال السند والہند کے طبقات میں بالکل اجنبی کی حیثیت رکھتے ہیں فیصلہ خود مولف کو کرنا چاہیے لیکن وہ اس غلط فہمی میں تنہا مبتلا نہیں ہیں ان سے پیشتر ایک اور صاحب تحقیق سے بھی غلطی جوڑ چکی ہے (دیکھو Andiaa Contri-bution to the study of Hadith Literature, P.35, Deca 1955-

دب (شعیب بن محمد) ابوالقاسم الدبیلی المصنف رجال السند ۱۵۷)

بظاہر اس ترجمہ کی ذمہ داری مولف پر نہیں ہے البتہ انھوں نے بلا تحقیق معانی کے بیان پر اکتفا کر کے غلطی کی ہے۔ اس شخص کا ذکر صفائی کی کتاب الانساب میں وہیل السند کی نسبت کے تحت آیا ہے

مالا کو سمانی اسی شخص کا تذکرہ دہلی الرملہ کی نسبت کے تحت تفصیل زائد کر چکے ہیں۔ چنانچہ دہلی الرملہ کی نسبت کے تحت ان کے الفاظ یہ ہیں :-

ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد بن شعیب (رجال السند: سعید؟) بن زریع
بن سیار (دہلی السند: موار) البزاز (دہلی السند: نداد) الدیلمی (العبیدی
الافقیہ المعروف بابن ابی قطران) الدیلمی: قطران، قدم اصبحان قال عبد اللہ بن
محمد الاصبجانی قدم شعیب بن محمد اصبحان سنۃ خمس وثلاثمائة واثنا عشر
عبدالان، یروى عن ابی سہیل ازہر بن المرزبان المقرئ (الانساب: ۲۲۷) (ب)
سمانی کے ہر دو مقاموں کے مندرجہ بیان کا معروضی مطالعہ کیجئے تو دونوں نسبتوں کے
تحت ایک ہی شخص کا تذکرہ نظر آئے گا اس فرق کے ساتھ کہ دہلی (دہلی الرملہ) کے تحت جو تفصیل ہے
وہ دہلی (دہلی السند) کے تحت حذف کر دی گئی ہے دونوں جگہوں میں کتابت کی کچھ تعینات ہیں۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی نسبت میں سمانی کو شبہ ہو گیا تھا جس کا از الہ بعد کے محققین سے حراست
کرنے پر مجبور جاتا ہے۔ ابن الاثیر جس کی کتاب الباب در اصل سمانی کی کتاب الانساب کی تہذیب
و تقسیم ہے وہ دہلی السند کی نسبت کے تحت ابوالقاسم شعیب بن محمد کا تذکرہ نہیں کرتے یہی حال یا تو
کا ہے اور دونوں ابوالقاسم شعیب کا ترجمہ دہلی الرملہ کے تحت درج کرتے ہیں ملاحظہ کریں
الباب جلد ۳ ص ۳۲ معجم البلدان ج ۲ ص ۵۹۹ مشتبہ نسبتوں کی تحقیق کے معروف طلبہ دار عارفہ
عبد الفنی لازوی رحمہ اللہ باب الدیلمی والدیلمی کے تحت رقمطراز ہیں :- علما الدیلمی بتقدیم
الباء المجمعۃ بنقین من تحتہا فیو..... وشعیب بن محمد بن ابی قطران الدیلمی
مشتبہ النسب ۲۹۱ الآباء ۳۲۲ سمانی کی نشاندہی کے بموجب شعیب کا ترجمہ تاریخ صفیان
میں درج ملے گا دیکھو ج ص ۳۲۲ - ۳۲۵ مؤلف کو یہ شکایت رہی ہے کہ شعیب کا مفصل
حال ان کو نہ ملا یہ شکایت صرف اس لئے پیدا ہوئی کہ ان کی نظر ایک ہی جگہ مرکوز رہی ورنہ خود
سمانی کے یہاں تفصیل موجود ہے اور مزید معلومات کے لئے مذکورہ بالا مراجع سعید میں مختلف

سے پہلے سید صاحب مرحوم اور ڈاکٹر محمد اسحاق نے بھی ابوالقاسم شیب کو سمانی کے صرف ایک بیان کی روشنی میں دہلی السند سے منسوب کیا ہے۔

(ج) محمد بن عبد اللہ الدیبلی الشامی، ابو عبد اللہ الزاهد (رجال السند

ص ۲۲۵ - ۲۲۶)

اس ترجمہ کے تین مآخذ ہیں صفۃ الصغوة، غایۃ النہایۃ، اور طبقات الشافعیہ، مآخذ سہ گانہ میں کہیں الدیبلی کی نسبت مضبوط نہیں نہ کسی تذکرہ نگار نے اس کے ساتھ السندی کی نسبت لگائی ہے کہ اشتباہ کا شائبہ نہ رہے۔ مولف کو دھوکا ہوا کہ انھوں نے الدیبلی کو دہلی السند کی نسبت سمجھ لی ہیں یقین ہے کہ یہ نسبت دراصل دہلی الرملہ کی طرف ہے اور اس کا واضح قرینہ الشامی کی نسبت ہے۔ اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ سمانی کے بیان سے ہو جاتا ہے کہ دہلی بتقدیم الباء الموحده کے تحت ان کے یہ الفاظ ملتے ہیں :- ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الدیبلی کان من مجودی القراء الخ (الاحتساب - ۲۲۲ رب) ابن الجوزی، ابن الجوزی اور ابن ابسکی دراصل اسی محمد بن عبد اللہ الدیبلی کا تذکرہ کر رہے ہیں جس کا ذکر سمانی نے کیا ہے اس پر مستزاد یہ ہے کہ ابن ابسکی کی طبقات میں دہلی کی نسبت بالکل صحیح اور ضبط کے ساتھ درج ہے اس کے باوجود مولف جذبہ تہنید سے مطلوب ہو گئے ہمارے اس دعویٰ کی واقفیت دہلی کی تفصیل سے واضح ہوگی۔

(د) علی بن احمد بن محمد الدیبلی (رجال السند ص ۱۴۲ - ۱۴۶)

پورا ترجمہ ابن ابسکی کی طبقات الشافعیہ سے ماخوذ ہے۔ یہیں اصل کتاب سے مراجعت کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ مولف کی نقل پر غور کر لینا ہی کافی ٹھہرا۔ مولف نے ابن ابسکی کے حوالہ سے جو اقتباسات درج کئے ہیں ان سے علی بن احمد کی نسبت وطنی کے بارہ میں دو بنیادی باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

عن دیکومسانف اعظم کلامہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ نیز :
Indias Contribution To The Study of Hadith P. 35

الف) علی بن احمد زبلی کی نسبت سے معروف تھا اس نسبت کو ابن ابی نے ان الفاظ میں ضبط کیا ہے :-

الزبلی بفتح الزای ثوباء موحدة مکسورة

رب) اس نسبت میں بعض لوگوں کو شک تھا اور وہ زبلی کو زبلی کی خرابی سمجھتے تھے ان کے خیال میں علی بن احمد زبلی تھا نہ زبلی۔ اس زبلی کی نسبت کو بھی ابن ابی نے اسکی ضبط کرتے ہیں کہ
لعل الدلی بفتح الدال وبعد ہا باء موحدة مکسورة ثم آخر الحروف
باء سا حنة

ان دو باتوں میں سے ابن ابی کی کار جان اس طرف ہے کہ علی بن احمد کی صحیح نسبت غالباً زبلی ہے اور زبلی غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اپنے رجحان کی تائید میں انھوں نے علی بن احمد کی کسی کتاب کے ایک نسخہ کا حوالہ دیا ہے جس کے سرورق پر علی بن احمد کے متعلق یہ الفاظ مکتوب تھے :-
”انہ سبط المقرئ“ یعنی علی بن احمد مؤلف کتاب اس علاقہ کے معروف مجتہد کے نواسہ تھے۔
یہ الفاظ بظاہر حقیقت سے کم نہیں لیکن قرآن و شواہد کی روشنی میں ابن ابی اس مجتہد المقرئ کا نام معلوم کرنا چاہتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ اس دیار میں قراۃ کے دو امام بہت معروف رہے ہیں ایک ابو عبد اللہ الدبلی (بتقدیم الباء) جو مقرئ الشام کہلاتے ہیں اور دوسرے احمد بن محمد الرازی (دونوں کے ترجموں سے بحث گذر چکی ہے تحت الف وج) دونوں تیسری صدی کے لوگوں میں ہیں ان میں سے علی بن احمد جس شخص کا نواسہ ہو سکتا ہے وہ ابن ابی کے خیال میں ابو عبد اللہ الدبلی (بتقدیم الباء الموحدة) ہیں، ہیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ علی بن احمد کس کا نواسہ ہو سکتا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ علی بن احمد کا دہیل السند سے منسوب کیا جانا کہاں تک صحیح ہے۔ خود ابن ابی کے مقدم الذکر بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ علی بن احمد کی شہرت زبلی کی نسبت سے تھی لیکن بعض اس نسبت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے اور ان کی تجویز میں صحیح شکل زبلی تھی۔
زبلی اور زبلی دونوں نہیں ابن ابی کی کتاب میں مضبوط ہیں لہذا کسی طرح علی بن احمد کو

وہل السند سے منسوب کرنا درست نہیں لیکن مؤلف اپنی ہندی تراشی کے جذبہ سے اس قدر سرشار ہیں کہ انھوں نے ابن ابی اسکی کے ضبط و تحقیق کی بھی پروا نہیں کی اور نقل میں ہر جگہ بزرع خود زبلی اور دبلی (تقدیم البار الموصدة) دونوں کی اصلاح کرتے ہوئے بن القوسین دبلی (تقدیم البار الموصدة) لکھ دیا ہے۔ آخر میں اذعان یقین کی بجگی کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھے ہیں :- کان علی بن احمد الدیلمی من رجال المائۃ الثالثة وما هو زبلی ولا دبلی بل هو دبلی وکان حیدراً ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المقرئ من الدیلمی (رجال السند ۱۰۱) ناطقہ سرگرمیاں ہے اسے کیا کہیے۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد المقرئ کے بارہ میں تحت ج سماں کا حوالہ دیا جا چکا ہے علی بن احمد کے زبلی یا دبلی ہونے کی بحث ابن ابی اسکی کے حوالہ سے گذر چکی ہے اور خود مؤلف ہی کا اقتباس ہمارا مآخذ ہے۔ البتہ ضماً ایک اور بات سن لیجئے کہ حاجی خلیفہ کی کتاب میں جو علی بن احمد کی بابت الزبلی بالراء (تم التار) لکھا ہے وہ ہمارے نزدیک نسخہ کی تصحیف ہے ورنہ غالب گمان یہی ہے کہ حاجی خلیفہ نے جب ابن اسکی کا حوالہ بھی دیا ہے تو یقین ہے کہ اس نسبت کا ضبط بھی بقلم خود صحیح کیا ہوگا (یعنی الزبلی بالزای) بعد میں ناقلین نے اس کو الزبلی بنا دیا، ہمارے خیال میں مندرجہ ذیل تراجم بھی تحقیق طلب ہیں :- اگر تحقیق کی جائے تو متعلقہ اشخاص وہل الزبلی سے منسوب نکلیں گے۔

(۱) احمد بن محمد الحافظ الزاہد الیلمی المصری (ص ۵۸-۵۹)

(۲) احمد بن نصر بن الحسین القاضی الیلمی الموصلی الانباری (رجال السند ۶۵)

(۳) الحسن بن حامد الیلمی البندادی (ایضاً ص ۹۶-۹۸)

(۴) الحسین بن محمد بن اسد الیلمی الدمشقی (ایضاً ص ۱۰۶-۱۰۷)

(۵) محمد بن الحسین بن محمد الیلمی الشامی (ایضاً ص ۲۱۲)

(۶) ایک مصحف نسبت یوتانی کی ہے جس سے مؤلف کو دھوکا ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یوتانی سند کا معروف علاقہ بھی ہے لیکن کئی اور علاقے بلاؤ سند سے باہر اسی کی ہم شکل

تھے جن سے بہترے محدثین و مرواة علم منسوب ملتے ہیں۔ ان مشتبہ الاسم علاقوں میں بڑی آسانی سے تصحیف ہوتی رہی ہے لہذا ہر جگہ یوقانی کی نسبت پر اعتماد کرنا تحقیق و تفحص کے بغیر غلطیوں میں مبتلا کر سکتا ہے۔ مؤلف نے فضل اللہ بن محمد، ابوالکاسم البوقانی السندی کا ترجمہ درج کیا ہے درجہ رجال السند ص ۱۹۳ اور ذہبی کی معروف کتاب تذکرۃ الحفاظ کا حوالہ دیا ہے۔ ذہبی نے فضل اللہ کا ذکر بغوی صاحب المصابیح کے ترجمہ میں ضمنی طور پر کیا ہے چنانچہ ان کے حسب ذیل الفاظ مؤلف نے نقل کئے ہیں:-

”وآخر من روی عنه بالاجازۃ ابوالکاسم فضل اللہ بن محمد البوقانی شیخ

حقالی حدود السنۃ مائتہ“

مؤلف نے حسب عادت السندی کی نسبت بڑھادی ہے حالانکہ ذہبی کی عبارت اس سے خالی ہے تذکرۃ الحفاظ میں البوقانی کی نسبت ضبط و تحقیق کے بغیر درج ہے اور تذکرۃ الحفاظ جس قدر مستحکم و محرف طبع ہوئی ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں چنانچہ محمد بن عبد الوہاب قزوینی مرحوم کسی موقع پر اس کا ماتم کر چکے ہیں بہر حال ہمارے پاس خود ذہبی کی تصریح ابوالکاسم فضل اللہ کے بارہ میں موجود ہے جس سے اس کی نسبت بوقانی (ربائے مودہ) کا غلط ہونا محقق ہو جاتا ہے۔ کتاب المشبہ فی اسرار الرجال میں ذہبی ان مشتبہ نسبتوں کی تحقیق یکجا قلمبند کرتے ہیں:- البوقانی، النوقانی، التوقانی، النوقاتی وہ سند کے بوقان کا ذکر نہیں کرتے بعد میں لکھتے ہیں:- النوقانی بنونین الاولیٰ مفتوحہ ریا قوت کے یہاں فون اول مضموم ہے پھر فرماتے ہیں:- فونان ہی حصبہ طوس:- اور طوس کے اسی قبضہ سے منسوب رجال کو شمار کرتے ہوئے فضل اللہ ابوالکاسم کا ذکر ان لفظوں میں درج کرتے ہیں:-

”ابوالکاسم، فضل اللہ بن الحافظ محمد بن احمد بن النوقانی الشافعی تلمیذ

محمد بن یحییٰ، سمع عبد الجبار الخواری، ولد اجازۃ من محی السنۃ النبوی کتب

عنه ابو الرشید الغدال، مات بوقان سنۃ ۶۰۰ ولد ۸۶ سنۃ“۔ کتاب

المشبدہ ۳۳ لیدان ۳۳۸

اس تصریح کے ہیں ابوالمکارم فضل اللہ کی صحیح نسبت معلوم ہو جاتی ہے اور تذکرۃ الحفاظ کی غیر مضبوط نسبت کی بنا پر ان کو بوتقان السند سے منسوب قرار دینا غلط ہو جاتا ہے۔ مؤلف نے مندرجہ ذیل ترجمہ کو بھی با تحقیق صرف البوقانی کی بنیاد پر شامل کتاب کیا ہے اور ہمیں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ ان ترجمہ کے سلسلہ میں بھی اگر تحقیق کی گئی تو بات "نخست اول" تک جا پہنچے گی۔

(۱) محمد بن احمد بن محمد البوقانی (رجال السند)

(۲) محمد بن احمد بن منصور البوقانی (ایضاً ص ۲۱)

(۳) محمد بن اسد البوقانی (ایضاً ص ۲۱)

دو مشترک الاسم ملا قوں سے لاعلمی بھی مؤلف کے لئے گمراہ کن ثابت ہوئی ہے چنانچہ انصوری کی نسبت ان کے خیال میں تنہا منصورۃ السند کی طرف ہو سکتی ہے۔ ان کو خبر نہیں کہ کئی دوسرے مقامات کا نام منصورۃ تھا۔ لہذا ہر منصورۃ کو سندھ کے منسوب سمجھنا غلط ہو گا۔ سندھ کے علاوہ خوارزم، آرمینیہ، طبرستان وغیرہ میں کئی شہر اسی نام سے آباد تھے ہمارے دعویٰ کی تصدیق جزائیائی کتابوں کی مراجعت سے آسانی ہو سکتی ہے (ملاحظہ فرمائیں ابن خرداذبہ ص ۳۲، مقدم کتاب الخراج ص ۳۲، ابن الفیہ جہانی ص ۳۱، معجم البلدان یا قوت وغیرہ)

مؤلف نے احمد بن محمد ابوبکر الفیہ المنصوری البکر ابادی کا ترجمہ حمزہ بن یوسف السہمی کی تاریخ جرجان سے نقل کیا ہے (رجال السند ص ۳۵) یہ مختصر ترجمہ داخلی طور پر صاحب ترجمہ کی "سندیت" کے بارہا کسی قرینہ پر مشتمل نہیں ہے لیکن جو بات بالکل واضح ہے وہ "المنصور البکر ابادی" کی نسبت ہے۔ بکر آباد کے متعلق متعین ہے کہ طبرستان کی ایک جگہ کا نام ہے لہذا المنصوری کی نسبت طبرستان کے شہر منصور سے کیوں نہ قرار دی جائے خواہ مخواہ ایک طبرستانی فقیہ کا رشتہ سندھ سے جوڑنا کتاب کی ضخامت میں قدرے اضافہ کا باعث بن سکتا ہے ورنہ علم تحقیق کی دنیا کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

ابکر ابادی کے بارہ میں ایک بات قابل ذکر ہے کہ سمائی کی الانساب سے لفظ کی صحیح شکل بکر ابادی رزلے مجرم طیم ہوتی ہے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں :- بفتح الباء المتعوطۃ بواحد تہ وسكون اللام وفتح الزای المجرمة بواحد تو فی آخرها الذال المجرمة ہذا النسبة الی محلۃ معروفة بحوران ۱۱ یا قوت کی محم میں اس لفظ کا ضبط نہیں ہے (دیکھو محم البلدان مجدد ص ۷۵)

۳۔ چوتھی شق سے متعلق اصولی بحث گذر چکی ہے جس کے نتیجے میں بلاد داؤد اور بابیان سے منسوب علماء کے تراجم ہمارے نزدیک موضوع کتاب سے خارج رہ جاتے ہیں ان تراجم کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے۔

(۱) الحسن بن علی داؤدی (رجال السند ص ۱۲)

(۲) عبد اللہ بن محمد داؤدی (ایضاً ص ۱۶)

(۳) احمد بن الحسین بن علی البامیانی (ایضاً ص ۷)

اس ترجمہ کے سلسلہ میں قدرے تفصیل پیش کر دی جاتی ہے :-

اولاً ہمارے نگاہ حافظ عبد الغنی الازدی کی اس عبارت پر پڑتی ہے کہ :- ومما یخاف تصیفة

ویشتبہ باحمد فهو احمید بن الحسین البامیانی، خراسانی، وهو بابیاء المجرمة من

تحقا بنقطتین بعد الحاء المجرمة المؤلف والمختلف مآلہ آباد ص ۳۲) اس عبارت سے

نام کے صحیح ضبط کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ عبد الغنی الازدی ہمارے مؤلف کے بر خلاف احمد بن

الحسین البامیانی کو سندھی نہیں قرار دیتے بلکہ خراسانی بتاتے ہیں اور یہی حقیقت ہے۔

ثانیاً مؤلف کو تنہا یا قوت کی محم البلدان میں یہ ترجمہ ملا جس کو نقل کرنے کے بعد انھوں نے

لکھا ہے :- ۱۱ لہذا ف علی احوالہ غیر ذلک وکان من قدماء المحدثین ۱۱ حیرت ہے کہ

سمائی کی الانساب سے انھوں نے رجوع نہیں کیا ورنہ ان کو بعض باتیں بڑے کام کی معلوم ہجائیں

جیسا قوت کے یہاں مذکور نہیں ہیں۔ سمائی کے منتخب فقرے یہاں درج کئے جاتے ہیں کہ مؤلف کے

ذوقِ جبر کو تسکین ہو۔

سکن بلج، ویدوسی عن المکی بن ابراہیم، وعلی بن الحسن الراسی المعروف
بکرام، ویزید بن ابراہیم، واللیث بن مساوس وغیرہم من البلیغین، سومی عند
محمد بن احمد بن یحییٰ، وعبید اللہ بن محمد بن طرخان، وهو مستقیم الحدیث من الثقات
والانساب - ۶۳ رب

سکون بلج، بلخینوں سے انہی روایت، شاگردوں کے نام، استقامت روایت وثقاہت یہ تمام
ہیں یا قوت نے نکتہ گردالی میں اس کی وجہ ہمارے خیال میں یہ ہے کہ یا قوت نے ہر اور است کتاب
الانساب سے امتیاز نہیں کیا بلکہ الباب نے تہذیب الانساب کی عبارت درج کر دی ہے۔
(م) محمد بن علی بن احمد، ابوبکر البایمانی (رجال السند ۲۳۸) اس ترجمہ کا مآخذ
بہم یا قوت ہے معانی کی کتاب الانساب میں حسب ذیل فقرے لکھے ہیں: "و ابوبکر محمد بن علی
بن احمد البایمانی، شیخ مکثر، ثقہ، رحل النی ابن ابی الحدید السلی و (سمع) ابابکر
احمد بن علی بن ثابت الخطیب الحافظ، وغیرہم، سومی لنا عنہ ابو الفتح محمد بن ابی
الحسن البسطامی، بلج، وابو شجاع عمر بن محمد بن عبد اللہ الامام بعقلان، ووفی
فی حد و سند تسعین و امر بعائتہ، بلج" (الانساب ۶۳ رب)

مؤلف نے یا قوت کے حوالہ سے وفات کا زمانہ ۳۹۰ھ لکھا ہے سمعی کے بیان سے اس کی
تصحیح ہو جاتی ہے۔ نیز یا قوت کی عبارت منقولہ میں "فی سلم رجب" کے الفاظ ملتے ہیں ہمارا خیال
ہے کہ "س" کا لفظ دراصل "بلج" کی خرابی ہے۔ سمعی کی عبارت میں جہینہ کی صراحت نہیں ہے
البتہ ابن الاثیر کی الباب نے تہذیب الانساب میں "فی رجب بلج" کے الفاظ ملتے ہیں بظاہر
جہینہ کی تصریح سمعی کے صحیح اور مستند نسخہ کی بنیاد پر ہے جو ابن الاثیر کے پیش نظر رہا تھا۔
والباب جلد ۱ ص ۹۲) یا قوت کا مآخذ ہر اور است الباب کے تہذیب الانساب رہا ہے جس کی
"ناید دونوں کے معروضی مطالعہ سے ہوتی ہے۔

۱۵) چوتھی شتی کے تحت ہمارے دعویٰ کا ایک جزویہ ہے کہ کسی غیر محقق جغرافیائی بیان پر اعتماد کر کے مؤلف نے اپنی کتاب میں بعض غیر متعلقہ اشخاص کا ترجمہ درج کیا ہے۔ اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے محمد بن احمد البیرونی السندی الخوارزمی کا ترجمہ (رجال السند ۲۱) کافی ہے۔ ابوالریحان کو سندھ کی قرار دینا سندھ کے متنازع فیہ مقام البیرون کے تحقق پر موقوف ہو۔ مؤلف نے معجم الادباء، طبقات الاطباء (ابن ابی اصیبعہ) تقویم البلدان (ابوالفداء) اور تاریخ آداب اللغة العربیہ کے اقتباسات دیئے ہیں اور صرف ابوالریحان کو سندھی ثابت کر لے کے لے کتاب کے بحث جغرافیائی میں البیرون (ابالبار) کا تعارف پیش کیا ہے۔ اس مسئلہ کی بہت کچھ تفصیل ہم نے شروع میں درج کی ہے۔ اس واقعہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ابن سیدہ المغربی ابوالریحان کو بزعم خود قطعی طور پر سندھ کے شہر البیرون سے منسوب کرتا ہے۔ سندھ میں بیرون نام کی کسی جگہ کے ثبوت میں ابن سیدہ کے اس قول کے علاوہ کوئی دوسرا بیان موجود نہیں۔ ابوالفداء اور ابن ابی اصیبعہ نے بدوں تحقیق ابن سیدہ کی بات دہرا دی ہے۔ تاریخ آداب اللغة العربیہ کا مؤلف بھی اسی بات کا اعادہ کرتا ہے۔ ابن سیدہ کا قول کئی وجوہ کی بنا پر ناقابل تسلیم ہے۔

۱۶) محققین جغرافیہ سندھ میں بیرون (ابالبار) نام کے کسی شہر کا علم ابن سیدہ کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے نہیں رکھتے اور جن لوگوں نے اپنی قرأت میں بیرون (ابالبار) کو ترجیح دی ہو ان پر رد اصل ابن سیدہ کے منفرد قول کا اثر رہا ہے۔

۱۷) مشہور تذکرہ نگار جغرافیہ دان یا قوت جس کو البیرونی اور سندھ سے ابن سیدہ کی نسبت زیادہ واقفیت تھی اپنی کتاب جغرافیہ معجم البلدان میں سندھ کے بیرون کا ذکر نہیں کرتا بلکہ باب القون میں سندھ کے ایک شہر تیریز بالقون کا ذکر کرتا ہے اس سے قطع نظر کہ معجم البلدان میں آخری حرف زای معجم ہے یہ متعین ہے کہ یا قوت کے نزدیک بیرون یا یزید بالقون سندھ کے ایک شہر کا نام تھا جس کا موقع محل اور طول و عرض یا قوت نے درج کیا ہے (معجم البلدان ص ۴۸)

اس نے اپنی دوسری کتاب معجم الادباء میں البیرونی کا مبسوط ترجمہ درج کیا ہے اور اس نسبت کی تحقیق کی ہے لیکن سندہ کے کسی شہر بیرون سے ابوریحان کے انساب کی بابت بالکل خاموش ہے۔ حالانکہ یا قوت کو بیرونی کے سلسلہ میں تحقیق و تفتیش کا جو قوی داعیہ تھا وہ بالکل ظاہر ہے۔ پھر اس کو موثق حاصل تھے کہ سندس مسلمات جمع کر سکے اس لئے کہ البیرونی کی اہم ترین تصانیف خصوصاً جزائیر و تاریخ سے مشفق اس کے مطالعہ میں آئی تھیں جن میں سے بعض نوشتہ مؤلف تھیں۔ ابن سید کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے حدود العالم کی شرح میں مینورسکی کا آخری فقرہ یہ ہے :-

— and generally speaking the
thirteenth century spanish
geographer was hardly in a position
to improve the reading of a
doughtful Indian name (Hududul

Alam, P. 372, 1937)

(۳) سہانی بن کو ابی سید کے نسبت سندھ اور خوارزم کی تحقیقات سے زیادہ واقف ہوئی چاہے البیرونی کی نسبت کے تحت وہ صرف ابوریحان البیرونی کا نام لیتے ہیں اور اس کی تحقیق میں کہتے ہیں کہ — ”هذه النسبة الى خارج خوارزم فان من يكون من خارج البلاد ولا يكون من نفسها يقال له بیرونی . . . (الانساب ۹۸ ص ۵۷) یا قوت ذاتی تحقیق میں اسی چونکہ پہنچا ہے کہ — ”وما اظنله سیراد بلہ الا انه من اهل الرستاق یعنی افہ من براہلہ“

(۴) بیرونی کے جدید محققین خواہ مغربی ہوں یا مشرقی ابن سید کے قول کو قابل اعتما نہیں سمجھتے۔

(۵) خود بیرونی کے جو فقرے کتاب الآثار الباقیہ میں خوارزم سے منسوب تھے میں وہ

خوارزم کو اس کا اصلی وطن قرار دیتے ہیں اور اس کی معروف نظم کا حسب ذیل شراعی کا شافی ہے:

فانہ اعراق قد غدا و فی بد سحر و منصور من بعد قد لوی غوا سیا

وجہ مذکورہ کی بنا پر ہر دنی کا سندھ کے کسی مقام سے رشتہ جوڑنا ہمارے خیال میں بالکل غلط ہے جن تراجم کے سلسلہ میں تحقیق کی گئی نظر آئی ان کی نشاندہی مع تفصیلات درج ذیل ہے:

(الف) احمد بن محمد بن صالح التیمی القاضی المنصوری (رجال السند)

ہمارا خیال ہے کہ مؤلف نے اس ترجمہ میں دو شخصیتوں کو ایک قرار دیا ہے ایک شخصیت احمد بن محمد بن صالح التیمی کی ہے جس کا ذکر ابن الندیم، ابوالسحاق شیرازی اور سمانی و ذہبی کرتے ہیں،

دوسری شخصیت قاضی ابو محمد المنصوری کی ہے جس سے بشاری مقدسی اپنی ملاقات کا ذکر کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ یہ کئی تصانیف کے مالک اور سند درس و املا پر حکم تھے۔ ہم ابو محمد سے مقدسی کی

مراد صالح بن عبد وہب المنصوری کو سمجھتے ہیں جو قاضی ابو العباس احمد کا دادا تھا۔ بظاہر قاضی ابو محمد اور ابو العباس کو ایک قرار دیتے ہوئے مقدسی کے بیان کو سہو پر محمول کرنا خلاف قرینہ ہے۔

مؤلف نے قاضی ابو العباس احمد کے تبارف میں سمانی کا جو اقتباس دیا ہے اس میں ایک فقرہ تو بہ طلب ہے لہذا سمانی کے الفاظ نقل کئے جاتے ہیں۔ ”ابو العباس احمد بن محمد

بن صالح التیمی القاضی المنصوری من اهل المنصورۃ، سكن العراق وکان من

الطرف من رأیت من الہمام۔ سمع بقاسم ابی العباس بن الاحزم وبالبحرۃ

ابا روق والہن افی“ رجال السند مت خط کشیدہ الفاظ سے مایہ نہ نظر رکھنے والے

یہی سمجھیں گے کہ ابو العباس احمد بن محمد کی روایت سمانی مصنف کتاب الانساب کو مائل تھی

حالانکہ دونوں کے عہد میں فاصلہ اتنا ہے کہ بغرض محال سمانی اس کا دعویٰ کریں بھی تو

قبول نہیں کیا جاسکتا۔ مؤلف نے بلا تامل عبارت نقل کر دی ہے اور اس کا انکال کا انہیں

خیال تک نہ آیا و اتعہ یہ ہے کہ اس موقع پر کتاب الانساب کی عبارت کال نہیں ہے،

المنصوری کے تحت کتاب الانساب کے جملہ اندراجات کا مطالعہ کیجئے تو سب سے پہلے

یہ الفاظ ملیں گے۔ ”منہاج احمد بن محمد القاضی المنصور سیسکن العراق وفارس
 یعنی بابی العباس کا نام اماماً علی مذہب داؤد الاحبہ فی مسیح الاثرم و طیقہ، سہوی
 عنہ الحاکم ابو عبد اللہ الخافط، و ابو العباس احمد بن محمد بن صالح التیمی الخ و سلسلہ
 کے لئے منقولہ بالا عبارت دیکھئے) باوی النظر میں احمد بن محمد القاضی، شیخ حاکم نیشاپوری
 اور ابو العباس احمد بن محمد بن صالح التیمی کی شخصیتیں دو معلوم ہوتی ہیں لیکن کئی داخلی شہادتوں
 سے اس کی نفی ہو جاتی ہے کہ دونوں کی کنیت ابو العباس ہے، دونوں کے نام مع ولایت
 ایک ہیں الاثرم اور اس کے طبقہ کے شیوخ سے روایت کرنے میں بھی دونوں برابر ہیں دونوں
 ایک ہی مسلک کے امام قرار دیئے گئے ہیں اور منصورہ کے عہدہ قضاء سے وابستہ رہے ہیں
 فرق صرف اتنا ہے کہ مؤخر الذکر یعنی ابو العباس احمد بن محمد بن صالح التیمی سے سمعانی کی ملاقات
 کتاب الانساب کے ظاہری الفاظ سے ثابت ہوتی ہے اور اول الذکر حاکم نیشاپوری کے
 شیوخ میں ہیں اب اگر کتاب الانساب کی عبارت بالکل درست اور کامل سمجھ لی جائے تو دو
 الگ الگ شخصیتوں کا ماننا ناگزیر ہو گا لیکن اس تقدیر پر مقدم الذکر داخلی شواہد کی مجموعی قوت
 ایسی ہے کہ کتاب الانساب کی عبارت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہمارے خیال میں اس مسئلہ
 کا دائمی حل یہ ہے کہ عبارت میں کہیں سقوط تسلیم کر لیا جائے گویا شروع سے مذکرہ ایک ہی شخص
 احمد بن محمد ابو العباس القاضی اسی کا سلسلہ ہے درمیان میں حاکم نیشاپوری کے الفاظ نقل
 ہوئے ہیں لیکن کچھ الفاظ ابتدائی نسخہ کتاب سے ساقط ہو گئے ہیں۔ ہمارے خیال میں وہاں
 اظرف من رائت من العلماء کے الفاظ و رسل حاکم نیشاپوری کے ہیں نہ کہ سمعانی کے۔

تَمَایُخُ الرِّدَّةِ

دعوتِ اکرٹھ خورشید احمد فارق صاحب اساتذہ ادبیات عربی، دہلی یونیورسٹی

(۵)

پسائی کے بعد جب مسلمان لوٹے اور لڑائی گرم ہوئی تو طلحہ نے اپنا کبیل پٹاؤہ بنو نم خود
 وحی کا منتظر تھا، جب دیر تک وحی نہ آئی اور دوسری طرف جنگ میں اس کی فوج بری
 طرح رگڑی گئی تو عیینہ بن حصن فزاری ریدر بنو فزارہ اور طلیف طلحہ نے خود لڑنا اور
 فوج کو جوش دلانا شروع کیا۔ ابن اسحاق: ”اس دن عیینہ نے اپنے قبیلہ فزارہ کے سات سو
 جوانوں کے ساتھ بڑی سخت لڑائی لڑی، جب مسلمان تلواریں سونت کر ان پر ٹوٹ
 پڑے اور ان فزاری جوانوں نے ان کے مقابلہ سے منہ نہ موڑا تو وہ طلحہ کے پاس آیا
 جو اپنے کبل میں پٹا ہوا تھا اور اس سے کہا: برا ہو تمہارے باپ کا! کیا جبریل اب بھی آیا؟
 طلحہ: نہیں، ابھی تو نہیں“ عیینہ: تم پر تباہی آئے سارا دن ہو گیا اور جبریل کا کہیں پتہ
 نہیں“ یہ کہہ کر عیینہ لوٹا اور جنگ کی جھٹی میں کود پڑا اور اپنی فوج کو جوش دلانے لگا جو
 مسلمانوں کی تلواروں کے نیچے پیچ رہے تھے، کافی دیر کے بعد عیینہ پھر طلحہ کے پاس گیا
 جو کبل اوڑھے بیٹا ہوا تھا، اور کبل اس زور سے کھینچا کہ طلحہ اٹھ بیٹھا عیینہ نے کہا:
 اس نبوت کا خدا برا کرے، اب بھی کوئی وحی آئی؟“ طلحہ: ہاں آئی ہے کہ تمہاری
 چکی (مرد جنگ)، اُس کی درجہ غالباً خالد، چکی کی طرح ہے، اور اس کا ایسا نیوہ بھلے گا
 جو تم ہمیشہ یاد رکھو گے“ عیینہ: میرا خیال ہے کہ خدا جانتا ہے کہ تمہارے ساتھ
 ایک ایسا دھم دھم (مرد شکست) پیش آئے گا جو تم ہرگز کبھی نہ بھولو گے۔ بنو فزارہ

رہاۃ کا اشارہ کر کے چل دو یہاں سے، یہ کذاب ہے، حکومت و اقتدار کی خواہش اس کے اور ہمارے لئے بڑی منحوس ثابت ہوئی۔“ قبیلہ فزارہ لوٹ گیا اور اس کے پیچھے عینہ اور اس کا بھائی روانہ ہوئے، مسلمانوں نے عینہ کو پکڑ لیا لیکن اس کا بھائی نکل بھاگا، کہا جاتا ہے کہ عینہ کو پکڑنے والا قبیلہ طئی کا ایک بہادر تھا، عروہ بن مضر، خالد نے عینہ کو قتل کرنا چاہا لیکن بنو مخزوم کے ایک معزز آدمی نے سفارش کر کے اس کی جان بچالی۔

طلحہ نے جب دیکھا کہ اس کی فوج کے لوگ مارے اور پکڑے جا رہے ہیں تو اس نے میدان چھوڑ دیا۔ اس کے دوست اور اہل مائتہ اس سے پوچھنے لگے کہ اب کیا رائے ہے، طلحہ نے پہلے ہی گھوڑا تیار کر لیا تھا، جھلانگ مار کر اس کی پیٹھ پر بیٹھا اور پیچھے اپنی بیوی کو اور کو سوار کیا اور یہ کہتے ہوئے گھوڑے کے ایڑے لگائی کہ تم میں جو لوگ بھاگ سکیں اپنی بیویوں کے ساتھ میری طرح بھاگ جائیں، وہ شام پہنچا اور شامی سرحد کے غسانی حکمرانوں کے پاس مقیم ہوا۔

ابو یعقوب زہری کی کتاب میں ہے: ”طلحہ نے اپنی فوج کو پسا ہوتے دیکھا تو ان سے کہا: تمہارا ہوا تو تم کیوں پسا ہو رہے ہو؟ اس پر ایک شخص نے کہا: اس کی وجہ میں بتاتا ہوں، ہمارا ہر سپاہی چاہتا ہے کہ اس کا ساتھی قتل ہو اور وہ خود بچ جائے اور ہمارا مقابلہ ایسی قوم سے ہے جن کے ہر فرد کی تنہا ہے کہ اپنے ساتھی سے پہلے جان دے۔“ مورخ ابن اسحاق مدنی: طلحہ جب میدان جنگ سے فرار ہوا تو عکاشہ بن محسن اور ثابت بن اقرم د اسلامی فوج کے دو کمانڈروں نے اس کا پیچھا کیا، طلحہ نے عہد کیا تھا کہ جب بھی کوئی دشمن اس کو دوہرو لڑنے کا چیلنج دے گا تو وہ ضرور اس چیلنج کو قبول کر لے گا، جب طلحہ مڑا تو عکاشہ نے اس کو آواز دی، طلحہ نے اس پر وار کیا اور قتل کر ڈالا، اتنے میں ثابت بھی پاس آگیا، طلحہ نے اس کو بھی قتل کر دیا۔

اس کے بعد وہ شام چلا گیا۔۔۔

واقعی نے ان دو کمانڈروں کے قتل سے متعلق مختلف اقوال پیش کئے ہیں :

ان کے ایک راوی عمیلہ فزاری نے جو ردّۃ تاریخ سے خوب واقف تھا بیان کیا کہ جب خالد بن ولیدؓ طلیمہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے عکاشہ اور ثابت کو ہراول دستوں کا کمانڈر بنا کر آگے بڑھا دیا۔ یہ دونوں اعلیٰ درجہ کے گھوڑ سوار تھے، ان کی مدد بھڑ طلیمہ اور اس کے بھائی سلمہ سے ہوئی جو اپنی فوج کے ہراول دستوں کے انچارج تھے، ان کا باقی لشکر پیچھے تھا، طلیمہ عکاشہ سے اور سلمہ ثابت سے ہزد آزما ہوئے، سلمہ نے ثابت کو جلد ختم کر دیا، اس وقت طلیمہ نے چیخ کر کہا: سلمہ، میری مدد کر، یہ شخص مجھے ماسے ڈالتا ہے، سلمہ اور طلیمہ نے مل کر عکاشہ پر داریا اور اس کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد وہ

خوش خوش اپنی فوج کے پاس لوٹ گئے، خالدؓ اور ان کی فوج چلی آ رہی تھی کہ راستہ میں بڑی ثابت کی لاش نے ان پر خوف طاری کر دیا، اونٹنیاں لاش کو روند رہی تھیں، مسلمانوں کو اس کے قتل کا سخت قلق ہوا، ذرا آگے بڑھے تو عکاشہ کی لاش اونٹنیوں کے پیروں تلے آئی، اونٹ سوار اتنے بھاری ہو گئے کہ ہر شکل ہی اونٹوں کے پیروں تلے آئے۔ زخمی کی کتاب میں ہے: پھر مسلمان طلیمہ کی فوج سے متصادم ہوئے اور بہت سوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو گرفتار، خالدؓ نے باواز ملہذ کہا: جس شخص کو کھانا پکانا یا پانی گرم کرنا ہو، صرف دشمنوں کی کھوپڑیوں کا چولہا بنائے، خالدؓ نے بارے بنوائے

اور ان میں آگ جلوائی اور قیدیوں کو آگ میں ڈلوادیا، حامیہ بن سبت اسدی بھی آگ میں ڈالا گیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قوم کا مختل زکاۃ منکر کیا تھا اور جو بعد میں متدم ہو گیا تھا۔ طلیمہ کی ماں جو بنو اسد کی ایک خاتون تھی، گرفتار کر لی گئی، خالدؓ نے اس کو اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے ٹھکرا دی اور یہ رجز پڑھتی ہوئی آگ میں کود کر جھڑی ہو گئی!

یا موت عم صباخا۔ لا قتیلہ کفاحا۔ اذ لم اجد برا حاکم
موت سلام! جب زندگی کے بچنے کی کوئی صورت نہ ملے تو میں نے موت کو خوش آمدید کہا
قاضی واہدی نے یعقوب بن یزید بن طلحہ کے حوالہ سے بیان کیا: خالد نے قیدیوں کو
باروں میں جمع کیا اور آگ لگا کر ان کو زندہ جلا دیا، بنو فزارہ کا کوئی فرد نہیں جلا یا گیا،
میں نے تیغ الرزقہ کے ایک عالم سے دریافت کیا کہ باغیوں میں صرف طلحہ کے ساتھیوں کو
کیوں جلا یا گیا، تو اس نے کہا: انھوں نے رسول اللہ کی مذمت کی تھی اور ارتداد پر قائم
رہے تھے۔ دوسری روایت ہے کہ خالد نے گڈھے کھدوائے تو صحابہؓ نے پوچھا: ان کا
کیا ہو گا، تو انھوں نے کہا: میں اصحابِ طلحہ کو آگ میں جلاؤں گا، صحابہؓ نے اس پر اعتراض
کیا تو خالد نے کہا: میرے پاس ابو بکر صدیقؓ کا یہ ہدایت نامہ ہے: اگر خدا تم کو دشمن
طلحہ پر فتنہ عطا کرے تو ان کو آگ میں جلانا، مجھے حکم ہے کہ ہر جمع میں اس کو چڑھا کر
سناؤں۔“

عبداللہ بن عمرؓ: میں جنگ بُراء میں شریک تھا خدا نے طلحہ پر فتح عطا کی، ہم جب بھی
فیصل ہوتے بال بچوں اور عورتوں کو غلام بناتے اور باغیوں کا مال آپس میں بانٹ لیتے۔

بنو عامر اور دوسرے قبیلوں کے دوبارہ مسلمان ہونے کا ذکر

جب خدا نے بنو اسد (طلحہ کا قبیلہ) اور دان کے حلیف، بنو فزارہ کی خوب گوشمالی کر رکھی
اور بُراء میں طلحہ اور اس کے حلیفوں کو شکست فاش ہوئی تو خالد بن ولیدؓ نے رسالے
بھیجے تاکہ جہاں جہاں ان کو باغی ملیں انھیں ٹھکانے لگا دیں، بد و عوب یا تو حرام ہے۔
ڈر کر یا دل سے مسلمان ہونے کے لئے خالد کے پاس آنے لگے۔ اگر کسی عوب کو روکنا
میں خالد کے رسالے ملتے تو وہ کہتا: میں خوشی سے اسلام لانے جا رہا ہوں، میں مسلمان
اسلام کا طبع ہو گیا ہوں۔ کوئی کہتا: میں نے بغاوت نہیں کی، میں نے ایسا مال روک لیا تھا
لے لی حاصل ہو گا۔

جب مجھے بے حد عزیز ہے، لیکن اب میں زکاۃ دینے کو بھی تیار ہوں، اور اگر کوئی عرب رسالہ کی زد میں نہ آتا تو وہ خالدؓ کے پاس چلا جاتا اور ان پر اسلام کا اعلان کرتا، کچھ بدو سپہ ابو بکر صدیقؓ کے پاس چلے جاتے اور خالدؓ کے پاس نہ پہنچتے۔

قاضی و اقدی: قرۃ بن مجیرؓ قشیری کے بارے میں راویوں کی مختلف آراء ہیں، کوئی کہتا ہے کہ وہ بھاگ کر ابو بکر صدیقؓ کے پاس پہنچا اور مسلمان ہو گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ خالدؓ کے رسالوں نے اُس کو جالیا اور پکڑ کر خالدؓ کے پاس لے گئے، کوئی کہتا ہے کہ وہ اپنے قبیلہ بنو عامر کے ساتھ خالد بن ولیدؓ کے پاس آیا اور ہماری رائے میں یہی قول مرجح ہے، ایک قول یہ ہے کہ بنو عامر منتظر تھے کہ دیکھیں باغی جیتے ہیں یا مسلمان، اور ان کا لیڈر قرۃ تھا، بنو عامر کا ایک ممتاز لیڈر اور بہادر ابو حرب ربیعہ بن خویلد عقلی جو استخارہ کی پالیسی کے خلاف تھا کھڑا ہوا اور بولا: بنو عامر ذرا ٹھہرو اور تدبیر سے کام لو تم نے رسول اللہؐ کے اہلیوں کو قتل کیا جو ہر مؤمنہ جا رہے تھے، تم نے ابو براءؓ کی حفاظت کا ذمہ لیا اور پھر توڑ دیا، وار واکم عامر بن الطفیل، تم کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ خالد بن ولیدؓ ہاجرین و انصار کی فوج کے ساتھ تمہارے قریب پہنچ گیا ہے اور غرض یہ تمہاری خبر لے گا، ابو حرب ربیعہ کی باتوں نے بنو عامر کے حوصلے بہت کر دیئے و قدر وہ۔

رسول اللہؐ کی وفات پر جب عمرو بن العاصؓ عمان سے مدینہ لوٹے تو قرۃ بن مجیرہ سے اُن کی حیات چیت ہوئی وہ ہم یہاں بیان کریں گے۔ عمرو بن العاصؓ رسول اللہؐ کی طرف سے عمان کے عامل تھے۔ ایک دن ان کے پاس عمان کا ایک یہودی آیا اور بولا: اگر میں آپ سے ایک سوال پوچھوں تو مجھے کوئی گزند تو نہ پہنچے گا؟ عمرو بن عاصؓ: نہیں، یہودی: خدا کی قسم دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کو کس نے ہلاک کیا؟ عمرو بن عاصؓ: یہودی: رسول اللہؐ نے، کیا آپ کو واقعی معلوم ہے کہ وہ رسول اللہؐ تھے؟ عمرو بن عاصؓ: یہودی: اگر آپ کی بات مجھے تو آج ان کا انتقال ہو گیا، یہ سکر

عمر بن عاصؓ نے اپنے مشیروں اور اہل ماشیہ کو جمع کیا اور وہ دن نوٹ کر یا جب مقبول
 یہودی رسول اللہؐ کا انتقال ہوا تھا۔ اس کے بعد اُرد اور عبد النقیس کے محافظوں کے ایک
 گروہ کے ساتھ عمرو بن عاصؓ مدینہ کے لئے چل کھڑے ہوئے، حجرِ دُپایہ تحت بحرینؓ پہنچے
 تو وہاں منذر بن سادہ رسول اللہؐ کی طرف سے بحرین کے حاکم کے ہاں رسول اللہؐ کی
 وفات کا چرچا سنا، وہاں سے چل کر وہ بنو ضیفہ کے علاقہ میں آئے اور بنو ضیفہ کے محافظ
 ساتھ لے کر بنو عامر کے علاقہ میں داخل ہوئے، اور ثمرہ بن عبیدہ تیسری کے جہان سے
 جب وہاں سے چلنے لگے تو ثمرہ بن عبیدہ نے کہا: تمہاری خیر خواہی کی ایک بات ہے،
 جسے میں چاہتا ہوں کہ تم سنو، تمہارے صاحب دس درار لیدر بنی کا انتقال ہو چکا ہے
 عمرو: تمہاری ماں مرے، کیا وہ بس ہمارے ہی صاحب تھے؟ ثمرہ: قریش کے لوگو!
 تم اپنے حرمِ دکنہ میں مقیم تھے، دوسروں سے محفوظ اور دوسرے تم سے محفوظ، پھر تمہارے
 قبیلہ سے ایک شخص رحمہ اللہ اٹھا، اُس نے جو دعوت دی اس سے تم واقف ہو، جب اس کی
 دعوت کا میں علم ہوا تو ہم نے اس کو ناپسند نہیں کیا اور کہا خاندانِ مضر کا ایک ممتاز
 فرد عربوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے تو اس کے راستہ میں کیوں روٹے اٹکائیں، لیکن اس کی
 وفات ہو چکی ہے، اب بڑی تیزی سے عرب تمہارے خلاف بغاوت کریں گے، اور زکوٰۃ
 کی مد میں کچھ نہیں دیں گے، لہذا مناسب ہے کہ اپنے حرم کو لوٹ جاؤ اور وہاں امن
 و مہین سے رہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ایک وقت غرر کرو جب میں تم پر حملہ کروں وہاں
 عمرو بن عاصؓ نے قرۃ کو خوب آٹسے ہاتھوں لیا اور کہا میں تمہاری خیر خواہی روکتا ہوں
 وَمَوْعِدُكَ حَفْشُ أُمِّ دُرٍّ: ثمرہ: میرا مطلب یہ نہ تھا، وہ اپنی گفتگو پر مادم ہو۔
 ایک قول یہ ہے کہ قرۃ اپنے قبیلہ کے سرداروں کو عمرو بن عاصؓ کی دبدبہ حملہ آوروں سے
 حفاظت کے لئے لے کر نکلا، عمرو بن عاصؓ چلے تو راستہ میں ان کو بہت سے باغی عرب
 لے اور نواحی مدینہ کے غلستان ذوالقصہ میں ان کی مذبحہ عینیہ بن عیینہ قرۃ کی سے

سے ہوئی جو مدینہ سے واپس آ رہا تھا اور یہ کہنے ابو بکر صدیقؓ کے پاس گیا تھا کہ اگر آپ میرا معاوضہ مقرر کریں تو میں اپنے قبیلہ کو بناوٹ سے روک لوں گا۔ عمرو بن عاصؓ نے اس سے پوچھا کیا خبر ہے، کون خلیفہ ہوا؟ تو اس نے کہا ابو بکر۔ یہ سن کر عمروؓ نے اندر اکبر کا لغزہ مارا۔ عیینہ، عمرو جم اور تم برابر ہیں، عمرو: ”جھوٹا ہے تو مضر کے خبیث زادے!“ عیینہ صل دیا اور جس سے لٹا اس کو زکاة دینے سے روکتا، جب ملنے والا پوچھتا تم کیا کرو گے؟ تو وہ کہتا: میرے قبیلہ کا کوئی آدمی ابو بکر کو ایک بچہ تک نہ دے گا! وہ طیلحہ اسدی سے جا ملا۔

عمرو بن عاص مدینہ آئے اور ابو بکر صدیقؓ کو ان سب باتوں سے آگاہ کیا جو عثمانؓ سے مدینہ تک ہوئی تھیں اور قرۃ بن جہیرہ اور عیینہ کی گفتگو سے بھی اُن کو مطلع کیا، جب ابو بکر صدیقؓ خالدؓ کو اہل ردہ کی گوشمالی کرنے بھیجے لگے تو عمروؓ نے اُن سے کہا: ابو سلیمان، خیال رکھنا قرۃ بن جہیرہ تمہارے ہاتھ سے نہ نکل جائے، جب خدا نے اہل بُرائی کو مقہور کیا اور خالدؓ نے قبائلِ مٹی کے دو پہاڑی قیام کا ہوں سلی اور اُجا کا رخ کیا، تو وہاں بنو عامر اور غطفان دوبارہ اسلام لانے ان کے پاس آئے، اور اس بات کی امان چاہی کہ ہمارے خلیفستان اور دیہاتوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے، انھوں نے اپنے کئے پر خالدؓ کے سامنے توبہ کی، نماز باجماعت ادا کی اور زکاة دی، خالدؓ نے ان کو امان دیدی، اور ان سے وعدہ کیا کہ اپنے بچوں اور عورتوں کو بھی اسلام کا وفادار بنائیں گے۔ جیت بنو عامر اور غطفان آئے تو خالدؓ نے اُن سے پوچھا: قرۃ بن جہیرہ کہاں ہے؟ قرۃ بن جہیرہ آگھڑا ہوا اور بولا یہ ہوں میں: خالدؓ نے اپنے کسی ساتھی سے اس کو آگے بڑھا دیا اور اس کا سر تار لو، تم ہی نے عمرو بن عاصؓ سے وہ بناوٹ بھری باتیں کی تھیں، تم ہی نے مسلمانوں کی بددہی کی اور منتشر کیے کہ وہ باغیوں کے ہاتھوں تباہ ہوں، تم ہی نے کہا تھا کہ اگر اسلام کی بساط الٹی تو میرا مدینہ قبیلہ کا اہل میرے قبضہ میں ہوگا اور اسی

پالیسی کی بنیاد پر تم نے اپنے قید کو اپنے گرد جمع کیا اور انھوں نے تم کو اپنا لیڈر بنایا۔ حالانکہ تم لیڈر بننے کے اہل نہ تھے، قرۃ، ابن المغیرہ، میری وفاداری کے عمرو بن عاص شاہد ہیں، خالد، عمرو، عمرو بنی نے تو خلیفہ کو تمھاری بغاوت و انحراف کی خبریں پہنچائی ہیں، قرۃ، ابوسلمان، امین نے عمرو کو پناہ دی تھی اور ان کی خوب خاطر مدارات کی تھی، میں مسلمان ہوں، میں نے بغاوت نہیں کی، خالد، اگر تم ان باتوں کا ذکر نہ کرتے تو میں تمھاری گردن مار دیتا، اہم میں بیڑیاں ڈال کر ابو بکرؓ کے پاس تو تم کو ضرور بھیجوں گا، ان کو اختیار ہے کہ وہ جیسا چاہیں تمھارے ساتھ سلوک کریں،“

جب خالد بن ولیدؓ بنو عامر سے وفاداری اسلام کا عہد لے چکے تو انھوں نے غنیہ بن حصین اور قرۃ بن بھیسرہ کے بیڑیاں ڈلوایں اور دونوں کو ابو بکرؓ کی خدمت میں بھیجا۔ ابن عباسؓ میں نے دیکھا کہ غنیہ کے دونوں ہاتھ ڈوری سے گردن میں بندھے ہیں اور میرے بچے کبھی کھجور کی ٹہنی اس کے بھوکتے ہیں اور کبھی مارتے ہیں، اور کہتے ہیں :
”تمہیں خدا“ ایمان لا کر بھرتو نے کفر کیا“ اس پر غنیہ کہتا : بخدا میں ایمان لایا ہی نہ تھا“
بعض مورخ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود اس کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور بولے : تم
اپنے منصوبوں میں ناکام ہوئے اور نقصان اٹھاؤ، الگ کفر و باطل سے تمہارا پرانا ناٹھ
ہے“ غنیہ : اے شخص چپ ہو جا۔ اگر میں اس حال میں نہ ہوتا تو تم ایسی باتیں نہ کر سکتے۔
ابن مسعود چلے گئے۔

اسلام کا اقتصادی نظام۔ مولانا آزاد کی نظیریں

رجناب رفیع اللہ صاحب غایتی۔ لکچر شعبہ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

میرے سامنے ہندی مسلمانوں کی پوری تاریخ ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو میری نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔ اس کی ابتدا اسکی ترقی اور اس کا زوال سب ہی میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کو کیا دیا تو بلا تامل کہہ دوں گا کہ شاہ ولی اللہ اور ابوالکلام آزاد۔ یہ دو شخصیتیں ہیں جو ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ مولانا آزاد بیسویں صدی کے ہندوستان کے سب سے بڑے انسان تھے۔ اگر اس صدی میں ان کا کسلی سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے تو وہ چیرمین ماؤ ہے۔ وہ ایک مجدد کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا علم بے پایا تھا۔ ان کی بعیرت اپنے عہد میں سب سے زیادہ تھی۔ وہ عام مسلمانوں کی طرح تعلیم پرست نہیں تھے ان کی نگاہیں تاریخ کے ہر رخ کو دیکھ بھال مکی تھیں۔ وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے بنامش تھے۔ ان کے نتائج، ان کے فیصلے ان کی رائیں اٹل اور قطعی تھیں۔ وہ آنے اور ہونے والی باتوں کو پہلے سے دیکھ لیتے تھے۔ وہ محض معافی نہیں تھے۔ ان کی صحافت بھی زمانہ بھرے نرالی تھی۔ وہ ان کے بے پایاں علم کا مظہر تھی۔ سیاسی مہنگاموں میں مصروف رہنے کے باوجود وہ علمی کام کرتے رہے۔ اور جس پایہ کا کام کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔

میرے سامنے ان کی ساری تحریریں ہیں۔ ان کی اسلامی روح کو مجھے میں بھی ایک قوت مرث کی ہے۔ اس لئے کہ مولانا کو سمجھنا کوئی کھیل نہیں۔ ان کی فکر کا ساتھ دینا آسان نہیں۔ ان کی روش کو اختیار کرنا سہل نہیں۔ لیکن پھر بھی اپنی بے باک بھراں کے افکار کو مجھے کی کشش کی ہے۔ جب مولانا اسلام کے اقتصادی نظام سے شغف اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے تو روس میں اشتراکیت کا پناہ گزین ہو رہا تھا۔ ان کی نگاہیں اس کو دیکھ رہی تھیں۔

جب کہ اقبال جیسی شخصیت ”سرایہ“ کو جھٹلانے میں مصروف تھی۔ مولانا نے روس میں اشتراکیت کے نئے تجربہ کو نظیرِ آسمان سے دیکھا؛ اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اس بات کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے۔“

علماء کا عام حلن ہے کہ وہ ہر نئے تجربہ کو جھٹلاتے ہیں۔ دنیا کی ہر ترقی کو برا سمجھتے ہیں۔ اور قدامت پرستی اور کورانہ تقلید کی ردا اوٹھے رہتے ہیں۔ دوسری طرف روشن خیال مذہب کی ہر بات کو فرسودہ سمجھ کر رد کرتے ہیں۔ دونوں ایک حد تک حقیقت سے دور ہو جاتے ہیں۔ کبھی نظام کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس کے ماننے والے کتنے ہیں۔ اور اس کا کوئی عملی نمونہ بھی ہے یا نہیں۔ بلکہ اس کو ایک نظام کی حیثیت سے پرکھنا چاہیے۔ اس میں کتنی اچھائیاں ہیں۔ کتنی برائیاں ہیں۔ وہ کس حد تک لوگوں کے لئے مفید ہے۔ ان سب باتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے تاریخ کی روشنی میں اس کا جائزہ لینا چاہیے۔ اور دوسرے ہم جنس نظاموں سے مقابلہ کر کے اس کی حیثیت متعین کرنی چاہیے۔ تنگ نظری اور قصصے کام نہیں لینا چاہیے۔ اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ ہے۔ اس میں غفلتے راشدہ کا زریں عہد ہے۔ ان سب باتوں کو نظر میں رکھنا لازمی ہے۔ پھر اپنے زمانہ کی ترقیات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ تب ہی اس کی صحیح حیثیت متعین ہو سکتی ہے۔ اسلام انسانوں کے لئے سماجی، سیاسی، اقتصادی اور فکری نظام اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کا نظام انسانوں کی ساری زندگی پر حاوی ہے۔ ہم کو اس کو ایک سوشلزم کی حیثیت سے جاننا اور پرکھنا ہے۔

آج دنیا میں اشتراکیت کے تجربے ہو رہے ہیں۔ اس کا اقتصادی نظام دنیا کے جمہوری ممالک اپنے مخصوص حالات کے تحت تسلیم کر چکے ہیں۔ ہم نے روس کا پرویتاری نظام انقلاب دیکھا۔ چین کا جمہوری انقلاب بھی دیکھا۔ پھر دوسرے ممالک جنہوں نے قومی جدوجہد کے ذریعہ آزادی حاصل کی وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔ مثلاً ہمارا ہی ویس ہے جس میں اشتراکی طرز کے سلج گئے۔ ایلانے کی کوشش کی ہے۔ اور بلانٹس کا تجربہ بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔ اشتراکیت سماجی مساوات

اور غیر طبقاتی سلج کی علم بردار ہے۔ وہ طبقات کو بالکل ختم کر دینا چاہتی ہے۔ تو ہم کو اشتراکی نظام کو نظر میں رکھتے ہوئے اسلام کے اقتصادی نظام کو جانچنا اور پرکھنا ہے۔ مولانا کا معاملہ دوسروں سے مختلف ہے۔ وہ بڑے روادار ہیں۔ اور بڑی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ بڑے فراخ دل ہیں۔ اس لئے کہ ان کی نگاہیں تاریخ کے ہر رخ کو پڑھ چکی ہیں۔ انہوں نے قرآن کو جیسا سمجھا وہ اس عہد میں انہی کا حق تھا۔

اسلام کے اقتصادی نظام کو مولانا نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے جس میں اسکی پوری روح آگئی ہے۔ "دولت اور وسائل دولت کا احکام رکھ دیا جائے اور ہر کمانے والے کو فرنگہ قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے۔ کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لئے لٹائے نیز ایٹھ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے۔ کیونکہ سب کی جسمانی و مادی استعداد یکساں نہیں۔ اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جدوجہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں۔ یہ الفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جن قدر حاصل کر سکتا ہے وہ اس کا ہے۔"

مولانا قرآن کی روح کو صحیح سمجھے ہیں۔ اسلام "اکنناز" کو روکتا ہے۔ وہ نسلی مادیاتی جنم افنائی اور طبقاتی امتیازات مٹانا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک مساوات ساری مادی زندگی کی اساس ہے۔ وہ دولت کے احتکار و اکنناز کی جگہ اس کی تقسیم پر زور دیتا ہے۔ وہ نیچے اور کمزور طبقات کو خوشحال دیکنا چاہتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں مادی معیشت کا اختلاف قدرتی ہے۔ اس کو باقی رہنا چاہئے۔ انفرادی معیشت کے نظام کے ساتھ ساتھ اجتماعی معیشت کا نظام بھی۔ انسانوں کی ہر حال ہے کہ وہ دولت پیدا کریں۔ ذاتی ملکیت کو ایک معینہ حدود کے اندر رکھتے ہوئے مادی

لیکن وہ لوگوں کو "سراف" "تہذیب" اور "تعلیم" سے باز رکھتا ہے۔ وہ ان کو "مطلال" اور "طیلب" روزی پیدا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ تو اسلام میں ذاتی ملکیت کی گنجائش ہے۔ اس کو وہ قدرتی تصور کرتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دولت کی تقسیم نظام وراثت کے تحت عمل میں آتی ہے۔ ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کی دولت اس کے وارثوں اور وارثوں کے وارثوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ پھر دوسری طرف بیت المال کا نظام ہے جس میں زکوٰۃ جو ایک قسم کا ٹیکس ہے ہر شخص پر فرض ہو جاتا ہے۔ ریاست کو سارے وسائل پر قابض ہونا چاہیے۔ اور انفرادی معیشت کا نظام اجتماعی نظام کے تابع ہونا چاہیے۔ تو اس طرح اسلام عاریت معیشت کے اختلاف کو تسلیم کرتا ہے۔ لکھتے ہیں :- اس پر اس کے نفیس کا حق ہے ماس کے والدین کا حق ہے۔ رشتہ داروں حق ہی ہویں کحق ہی ہوسایہ کحق ہوا ہر عام الحق مننی کحق ہو۔ اس کا فرض ہو کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے اور انھیں فرائض کی ادائیگی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر اسلام کے اقتصادی نظام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- "اس نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے۔ اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے، نہ مجلس و محتاج طبقے۔ ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی۔ بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمائے والے افراد موجود ہوں گے کیونکہ کسی وکسب کے بغیر کوئی مومن زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور ہو گا اور اس کو افراد کی کمائی میں کسی کی کمائی اتنی زیادہ جماعت و حیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائیگی قابل اور مستعد افراد زیادہ ہوں گے۔ کمائی ایک طرف اپنے لئے نہیں کرائیں گے مگر افراد کو قوم کیلئے کرائیں گے۔ یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لئے محتاجی و مفلسی کا پیام ہو جائے جیسا کہ اب عام طور پر ہوتا ہے۔"

دوسری طرف اشتراکیت کا نظام ہے۔ مولانا ایک مقام پر اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”صرف دولت کا احکا رہی نہ روکا جائے بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں لوہاری تو انہیں کے ذریعہ اقتصادی اور معیشی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے۔ مثلاً سائل دولت تمام ترقوی ملکیت ہو جائے انفرادی قبضہ باقی نہ رہے۔ اور جسمانی و دماغی اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا جائے حتیٰ تسلیم نہ کیا جائے“

اشتراکیت کا بھی مقصد یہ ہے کہ اکثریت کی شقاوت دور کی جائے۔ اور دولت کا امتیاز روکا جائے۔ اختلافِ معیشت کا خاتمہ کیا جائے۔ طبقاتی امتیازات مٹا دیے جائیں۔ وہ چاہتا ہے کہ انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کرے اور مدارِ معیشت کا اونچ نیچ معدوم ہو جائے۔

ہمارے سامنے روس اور چین کی مثال ہے جسے پہلے اشتراکی نظام کو روس میں علی جامہ پہنایا گیا۔ اور طبقاتی امتیازات کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ دوسرا تجربہ چین میں ہوا۔ وہاں تہیٰ جمہوریت قائم ہوئی۔ ان ساری انقلابی طاقتوں کے اشتراک سے سرمایہ داروں اور زمینداری کا خاتمہ کیا گیا۔ لیکن قومی بورژوازی جس نے انقلاب میں حصہ لیا تھا حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ دوسری طرف ہم چین کے اقتصادی نظام کو دیکھتے ہیں۔ ملکی مالیات چار حصوں میں منقسم ہوئی۔ قومی، تعاونی، انفرادی اور سرمایہ دارانہ۔ اور کوششیں اس امر میں صرف ہوئی کہ عوامی یا قومی ملکیت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا جائے۔ لیکن انفرادی ملکیت کو بھی پنپنے کا موقع دیا جائے۔ پھر سرمایہ داری کے ایک حصہ کو بھی باقی رکھا گیا اس سے معلوم ہوا کہ چین کے نئے تجربے بھی اس بات کی تصدیق دیتی ہیں کہ ”راجِ معیشت“ ایک مد تک فطری ہیں مگر یہ کوشش یہ ہے کہ غیر طبقاتی سلج ہو اور کل طور پر مساوات قائم ہو جائے لیکن جیسا کہ او کی گیارہویں کمیونسٹ پارٹی کی پورٹل کے چوتھے سہ ماہی

چلتا ہے کہ تضادات کا باقی رہنا ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر سماج ترقی نہیں کر سکتا۔ یہی اس رپورٹ کی روح بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ جذبہ نفرت کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ غیر فطری ہے۔ تضادات غیر فطری نہیں ہیں بلکہ قدرتی ہیں۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام جہاں مدایج مختلف کے اختلاف کو باقی رکھنا ضروری تصور کرتا ہے اشتراکیت بھی اس کو ایک حد تک اور عبوری دور میں باقی رکھنا چاہتی ہے۔ اور "مطلق مساوات" اس کے نزدیک بھی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ لیکن صرف یہ سمجھنا کہ اشتراک کی نظام کی اساس دہریت اور لادینی تصوریت ہے اس لئے اس تجربہ کی طرف سے نگاہیں بند کر لینی چاہئیں۔ غلط ہے۔ اگر زندگی کے کسی بھی حصہ میں انسانی کوئی کام کر رہے ہوں تو ہم کو اس کو دیکھنا چاہیے۔ مولانا کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ اچھی بات کو سراہتے ہیں۔ اور انسانوں کی کوشش اور ان کی نئی نئی دریافتوں کو نگاہِ استحسان سے دیکھتے ہیں۔ اور ایک علی انسان کی طرح اور اس "دنیا" کے انسان کی طرح چیزوں کو دیکھتے اور بھلتے ہیں

اسلامی نظام کا کوئی نمونہ ہمارے سامنے موجود نہیں لیکن مولانا نے اس مسئلہ کو بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے اگر اسلامی ریاست نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان اس کے نظام کو ترک کر دیں، ان کو چاہئے کہ وہ انجمن بنائیں، جماعتوں کی تنظیم کریں بہت ناظم کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ ماکربت المال میں رجوع ہو سکے۔ دفع کا نظام قائم کریں۔ اسلام ایک ایسے معاشرے کی بنیاد چاہتا ہے کہ ایسے سماج کو قائم کرنا چاہتا ہے کہ جس میں لوگ دنیاوی اور آخری فلاح و مساوات حاصل کر سکیں۔ لیکن مسلمانوں نے اسلام کی تعلیمات کو کسر بھلا دیا ہے، ان کو ترک کر دیا ہے تب ہی گمراہ ہیں۔ تب ہی وہ دوسرے نظاموں کی چمک دمک سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس قرآن میں ہے۔ "ایک ایسا دستور اعمل ہے جس میں انسانی فلاح و بہبود کا سارا سامان مہیا ہے۔ ان کو اس کے تحت ایک معاشرہ کی تشکیل دینی چاہئے تاکہ دنیا اس کے تجربہ پر آمادہ ہو سار کس کا خیال تھا کہ اشتراک کی انقلاب چلے ہیں اور انگلستان

س آئے گا۔ لیکن اس کی پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی۔ اور روس میں انقلاب آیا اور پہلا تجربہ بھی وہیں ہوا۔

قرآن مادی ترقی اور خوشحالی کے ساتھ ایک روحانی نظام بھی رکھتا ہے۔ مادہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔ مادہ میں انہی ہے۔ اس میں متحرک روح ہے۔ خدا ساری کائنات کا خالق اور اس کا رب ہے۔ وہ ساری چیزوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ ان کی پرورش کا سامان مہیا کرتا ہے۔ وہ ایک حقیر سے جادو کر کبھی اسی طرح پاتا ہے جیسے کہ ایک بڑی مخلوق کو۔ وہ رحیم مطلق ہے۔ وہ اللہ ہے۔ ساری مادی ترقیات روحانی نظام کے تابع ہیں۔ اس کے بغیر ساری ترقی مفرت رساں ہے۔ تباہ کاری کا پیش خیمہ ہے۔ انسانی گمراہی کا سبب ہے۔ تو اسلام ایک مکمل روحانی نظام رکھتا ہے۔ انسان دنیا میں چاہے کتنی ہی ترقی کر جائے۔ وہ آسمان کے تارے توڑ لائے۔ وہ ہواؤں، سمندروں اور پہاڑوں کا حکمران ہو جائے۔ وہ کائنات کے سارے چھپے ڈھکے خزانوں کو دریافت کر لے لیکن اگر روحانیت سے بے بہرہ ہے۔ خدا کا منکر ہے۔ تو وہ انسانی ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔ جیسا کہ تجربہ نے ہم کو بتایا ہے۔ سانس کے ذریعہ انسان چاہے کتنی ہی ترقی کر جائے لیکن اس کی ترقی بے سود ثابت ہوگی۔ تو اقصیٰ نظام روحانی نظام ہی کا ایک حصہ ہے۔ وہ اس سے علاحدہ کوئی چیز نہیں۔ اگر انسانوں کو خدا کا خوف، آخرت کا ڈر اور روحانی دنیا کے سمجھے کا شعور نہیں ہوگا تو وہ باہم جنگ و جدل کریں گے۔ تباہ کاریاں کریں گے۔ اور خدا کی سرزمین کو اپنی گمراہیوں اور تباہ کاریوں سے بھریں گے۔ ایک دوسرے کو قتل و غارت کریں گے۔ مادہ تو اسلام جو سارے روحانی نظاموں کا خلاصہ ہے۔ ساری سچائیوں کی آخری صورت ہے جو روزِ ازل سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک خدا نے انسانوں پر نازل کیں۔ پس ضرور ہے کہ اس کے روحانی نظام کو تسلیم کیا جائے۔ اور دنیا کی موجودہ ترقیات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو علیٰ جامعہ پہنا دیا جائے۔ موجودہ جہودی اور اشتراکی تحریکیں نتیجہ ہیں صدیوں کی انسانی کاوشوں کا۔

اسلامی نظام کا کوئی عملی نمونہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ لیکن مولانا نے اس مسئلہ کو بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔ اگر اسلامی ریاست نہیں تو اس کے پر مبنی نہیں ہیں کہ مسلمان اس کے نظام کو ترک کر دیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ انجمن بنائیں، جماعتوں کو تنظیم دیں۔ بہت المال قائم کریں۔ اور زکوٰۃ دیں۔ تاکہ بہت المال میں روپیہ جمع ہو سکے۔ وقف کا نظام قائم کریں۔ اور مرکزی حیثیت سے بہت المال کا نظام قائم کریں۔ اسلام ایک معاشرہ کی تنظیم چاہتا ہے۔ ایک ایسی سوسائٹی کے قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ اس میں رہ کر لوگ دنیاوی اور اخروی فلاح و سعادت حاصل کریں۔ لیکن مسلمانوں نے اسلام کی تعلیمات کو یکسر بھلا دیا ہے۔ اس کو ترک کر دیا تب ہی گمراہ ہیں۔ تب ہی وہ دوسرے نظاموں کی چمک دمک سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس قرآن مبین ہے۔ ایک ایسا دستور اعلیٰ ہے جس میں انسانی فلاح و بہبود کے سارے سامان ہیں۔ ان کو اس کے تحت ایک معاشرہ کی تشکیل کرنی چاہیے۔ تاکہ دنیا اس کا تجربہ بھی کرے۔ کیونکہ ہم کا تجربہ روس میں ہوا۔ پھر چین میں ہوا۔ حالانکہ مارکس کا یقین تھا کہ اس کا تجربہ جرمنی یا انگلستان وغیرہ میں ہونا چاہیے۔ تو اس نظام کو عملی جامہ پہنلانے کی بھی ضرورت ہے۔

قرآن مادی خوشحالی اور ترقی کے ساتھ ہی ساتھ ایک روحانی نظام بھی رکھتا ہے۔ مادہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔ مادہ میں انہی ہے۔ اس میں متحرک روح ہے۔ اس کائنات کے ساتھ ہی ساتھ روحانی نظام بھی۔ خدا اس ساری کائنات کا رب ہے۔ وہ ایک ادنیٰ اور حقیر باندہ سے لے کر کائنات کی بڑی سی بڑی چیز کو پالتا اور پروان چڑھاتا ہے، وہ رحیم و عاقل ہے۔ وہ ساری کائنات کا الہ ہے۔ ساری مادی ترقیات روحانی نظام کے بغیر بے فائدہ اور مضرت و مصلیٰ ہے۔ تباہ کاری کا پیش خیمہ ہیں۔ انسانی گمراہی کا سبب ہیں۔ تو اسلام ایک مکمل روحانی نظام رکھتا ہے۔ یہی سارے نظاموں کی روح رواں ہے۔ انسان دنیا میں چلے کتنی ہی ترقی کر جائے۔ وہ آسمان کے مارے توڑ لے۔ وہ ہواؤں، سمندروں، مادوں

پہاڑوں کا حکمراں ہو جائے۔ وہ کائنات کے چھپے و کھلے خزانوں کو دریافت کر لے لیکن اگر روحانیت سے پیسہ بہرہ ہے۔ خدا کا منکر ہے۔ تو وہ انسانی ہلاکت کا پیش خیمہ ہی ثابت ہوں گی۔ جیسا کہ تجربہ ہے۔ سائنس کے ذریعہ چاہے انسان کتنا ہی ترقی کر جائے لیکن اس کی یہ ترقی بے سود ہوگی۔ تو روحانی نظام کو بہر حال تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ اقتصادی نظام روحانی نظام ہی کا ایک حصہ ہے۔ وہ اس سے کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ وہ اسی کا تابع ہے۔ اگر انسانوں کو خدا کا خوف، آخرت کا ڈر اور روحانی دنیا کے سمجھنے کا شعور نہ ہوگا تو وہ باہم جنگ و جدل کریں گے۔ دزدوں کی مانند ایک دوسرے سے جنگ و پیکار کریں گے۔ تباہ کاریاں کریں گے۔ اور خدا کی سرزمین کو اپنی گمراہیوں، تباہ کاریوں، ظلم و تعدی سے بھر دیں گے۔ ایک دوسرے کو قتل و غارت کریں گے۔ تو اسلامی نظام جو سارے روحانی نظاموں کا خلاصہ ہے عساری سچائیوں کی آخری صورت ہے جو روزِ ازل سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا میں انسانوں کی ہر ایک کھلیے خدا نے بھیجی ہیں پس ضرور ہے کہ اس کے روحانی نظام کو بھی تسلیم کیا جائے۔ اور دنیا کی موجودہ ترقیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو عملی جامہ پہنانا چاہیے۔ موجودہ جمہوری اور اشتراکی تحریکیں نتیجہ ہیں صدیوں کی انسانی کوششوں کا۔ یہ تاریخ کا ایک تہذیبی نتیجہ ہے، اس کو کسی صورت میں بھی جھٹلانا نہیں چاہیے۔ مساوات کی روشنی انسانی حقوق کی ترقی، اور انسانی خوشحالی کی رو صدیوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک سچائی ہے۔ اسلام بھی ایک سچائی ہے۔ اور ایک دستور العمل کی صورت میں سچائی ہے۔ قرآن خود اس بات کو بیان کرتا ہے کہ ہم نے ہر جگہ اور ہر زمانے میں سچائی کو بھیجا ہے۔ تو یہ انہیں سچائیوں کی ایک لہر ہے۔ پس مذہب کو بھی اسی روشنی میں پرکھنا چاہیے۔ تاریخ کی روشنی میں نہیں دیکھنا چاہیے۔ ورنہ ہم گمراہ ہو جائیں۔ آج سانپ اور کچھو ایک ساتھ ایک بل میں رہ سکتے ہیں لیکن مسلمان و دنیا پرست ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کی روح کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ اپنے زمانہ کو

ٹھیک طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ وہ بے معرہ ہیں۔ وہ حالات کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔
 یہ تاریخ کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔ اس کو کسی صورت میں بھی جھٹلانا نہیں چاہیے۔ مساوات
 کی خواہش، انسانی حقوق کی آرزو نتیجہ ہے صدیوں کی جدوجہد کا۔ یہ ایک سچائی ہے۔ اسلام بھی
 ایک سچائی ہے۔ اور ایک دستورِ اہل کی صورت میں سچائی ہے۔ قرآن خود اس کا اقرار کرتا ہے کہ
 ہم نے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں انسانوں کی سچائیاں اپنے مخصوص افراد کے ہاتھوں دنیا میں بھیجی
 ہیں۔ تو یہ انھیں سچائیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ پس مذہب کو اسی روشنی میں پرکھنا چاہیے۔ تاریخ
 کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ ورنہ ہم گمراہ ہو جائیں گے۔ آج سانپ اور بچھو ایک ساتھ ایک بل
 میں رہ سکتے ہیں لیکن علماءِ دین با پرست ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی
 ہے اور وہ یہ کہ وہ عہد کی روح کو سمجھنے کی بصیرت نہیں رکھتے۔ وہ کوتاہ ہیں میں۔ مولانا نے بھی
 ان ساری باتوں کو جا بجا تسلیم کیا ہے۔ لیکن وہ روشن دماغ تھے۔ اور بقول پنڈت جواہر لال
 نہرو: ”ہم ان کی دماغ کی روشنی کے عادی ہو گئے تھے“۔ تو وہ ایک ابا د مانع تھے جس کو قومیں
 صدیوں میں پیدا کرتی ہیں۔ اور ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کو جیسا انھوں نے سمجھا اور اس کی
 ترویج کی وہ انہی کا حصہ تھا۔ وہ اپنے اس قول میں صادق تھے: ”میں مسلمان ہوں اور فرقے کے ساتھ
 محسوس کرتا ہوں کہ اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں۔ میں تیار نہیں
 کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں۔ اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے۔
 اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کچھ ل وائرہ میں اپنی
 ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے لیکن ان
 تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے
 پیدا کیا ہے۔ اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ تو مولانا نے
 اس طرح قرآنی تعلیمات کو سمجھا۔ اور زمانہ کے سلسلے اس کو پیش کیا جیسا کہ اس صدی میں پیش
 کیا جاسکتا تھا“

ربلم گڑھ | اب یہاں ایک دوسری روایت ہمارے سامنے آتی ہے یہ ایک شاہجہانی کا بیان ہے جس نے لکھنؤ جا کر مصحفی سے ملاقات کی اور ان سے سوال کیا کہ آپ کا مولد کون سلب ہے۔ یہ مولوی عبدالقادر عظیم راہپوری (۱۸۴۹-۱۹۰۱) تھے جو عام طور سے "مولوی عبدالقادر چیف راہپوری" کہے جاتے ہیں۔ اپنی زندگی میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے بھی اور ریاست راہپور کے ملازم کی حیثیت میں بھی۔ انھیں سیروسیاحت کا شوق بھی تھا چنانچہ اصف اللہ کے زمانے میں لکھنؤ پہنچے۔ وہاں انھوں نے قلند بخش جرات، میر انشا، انشا، محمد حسن قسبل، غلام ہدانی مصحفی اور شاہ نصیر دہلوی وغیرہ سے ملاقاتیں کیں جلسوں اور مشاعروں میں شریک ہوئے اور ان سب کی کیفیت اپنے روزنامے میں قلم بند کی ہے۔ یہ روزنامہ فارسی زبان میں لکھا گیا ہے اس کا اصل مضمون نسخہ نواب صدیار جنگ مرحوم کے کتب خانہ عجیب گنج میں محفوظ ہے اور اسی کی ایک نقل رضا لائبریری راہپور میں بھی موجود ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

"ایک روز ملاقات تفصیلی بہ بیان مصحفی شد۔ کہ نماز آں بزرگوار رقم بہ بیشتر مردم درس "مگل کشتی"

میرنجات دادے و اصلاح اشعار اکثر سے ہم کی کرد۔ بایں ہمہ نیاز مند بہ زبان شبینہ بودی گفت کہ مولدش قلم گڑھ است کہ متصل شاہ جاں آباد است"

اس بیان سے مشہور عالم اور محقق جناب قاضی عبدالودود نے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے کہ مصحفی، قلم گڑھ میں پیدا ہوئے اور متعدد جگہ اس عبارت سے استدلال بھی کیا ہے۔ لیکن یہیں اس کے قبول کرنے میں تاثر ہے کیونکہ چند بہت قوی شبہات اس پر وار دہوتے ہیں۔

(الف) مجمع الفوائد کی عبارت کے بعد اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ مصحفی کا اکبر پور سے تعلق تھا۔ وہی ان کے آباء و اجداد کا مسکن تھا۔ اور ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اکبر پور سے لے ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہوں: انتخاب یادگار امیر ضیائی تذکرہ کا ملان راہپور احمد علی تنوکی حیدر آباد

سہاسی اردو ادب جلد ہم شمارہ انفعون محمد علی خاں اثر راہپوری۔ شہ عبدالقادر راہپوری: روزنامہ جہانگیری

ورق ۴۰۰۔ الف بحوالہ دستور الفصاحت ۳/۹۷ (ماشیہ) ۳۷ مثلاً ماہر حصہ ۱/۸۲ وغیرہ۔

مراد وہی مختصر سا گاؤں ہے جو امروہہ کے پاس واقع ہے۔

(ب) خود مصحفی نے مجمع الفوائد میں بیان کیا ہے کہ ان کے دادا درویش محمد (اور ایک بڑے بھائی غلام جیلانی) امروہہ میں مدفون ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مصحفی کے دادا بھی امروہہ میں رہتے تھے اور ان کے والد بھی۔

راجہ سید اصغر حسین ٹولف یا ریخ اصغری کا قول بھی ہم نے پہلے نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مصحفی کے والد ولی محمد، امروہہ کے محلہ کالی پکڑی میں سکونت رکھتے تھے۔ لیکن انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مصحفی کے اعمام میں اب کوئی یہاں باقی نہیں جس سے حسب نسب کا حال معلوم ہو۔ مصحفی نے آصف الدولہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے جو خمس ”معرکہ انشاء“ کے زمانے میں (۱۲۱۱ء کے لگ بھگ) لکھا تھا اور ان کے دیوان چارٹم میں شامل ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ لکھنؤ میں کوئی عزیز یا رشتہ دار نہیں تھا۔

لیکن مجمع الفوائد جو تقریباً ۱۲۸۸ھ میں تصنیف ہوئی اس پر شہادت دے رہی ہے کہ مصحفی کے ایک بھائی غلام صمدانی نے دولٹ کے چھوڑے تھے ایک تویس سال کی عمر میں ناکتدا ہی فوت ہوا، دوسرے کی شادی ہو گئی تھی لیکن مجمع الفوائد کی تصنیف کے وقت تک اس سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ غالب قیاس یہ ہے کہ مصحفی کا یہ بھتیجا امروہہ میں رہتا ہوگا اور دوسرے بھائی جنھوں نے لباس فقیری پہن لیا تھا وہ بھی ممکن ہے کہ امروہہ میں سکونت رکھتے ہوں۔ مگر ظلم گوئوں سے بہر حال کسی کا کوئی تعلق ثابت نہیں۔

(د) مصحفی کے اجداد نوکری خانہ بادشاہ کرتے تھے۔ اور خانہ بادشاہ کا ظلم گوئوں سے کچھ علاوہ نہیں۔ نہ وہاں ان کے کسی تقریب سے جانے کی تاویل کی جاسکتی ہے۔ خود مصحفی نے کہیں یہ نام نہ لکھا کہ نام تک نہیں لیا۔ اگرچہ اور امروہہ میں تو قرآن کی ایک مناسبت بھی ہے لیکن ظلم گوئوں سے

۱۔ اصغر حسین، تاریخ اصغری، ۱۸۵۸ء/۱۳۰۹ھ، ص ۱۷۱، مصحفی، دیوان چارٹم، ص ۱۷۱، خزائن مکتب خانہ آئینہ تہذیب

آبادہ کن، یہ جس ممبر کے مصحفی دکن کے باب میں بنے محل پر مبنی کیا جائے گا۔

کوئی رشتہ شخص بعد ازاں دراپوری کے بیان کو بنیاد بنا کر قائم نہیں کیا جاسکتا۔
 (رج) امیر احمد علی مرحوم نے اپنے قیاس کے لحاظ سے بتایا کہ اڑائے میں کہ
 وہ قیام بخیر دہلی میں رہتا تھا لیکن نصبات کو شرافت کا لہجہ سمجھ کر اکبر پور کے تو قن کو دہلی کی
 بود و باش پر ترجیح دیتے تھے مستورات کا مسکن وہیں تھا۔ اور اسی مبارک زمین پر اس بلند
 اقبال صاحب زادے کی ولادت ہوئی جو مصطفیٰ کے تخلص سے دنیائے ادب میں مشہور و معروف ہے۔
 یہ بالکل بے بنیاد باتیں ہیں جنہیں محمد حسین آزاد کی سنت پر عمل کرتے ہوئے لکھ دیا گیا ہے۔
 ایسی خیال آرائیوں کو اسناد کی کسوٹی پر جب بھی پرکھا جائے گا "بیتِ عنکبوت" سے بھی زیادہ کمزور
 ثابت ہوں گی۔ اِنَّ اَوْھَنَ البیوتِ لبیتِ العنکبوت۔

(باقی)

لے نگار لکھنؤ، مصطفیٰ نہر، جلد ۳۵، شمارہ ۱ (جنوری ۱۹۳۹ء)

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ

۱۸۵۷ء کے واقعات پر ہندوستان و پاکستان میں متعدد کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ لیکن یہ روزنامہ
 اپنی مختلف خصوصیات کے لحاظ سے ایک عجیب تاریخی و سادہ روزنامہ کہنے والے عبداللطیف ہیں جنہوں نے قلعہ ملی کا
 آنکھوں دکھا حال صاف سُتے اور موثر انداز میں سُجودِ قلم کیا ہے۔ اس روزنامے میں بعض ایسی معلومات بھی تھیں جو پہلے
 اسکا روزنامہ کے ذریعہ سامنے آئی ہیں۔ اس کو پڑھ کر ۱۸۵۷ء کے سبب آموز اور عبرتناک تاریخی ہنگامہ کے چشم دید حالات
 و واقعات کا نقشہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ سامنے آجائے۔

کتاب کے مرتب مشہور فاضل اور مورخ خلیق احمد صاحب تھائی ہیں جن کی تاریخی بصیرت و معلومات کا دور
 رکھتے ہیں۔ شریعہ میں ڈاکٹر یوسف حسین صاحب پرودا اس چانسلسر سلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پیش نقطہ کے
 فینل احمد صاحب کا نہایت جامع اور بصیرت افزا مقدمہ بھی ہے اس کے بعد اصل روزنامہ کا فارسی متن اصل میں
 ونگٹھ مقرر صفحات ۷۷۷ قلمی قیت غیر مجلد متن روپے پچاس نئے پیسے۔ جلد چار روپے پچاس نئے پیسے۔

مکتبہ برہان، اردو بازار جامع مسجد، دہلی

لہجہ عزل

(جناب الم منظر نگری)

قیدی زنداں کو وقف گلستاں رہنے دیا
ہر نفس تھا زندگی میں اک پیام اضطراب
تھا وہ اک اعجاز تبلیغ وفا جس نے مجھے
صرف پروا نہی ہی کو پہونکا نہ سوز عشق نے
ساغر گل میں یکس نے بادہ خواروں کے لئے
زینت محض ہے اب بھی شمع و پروانہ کی خاک
خضر منزل تھا کہ میں جس نے پہنگام رحیل
دل کی بربادی کا اب کیا غم و فغاے عشق نے
بھل گئی تھی عشق کی فطرت میں گرمی فغاں
تا حرم والے ہوں واقف مجدد گاہ عشق سے
دونوں عالم سے نہ جب دھڑی امانت عشق کی
تھا ہر خلوت حریم پر وہ حسن خود نما
برق کے شعلوں سے غفلت میں جن کا ساز تھا

میں وہیں خوش تھا مجھے تم نے جہاں رہنے دیا
دل نے تسکین آشا مجھ کو کہاں رہنے دیا
بخود ہی غم میں بھی گریم فغاں رہنے دیا
شمع کو بھی رات بھر آتش بجاں رہنے دیا
جلوہ موج شراب ارغوان رہنے دیا
وہ بھی خاکِ دل کہ جس کو رانگاں رہنے دیا
ناکمل انتظام کارواں رہنے دیا
اس کے ہر ذرے پہ نقش جاوداں رہنے دیا
شعلہ آتش میں تھوڑا سا دھواں رہنے دیا
میں نے ان کے وہ سج گانٹاں رہنے دیا
میری خاطر تم نے یہ بارگراں رہنے دیا
پھر بھی آگ اپنے جلوؤں کو نہاں رہنے دیا
پھر انھیں شاخوں پر ہم نے آٹیاں رہنے دیا

کیوں نہ کھا ذکرِ دل و ذکرِ وفا کے ساتھ الم

یہ فضا کیوں نہ زیب داستاں رہنے دیا

”مُعراجِ بیخودی“

(جنابِ فضال بن فیضی)

نشاۃِ حوصلہ زندگی سے دور ہے
ہنس اک تبسمِ غمِ آفریں کی بات نہ پوچھو
یسی کو کہتے ہیں میسراجِ بے خودی شاید
بنامِ عشوہ و ناز و ادائے ہیں تجھے
شورِ غم سے ہے عرفانِ زندگی کو فروغ
مرے جنوں کی طرح صاحبِ نظر ٹھہرے
خود اپنے آپ سے بھی دور رکھ دیکھ لیا
مجھے ستم پہ بھی ہے اعتبارِ حسنِ کرم
زہے کرم مرے ایامِ غم کو دی تو نے
پہ اپنا اپنا مقدم ہے اپنا اپنا فیض

جنہیں ملانے ترانم، خوشی سے دور ہے
جو گریہ بن نہ سکے اور تنہی سے دور ہے
تسے قریب ہے اور تجھی سے دور ہے
وہ حادثے جو مری زندگی سے دور ہے
خدا کرے تری دنیا خوشی سے دور ہے
خرد اگر ہو پس آگہی سے دور ہے
کہیں بھی ہم نہ غمِ زندگی سے دور ہے
یہ دلہی کی ادائے رنجی سے دور ہے
اک ایسی رات کہ چاندنی سے دور ہے
کہ غم کسی سے سترت کسی سے دور ہے

خمارِ تیرے نصیبی اتر سکا نہ فضا!

سحر ہوئی بھی تو ہم روشنی سے دور ہے

تبصرے

سحر حلال :- تعلیق کلاں، ضخامت، اصغرات، کتابت و طباعت بہتر قیمت پانچ روپے پچاس نئے

پیسے تہ :- ۵۵۶ ڈولائل روڈ۔ ہائیکل۔ بمبئی ۱۱۔

جناب سائر محبوبا لی اردو کے روشناس شاعر ہیں۔ یہ کتاب انہیں کے کلام کا مجموعہ ہے۔ اس میں نظمیں اور قطعات تو برائے بیت ہی ہیں۔ سائر صاحب اصل میں غزل کے شاعر ہیں۔ غزل میں بھی اگرچہ ان کا رنگ پُرانہ ہے لیکن کلام میں معنائی اور ستھرا پن ہے۔ غزل میں رہتا اور تسلسل اس کے علاوہ سوز و گداز جو تغزل کی جان ہے اس کی بھی کمی نہیں ہے مثلاً :-

کچھ خبر بھی ہے دل نے کتنی بار شبِ غم میں تجھے پکارا ہے

جس کی تبیر بھی مضمر مرمری بربادی میں
مگر بعض اشعار پچھلے اور بے کیف ہیں مثلاً

جوانی کی تمھاری نغمہ سوز
جیا کو بھی پسینہ آ رہا ہے
بچاؤ اپنے دامانِ جیا کو
کہ دستِ شوق بڑھتا جا رہا ہے

علاوہ انہیں زبان کی غلیظاں بھی ہیں :-

جدائی انجی نامراد ہی سب کچھ
مگر کچھ محبت میں کم دیکھتا ہوں

کیسی بے رنگ ہے ہر صبح تیری زرت میں
کتنی عناک ہے ہر شام سہانی مست ہوجے

یہ وہاں غزل کی حیثیت سے کلام لائق مطالعہ ہے۔

قرآن کے بنیادی تصورات (انگریزی) :- از: ڈاکٹر سید عبداللطیف تقی علی، مؤسسہ صفات

صفیات، ٹائپ ملی اور روشنی - قیمت :- چھ روپیہ پچاس نئے پیسے - پتہ :- اکاڈمی آف اسلام

اسٹڈیز نمبر ۴۰، گالبرہ، حیدرآباد دکن (انڈیا)

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ترجمان القرآن کی جلد اول میں سورہ فاتحہ کی تفسیر جس خاص انداز میں لکھی ہے اور اس میں فلسفہ اور مذہب کے پیوند سے جو بصیرت افروز حقائق بیان کئے ہیں ان کے عام افادہ کی غرض سے ضرورت تھی کہ ان کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جاتا۔ اس کام کے لئے ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب جو انگریزی زبان کے نامور ادیب اور انشا و پرہیزگار ہیں ان کے سوا اور کون زیادہ موزوں ہو سکتا تھا چنانچہ جیسا کہ موصوف نے اس کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے انھوں نے پوری سورہ فاتحہ ہی کی تفسیر کا ترجمہ انگریزی میں کر ڈالا ہے جو عنقریب شائع ہوگا۔ اس کتاب میں انھوں نے اس تفسیر کے جدید و جدید مضامین کو اپنی زبان میں بیان کیا ہے۔ یہ مضامین یہ ہیں :- خدا کا قرآنی تصور، خدا کی صفات، الوہیت، صفت رحم و ربوبیت، صفت عدل، وحدت وحی الہی، وحدت انسانی، ان مضامین کی بنیاد اور ان کا منظر مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تحریر ہے لیکن الفاظ اور پرزائیہ بیان ڈاکٹر صاحب کے ہیں اور حق یہ ہے کہ انھوں نے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے جس سے مسلم اور غیر مسلم انگریزی تعلیم یافتہ انسان کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تاہم یہ غرض کر دینا ضروری ہے کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں وحدت ادیان کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ بڑی حد تک درست ہے۔ لیکن مولانا نے اس بحث کے بعض گوشوں کو نامہام چھوڑ دیا ہے اور اس بنا پر اس سے بعض منسلطے پیدا ہوتے ہیں یہاں تفصیل کا موقع نہیں لیکن اس قدر کہ دنیا بہر حال ضروری ہے کہ بلاشبہ تمام ادیان کی اصل ایک ہی ہے اور فرق جو کچھ ہے وہ شریعت اور نہاج کا ہے۔ لیکن دین ایک کلی طبعی ہے جس کا وجود بجائے خود کچھ نہیں۔ اس کا تحقق ہمیشہ افراد کے ضمن میں ہوتا ہے اس بنا پر ایک شریعت کے بعد جب دوسری شریعت آتی ہے تو اب دین اسی شریعت کے اتباع اور پیروی میں منحصر اور محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ ورنہ اگر یہ بات نہ ہو تو لوگوں میں افتراق اور پراگندگی پیدا ہو جائے۔ حالانکہ دین کا مقصد وحدت اور یکجہتی

پیدا کر لے۔ قرآن جو وحدتِ ادیان کا اعلان کرتا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ دین کا ظہور مختلف شریعتوں کی صورت میں ہوتا رہا اور چونکہ دین کی اصل ایک ہے اس لئے اس کا تحقق جن جن مختلف شریعتوں کی شکل میں ہوا وہ سب شریعتیں اپنے اپنے عہد میں واجب الاتباع تھیں۔ لیکن اب جبکہ شریعتِ محمدیؐ کا ظہور ہو گیا ہے دین کا انحصار اسی میں ہو گیا ہے یعنی ایمان باللہ اور عمل صالح جو اصل دین ہے اب وہی مقبرہ ہو گا جو تعلیماتِ محمدیؐ کے مطابق ہو گا۔ یہ ایک واضح بات ہے جو قرآن سے صاف ظاہر ہوتی ہے لیکن مولانا ابوالکلام آزادؒ نے وحدتِ ادیان کے مسئلہ پر اس انداز سے گفتگو کی ہے کہ یہ حقیقت مشتبہ ہو گئی ہے اور ان فوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی اس اشتباہ کا شکار ہو گئے ہیں جیسا کہ کتاب کے خاتمہ پر بعض عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

تفسیر سورہٴ لب	صفحات ۶،	قیت ۶۲	تفسیر سورہٴ کافرون	صفحات ۴۸	قیت ۳۸
تفسیر سورہٴ تحریم	۶۲	۶۲	تفسیر سورہٴ قیامہ	۶۶	۵۰
تفسیر سورہٴ فیل	۱۰۰	۸۱	تفسیر سورہٴ العصر	۶۴	۵۰
تفسیر سورہٴ دھن	۴۱	۶۲	تفسیر سورہٴ الشمس	۵۲	۴۴
تفسیر سورہٴ عبس	۶۰	۶۲	تفسیر سورہٴ مرسلات	۵۶	۵۰

تقیل خرم کا غذا اور کتابت و طباعت بہترین اور عمدہ۔ پتہ :- دائرۃ حمیدہ۔ مدرستہ الاصلاح۔

سر ائیر۔ ضلع اعظم گڑھ۔

مولانا حمید الدین فراہیؒ کو اس دور میں قرآن مجید کے فہم اور اس میں غور و تنقی کا خاص ذوق قدرت نے عطا فرمایا تھا۔ اور قرآن کے حقائق و معارف سے آشنا ہونے کے لئے جن علوم و فنون میں درک و بصیرت کی ضرورت ہے مولانا ان میں بڑی و شگاہ رکھتے تھے۔ اس بنا پر مولانا کی تفسیر کا انداز اعلیٰ بھی ہے اور منطقی بھی اور القرآن بفسر بعد مصفا کا آئینہ دار بھی۔ یہ مولانا کی تفسیر کے مختلف اجزاء پر ان صفحات میں متعدد بار تبصرہ ہو چکا ہے۔ مندرجہ بالا کتاب میں بھی اسی سلسلہ کی گڑی ہیں۔ ان کی اصل عربی میں مرقی۔ اور ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی نے کیا ہے۔

ان سب سورتوں کی تفسیر میں بھی ناضل مغتر کی تفسیری خصوصیات مکمل طور پر بطور و اگر ہیں یعنی وہی سورۃ کا محمود اور تا قبل سے اس کا ربط بیان کرنا۔ الفاظ کی لغوی تشریح، ہم معنی اور ہم مطلب آیات کی کج فہمی، سورۃ کے اہم مباحث پر مفصل گفتگو، قدیم تفسیری روایات پر موقع و محل کے مناسب نقد و جرح۔ البتہ ان قرآن کے بعض مطالب سے متعلق مولانا نے جو کلیات وضع کئے ہیں اور جن پر وہ عام تفریع کرتے چلے جاتے ہیں جو کوہ قیاسات پر مبنی ہیں اس لئے ان سے اختلاف کی کہیں کہیں بڑی گنجائش ہے۔ بہر حال یہ تمام حصے بھی اس لائق ہیں کہ قرآن مجید کا ہر ذوق رکھنے والا ان کا مطالعہ کرے اور ترجمہ بڑا شگفتہ، سہل اور عام فہم ہے۔ یہاں تک کہ ترجمہ ترجمہ ہی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے عربی نہ جاننے والے حضرات بھی پورے طور پر ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

اسلام کا اقتصادی نظام

چوتھا ایڈیشن

(تالیف مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب رفیق مذوقہ المعنیین)

ایک عظیم الشان کتاب جس میں اسلام کے پیش کئے ہوئے اصول و قوانین کی روشنی میں تینا یا ایک ہے کہ دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں میں اسلام کا نظام اقتصادی ہی ایسا نظام ہے جس نے محنت و سرمایہ کو صحیح توازن قائم کر کے اقدار کا راستہ نکالا ہے اور جس پر عمل کرنے کے بعد محنت و سرمایہ کی لڑائی ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی ہے۔ زیر نظر ایڈیشن میں بہت سے اہم اور مبسوط اضافے کئے گئے ہیں جن کی ہی حد پر نہیں بڑھ سکتی ہیں۔ مصنف کی ترتیب کی نوعیت بھی بدل گئی ہے۔ صفحات کی سطریں بڑھانے کے باوجود حجم کافی بڑھ گیا ہے۔ کتاب کی کثرت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چند ہی سالوں میں اس کا چوتھا ایڈیشن نکل چکا ہے۔ اس کے تمام قابل ذکر اجزاء و رسائل اس کتاب کو دورِ حاضر کی بہترین کتاب قرار دے چکے ہیں۔ صفحات ۱۰۰۰۔ بڑی قیمتی قیمت پانچ روپے پچاس نئے پیسے جلد چھ روپے پچاس نئے پیسے۔

تاریخ اسلام مکمل کو رس

تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ جو تاریخِ ملت کے نام سے مشہور ہے اور مقبول عوام و خواص ہر چکا ہے۔ مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے۔ زبان کی سلاست، ترتیب کی دل نشینی اور جامعیت اس کی ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپ کو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملیں گی۔ خلفاء اور سلاطین کی شخصی زندگی کے سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد تاریخ اسلام کے تمام ضروری اور مستند حالات سامنے آجاتے ہیں۔

اسکولوں اور کالجوں کے نمائندوں میں داخل ہونے کے لائق کتاب

جلد اول نبی عربی یکساں آٹھ آنے جلد ششم خلافت عباسیہ عظیم چالیس آٹھ آنے
جلد دوم خلافت راشدہ تین بپے آٹھ آنے جلد ہفتم تاریخ معاصر تین بپے چار آنے
جلد سوم خلافت بنی امیہ تین بپے آٹھ آنے جلد ہفتم خلافت عثمانیہ تین بپے چار آنے
جلد چہارم خلافت بنی عباس نہ روپے جلد ہفتم تاریخ صفویہ ایک روپہ بارہ آنے
جلد پنجم خلافت عباسیہ مجددی تین بپے آٹھ آنے جلد دوم سلاطین ہند تین بپے آٹھ آنے

قیمت بکسل سیٹ غیر مجلد اکتیس بپے آٹھ آنے مجلد ہفتیس روپے

مکتبہ برہان جامعہ مجددی ۶

برہان

مندوۃ المصنفین دہلی کا علمی مذہبی اور ادبی ماہنامہ

”برہان“ کا شمار اول درجے کے علمی مذہبی اور ادبی رسالوں میں ہوتا ہے اس کے گذشتے میں نفیس اور بہترین مضمونوں کے پھول بڑے سلیقے سے سجائے جاتے ہیں۔ نوہالان قوم کی ذہنی تربیت کا قالب درست کرنے میں ”برہان“ کی قلم کاریوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس کے مقالات سنجیدگی، اتانت اور زور قلم کا لا جواب نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر آپ مذہب و تاریخ کی مستدیم حقیقتوں کو علم و تحقیق کی جدید، روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے برہان کے مطالعے کی سفارش کرتے ہیں، یہ علمی اور تحقیقی ماہنامہ اکیس سال سے پابندی وقت کے ساتھ اس طرح شائع ہوتا ہے کہ آج تک ایک دن کی تاخیر نہیں ہوئی۔

”برہان“ کے مطالعہ سے آپ کو ”مندوۃ المصنفین“ اور اُس کی مطبوعات کی تفصیل بھی معلوم ہوتی رہے گی، آپ اگر اس ادارے کے حلقہ معاونین میں شامل ہو جائیں گے تو برہان کے علاوہ اُس کی مطبوعات بھی آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔

صرف برہان کی سالانہ قیمت چھ روپے - دوسرے ملکوں سے گرامر
حلقہ معاونین کی کم سے کم سالانہ فیس تیس روپے
مزید تفصیلی دفتر سے معلوم کیجئے

برہان آفیس اردو بازار جامعہ مجددی

علیم مودی محمد ظفر احمد پرنٹر و پبلشر نے الجلیہ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر برہان دہلی سے شائع کیا۔

ندوة المصنفين دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتبہ
سعد احمد کسرا بادی

مکمل لغت القرآن

(پچھ جلدوں میں)

قرآن کریم کے الفاظ کی شرح اور اس کے معانی و مطالعے کے حل کرنے اور سمجھنے کے لئے اردو میں اس سے بہتر اور جامع کوئی لغت آج تک شائع نہیں ہوئی۔ اس عظیم الشان کتاب میں الفاظ قرآن کی مکمل اور دل پذیر شرح کے ساتھ تمام متعلقہ چیزوں کی تفصیل بھی ہے۔ ایک مدرس اس کتاب کو پڑھ کر قرآن مجید کا بہترین درس لے سکتا ہے اور ایک عام اردو خواں اس کے مطالعہ سے نہ صرف قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی طرح کر سکتا ہے بلکہ اس کے مضامین کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اہل علم و تحقیق کے لئے اس کی علمی مباحث لائق مطالعہ ہیں۔ لغات قرآن کے ساتھ الفاظ قرآن کی مکمل اور آسان فہم ستی دی گئی ہے جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام لفظوں کے حوالے بڑی سہولت سے ملنے جاسکتے ہیں۔ مکمل لغات قرآن اپنے انداز کی وجہ سے کتاب ہے جس کے بعد اس موضوع پر کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جلد اول	صفات	۳۳۳	بڑی تقطیع	غیر جلد جا روئے آٹھ آنے
جلد دوم	۳۳۶	۴	غیر جلد یا رخ روئے	مجلد یا رخ روئے آٹھ آنے
جلد سوم	۳۳۷	۴	غیر جلد یا رخ روئے	مجلد یا رخ روئے
جلد چہارم	۳۸۶	۴	غیر جلد یا رخ روئے	مجلد یا رخ روئے
جلد پنجم	۵۰۰	۴	غیر جلد یا رخ روئے	مجلد یا رخ روئے
جلد ششم	۳۲۳	۴	غیر جلد جا روئے	مجلد یا رخ روئے آٹھ آنے

(پوری کتاب مجموعی صفحات ۲۶۶۶)

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی



برہان

جلد ۳۳ ستمبر ۱۹۵۹ء مطابق ربیع الاول ۱۳۷۹ھ شمارہ ۳

فہرست مضامین

۱۳۰	سید احمد اکبر آبادی	ذرات
۱۳۳	مولانا طفیر الدین صاحب دارالافتاء	اسلام کا نظام امن و امان
	دارالعلوم دیوبند	
۱۳۹	مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی	سند ہند کا ایک علمی ثقافتی تذکرہ
	پکڑ تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ	
۱۴۴	مولانا محمد تقی صاحب امینی صدر	اختلاف فقہاء کے اسباب
	دارالعلوم مینیا جیمز ٹریف	
۱۵۱	جناب ڈاکٹر غوث شیدا احمد فاروقی صاحب	تاریخ الروۃ
	استاد ادبیات دہلی یونیورسٹی دہلی	
۱۵۹	جناب نثار احمد صاحب فاروقی	ذکر مصنی
	دہلی یونیورسٹی لائبریری دہلی	
۱۶۴	خان بہادر سید اشرف حسین مرحوم	ادبیات - میر میرا
۱۶۸	جناب سعادت طفیر صاحب ایم اے	غزل
۱۷۲		تہجیر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

منظرات

اگر کسی شخص نے آپ پر ظلم کیا ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس نے تو برا کیا ہی ہے اور اس لئے وہ
مذکات حق اور لائقِ رحمت ہے لیکن اس میں تصور آپ کا بھی ہے اور وہ کہ آپ کمزور تھے یا اس کے خلاف
بے خبر تھے اور اس لئے آپ سے اپنی حفاظت اور بچاؤ کا انتظام نہیں کر رکھا تھا۔ دیباچہ کوئی چیز یا کوئی
دائمہ گیر کسی سبب کے نہیں ہوتا اور ظلم کے سبب کا تعلق جس طرح ظالم کے ساتھ ہے خود مظلوم کے ساتھ بھی ہوتا
ہے۔ پھر جو شخص حق کو شہادت پرستی یا اپنے کسی اعلیٰ منصب العینِ زندگی کی وجہ سے کسی کا مظلوم ہوتا
ہے وہ صرف ظالم کے ظلم کی شکوہ سنجی اور اپنی مظلومیت کے اعلان و اظہار پر قناعت کر کے نہیں بیٹھا بلکہ جبر
و ستم و ستم و ستم اور باوردی کے ساتھ اپنی قوتوں کو منظم کر لے، اُن قوتوں میں زندگی اور توانائی پیدا
کر لے۔ اس راہ میں اس کو جوش و خروش اور شہادیاں پیش آتی ہیں ان کو انگیز کرنا رہتا ہے لیکن اپنے قوا کی
تنظیم سے بھی غافل نہیں ہوتا۔ آخر ایک دن توجہ یہ ہوتا ہے کہ ظالم کا تختہ الٹ کر رکھ دیا ہے اور اب ظالم خود اس کے
رحم و کرم کا قلع بن کر رہنے آتا ہے۔ اور اس وقت قرآن کی بیان کردہ حقیقت سَیِّئَاتُ الَّذِينَ ظَلَمُوا آتَتْ
مُتَشَابِهَاتٍ مُّتَقَرَّبَاتٍ۔ دوزخ و شہن کی طرح جہاں جہاں جہنمیت میں مسلمانوں کی مکار و دینکاری دوزخ و شہن کی
جگہ کی مثال کیا جائے تو اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس کے صحیح تسلیم کر لینے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا۔

ظالم کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دو قسم کے آلات و اسباب بیان فرمائے ہیں ایک روحانی
ماہرِ خلق اور دوسرے مادی و جسمانی پہلے قسم سے مراد یہ ہے کہ تم کہہ نفی کر کے اللہ کے ساتھ اپنا سوا دہشت
کہہ اس پر کمال عبور و اعتماد رکھو۔ دنیوی اسباب و آلات کا اثر نماندہ لو کہ تم کو خدا کی قدرت اور علیٰ ہدایت کی
قسمت میں شک کرنے لگے دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کرو۔ اللہ اپنے حسنِ خلاقیت کے واسطے کو شک کرنے

خداوندی کھڑے گھبی نہیں۔ اہل یہود کہ اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ اسی سوال کا جواب ہے اور جواب بھی بالکل شافی
 قطعی حکم اور قوی لیکن سوال یہ ہے کہ آپ اس راہ میں اب تک کیا کیا ہے؟ اسلام کے روحانی اور اخلاقی اقتدار و حیات کو بھینسا
 نظم و انضام کے خلاف اجتماع کو بیاہنہ اور پر زور بنانے اور اپنے حقوق و مطالبات کی حمایت میں اسے حامی پیدا کرنے کے لئے
 اور پیرس کے ساتھ ساتھ انگریزی اخبارات اور ذرائع کی سخت ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھایا گیا؟ ملک ہر
 مسلمانوں نے اپنے ذہن میں کمال کیلئے انجینئرنگ کالج کھولے؟ ہونہار مسلمان طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف دیکر باہر کے ملکوں
 میں بھیجے گا کوئی بندوبست ہے؟ مسلمانوں کی بے روزگاری دور کرنے کے لئے گھر پر دست کاری کے کتنے کارخانے بنے؟ کتنی
 کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم ہوئیں؟ گریسب کام تو سی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ مسلمان پارٹی بازی اور مٹے بند کی الگ ہو کر
 اپنی قومی مسائل و معاملات پر غور کریں ان کو حل کرنے کیلئے مستعد ہر جہد کریں اپنی شیرازہ بندی کی طرف متوجہ ہوں اور جنوبی ہند
 مسلمان شمالی ہند کے مسلمانوں کے معاملات کو خود اپنے معاملات کیلئے جو قدم اٹھے مستعد اٹھے اور جو ادارے بنائے تھے قومی معیار
 ہر شخص اور اجتماعی مفاد کی لاہور قوم کی آسودگی کا خیال اپنی ذاتی رغبت اور سپردی کے خیال پر مبنی ہو۔ آپ
 کہتے ہیں کہ مسلمان غریب ہیں لیکن پورے ملک میں پانچ کروڑ مسلمان تو ہوں گے، اور یہ مسلمان اپنی چار، سگرٹ پان اور نیما اپنی
 پر بانہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اگر اس کا اوسط فی کس آٹھ آنہ بھی رکھا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر سب مسلمان قومی ضرورتوں
 کا احساس رکھیں اس قدر کریں کہ ایک ماہ کا یہ اہل غیر ضروری خرچ قومی فائدہ میں دیدیں تو اس طرح ڈھائی کروڑ روپیہ
 جمع ہو سکتا ہے جس سے بیسیوں اہم کام بائیکیل کو بیچ سکتے ہیں اب ضرور کیجئے کہ ایک دو قوم جو مت دیمات کی کشمکش سے دوچار
 ہو جس کے لئے بدلے وطن ہونے پائے مائد کیا اس کیلئے کچھ کرنا کوئی مشکل بات ہے؟ اس لئے سوال در اہل یہ نہیں ہے کہ
 مسلمان کیا کریں؟ بلکہ یہ ہے کہ کون کرے؟ اور کیوں کرے؟

پچھلے دنوں معزز مہاراجاں صاحبہ اعظم گڑھ، جتوہ، اجمیہ، دہلی، نئی دہلی، سیاست کا بہتر دانشور
 ہنس، جمہور ملی گڑھ، جاری زبان ملی گڑھ اور مسلم یونیورسٹی گڑھ نے ان کے علاوہ کسی اور اجنبیہ رسالہ نے لکھا ہو تو اسکا
 علم نہیں ہو سکا، مگر اگر اتم اخوت کے مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہونے پر جو ادارتی نوٹ اور شذرات لکھے ہیں یہ عجیب
 ان کے لئے دل سے شکر گزار ہے اور بالکل وہاں ہندی میں دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں اور دوستوں کے سچے بھائی
 کو پر اسے اللہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ان کو طبی طور پر جو توقعات ہونی چاہیے وہاں تک پہنچانے کی کوشش کرے۔

اسلام کا نظام امن و امان قتلِ خطا اور اسکی روک تھام (سلسلہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے برہانِ تسمیہ)

راۓ :- مولانا محمد طغیر الدین صاحب دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
ابتداءً قتلِ عمد کے سلسلہ کی تفصیل بقدر ضرورت پیش کی گئی، لیکن کبھی کوئی کسی کو غلطی، دھوکہ یا شبہ
میں مار ڈالتا ہے یہ مسلم ہے کہ ان صورتوں کی نوعیت بالکل الگ ہے، کیونکہ قاتل کے قصد و ارادہ کو اس
میں بالکل دخل نہیں ہوتا ہے، البتہ احتیاط کا فقدان اور بے پروائی ضرور پائی جاتی ہے اسلام نے اسی
وجہ سے اس کی منہ قتلِ عمد سے مختلف تجویز کی ہے قتال کو نہ تو بالکل یہ کہہ کر معاف کر دیا ہے، کہ اس کے
ارادہ اور نیت کو دخل نہیں ہے، اور نہ اس کے قتل کا حکم نافذ کیا ہے، نہ شکل جو بھی ہو، لیکن اس نے انسانی
مان بہر حال ضائع کی ہے، بلکہ یہاں بھی وہی اعتدال کی راہ اختیار کی ہے جو اسلام کے غیر میں داخل ہے
نہ اس قدر چھٹی مٹی مقرر کی ہے کہ کہیں سے کسی کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے، اور ساتھ ہی اس طرح کے
افعال کی آئندہ کے لئے روک تھام بھی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو
قتل کرے لیکن غلطی سے پہلے اُتو ادبات
جھا اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے
تو اس پر ایک ملام یا نوڈی کا آزار دیکر ہے
اور خون بہا بھی جو اس کے ہاتھ ان دلوں کو

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا
خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ
سَبْتَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى
أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ تَصَدَّقَ أَوْ إِنْ كَانَ
مِنْ مُؤْمِرٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

تَحْرِيرَ سَابِقَةِ ثَمُودَ، وَإِنْ كَانَ
مِنْ قَوْمٍ يَشْكُرُوا بَيْنَهُم مِّنَ
مَدِينَةٍ مَّتَّكِمَةٌ إِلَىٰ آلِهِمْ وَتَحْرِيرُ
سَابِقَةِ ثَمُودَ فَمَنْ لَّا يَجِدْ
فَصَيَاوَةً مِّنْ مَّتَابِعِينَ تَوْبَةً
مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۔

دیا جائے مگر یہ کہ وہ لوگ صاف کر دیں اور
اگر وہ مقتول خطا انھارے مخالف قوم
ہے اور وہ خود مومن ہو تو ایک غلام یا لونڈی
آزاد کرنا پڑیگا۔ اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ
تم میں اور ان میں معاہدہ ہے تو خون بہا بھی
واجب ہے جو اس کے خاندان والوں کو
دیا جائے اور ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا
آزاد کرنا پس جو اس کو قتل پائے تو اس پر
دو مہینے لگا مار دے رکھنا ہے بطور توبہ اللہ
کی طرف سے ہے اور اللہ جاننے والا اور

حکمت والا ہے۔

واللہ اعلم

قتل خطا کی جی تی سزا اس آیت کے سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت تھانویؒ کا تفسیری ترجمہ ملاحظہ فرمایا
لیکتے ہیں:-

اگر کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو امیر قتل کرے لیکن غلطی سے ہو جائے تو او
بات ہے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر شرعاً ایک مسلمان غلام یا لونڈی
آزاد کرنا واجب ہے اور خون بہا بھی واجب ہے جو اس مقتول کے خاندان والوں کو یعنی
جوان میں وارث ہیں، بعد حصص میراث حوالہ کر دی جائے اور جس کے کوئی وارث نہ ہو
بیت المال قائم مقام وراثت کے ہے، مگر یہ کہ وہ لوگ اس خون بہا کو صاف کر دیں خواہ کئی
خواہ جن، تو اتنی ہی سزا دی جائے گی، اور اگر وہ مقتول خطا ایسی قوم سے ہے جو مخالف
مخالف ہیں تو اتنی ہی سزا دی جائے گی کسی وجہ سے رہتا تھا اور وہ شخص خود مومن سے
ایک غلام یا لونڈی مسلمان آزاد کرنا پڑے گا، اور جیت اس نے نہیں کہ اگر مسلمان

مسلمان میں تہ توہ تحت ولایت مسلم حاکم نہ مہنے کے باعث مستحق نہیں رکھا جتنی
 لہو وکافض علیہ اور اگر کافر ہیں، تو اس صورت میں دین بیت المال کا حق ہوتا
 ہے اور دارالحرب کے بیت المال میں ترکہ لایا نہیں جاتا، اور اگر وہ مقتول خطا ایسی قوم سے ہو
 کہ تم میں اور ان میں مبادہ صلح یا دم کا ہو یعنی ذمی یا مسلمان وستان میں تو خوف بہا بھی
 واجب ہے جو اس مقتول کے خاندان والوں کو دینی ان بن جہود وراثت میں ان کے حوالہ
 کر دی جائے، کیونکہ کافر کا ترکہ وراثت ہوتا ہے اور ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا پڑے گا،
 پھر جن صورتوں میں غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے جس شخص کو غلام یا لونڈی ملے
 اور نہ اتنے دام ہوں کہ خرید سکے تو اس کے ذمہ بجائے اس آزاد کرنے کے متواترینی
 لگا تا دو ماہ کے روزے ہیں، یہ آزاد کرنا اور عہ نہ ہو سکے، تو مونس رکھنا بطریق تو سکے
 جواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے یعنی اس کا طریقہ مشروع ہوا ہے

سزا میں اعتدال اسلام نے غلطی اور خطائے قتل کرنے والوں کی جو سزا مقرر کی ہے، بار بار غویہ کیے
 کہ وہ کس قدر درست ہے، قصاص اس لئے نہیں تجویز کیا کہ اس قاتل کا حقیقت میں کوئی اس طرح
 کا قصہ نہیں تھا، بلکہ نادانستگی میں اس سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے، مثلاً اس نے شکار کچھ کر گولی چلائی، مگر
 جب وہ شکار گرا تو معلوم ہوا شکار نہیں آدمی ہے یا وہ ایک نشانہ پر گولی چلا رہا تھا اور اتفاق سے
 وہ گولی بہک کر کسی آدمی کے لگ گئی اور وہ مر گیا، اور نہ بالکل معاف کر دیا، اس وجہ سے کہ
 انسانی جان بہر حال ضائع ہو گئی، جس سے قوم و ملک کا نقصان عظیم ہوا، اور اس کے در ذہ کو
 عذر منہا۔

آلہ کے ساتھ اپنی سزا ایذا دونوں پہلوؤں کا گمانہ کہ سزا مقرر کی گئی کہ وہ قاتل خطا غلام یا
 کی سزا لونڈی آزاد کرے اور عطا وہ ازیں اہل نصرت دینی حامی و مددگار استقامت
 غفلت کر دینے غفلت ہمارے ادا کریں، گویا خود قاتل کی بھی تنبیہ ہوئی کہ وہ آئندہ سے خوب

دیکھ بھال کرو اور پوری اجتہاد کے ساتھ اس طرح کے موقعوں پر کام کریں، اور اس کے اہل نصرت کو بھی ہدایت ملی کہ وہ اپنے آدمیوں کی پوری نگرانی رکھیں تاکہ آئندہ ان پر مالی تاوان کاغذہ چھوٹنے پائے۔

ایسا قتل جس میں قصود اور ارادہ کو دخل نہیں ہوتا ہے، اس کی اپنے اپنے فہم کے مطابق فقہاء نے کئی قسمیں قرار دی ہیں، اور ان قسموں کی باہم تعریفیں تو ہوتی تھیں اور فرق بھی بیان کیا ہے، مگر حکم سب ہوتا ہے سزا کے باب میں ایک ہی ہے، جیسا کہ قرآن پاک نے بیان کیا ہے یعنی کفایہ میں غلام یا نوکر کی آزادی کرنا اور دیت یعنی ر خون بہا دینا۔

فصلِ خلا کی مختلف ہوتیں

یوں تو کتبِ احناف میں یہ مقرر ہے کہ قتل کی پانچ قسمیں ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کی تفصیل بھی مذکور ہے، لیکن صاحبِ نہایت نے نقل کیا ہے کہ امامِ اعظم قتل کے دراصل تین ہی طریقے بتاتے ہیں۔

رونی الامہ اہل القل علی ثلثۃ ارجلہ عید
 وشبہ عید وخطا و نفل الطحاوی
 والکرنی فی مختصرہا ہذا العبادۃ
 اور اہل میں ہے کہ قتل کے تین طریقے ہیں
 عمدہ شبہ عمدہ اور خطا لمادی اور کرنی نے
 اپنی مختصر میں عبارت کو نقل کیا ہے ۔

والنهاية في شرح البذاية ج ٢ ص ٢٢٢

قتلِ عمد کا مطلب یہ ہے کہ انسان جان بوجھ کر گتھیا یا تھیمیا جیسی چریز اس شخص کو قتل کر دے جس کا قتل جائز نہیں ہے۔ اس کی بحث پہلے گذر چکی ہے اور دوسری اور تیسری قسم جن کا اس باب سے تعلق ہے، اس کی تفصیل ذیل میں مسج کی جا رہی ہے، خطا کی مشہور تعریف یہ ہے

والمخطأ على وجهين خطأ في القصد وهو ان يرمى شخصاً بطنه صيداً اذا هو آدمي وخطأ في الفعل وهو ان يرمى غرضاً فيصيب آدمياً۔

والجوهه النيرة باب الخفيات

میں کا حاصل یہ ہے کہ اس باب میں قتال کے قصد و نیت اور عمل کسی کو کوئی دخل نہیں ہے،
 ہاں شہر محمد علی شہر ایسی جگہ کہ اگرچہ اس میں بھی قصد و نیت کو کوئی دخل نہیں ہے مگر عمل اس کا شہر
 خالی نہیں ہے اس لئے کہ وہ آدمی پر کوئی نہ کوئی آلہ خواہ تادیب ہی کی غرض ہو استعمال ضرور کر رہا ہے
 چنانچہ فقہانے لکھا ہے،

شبه العمد عند ابی حنیفۃ ان
 یقعد بالکل آلۃ لم توضع للقتل۔۔۔۔۔
 وعند ابی حنیفۃ یشترط
 ان یقعد التلاویب دون الاحلالۃ
 شہر محمد امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ
 ارادہ کر کے ایسے آلہ سے مارے جو قتل کے
 لئے نہیں بنایا گیا، اور امام صاحب کے نزدیک
 یہ بھی شرط ہے کہ قاتل کا ارادہ تادیب ہو
 نہ کہ جان ضائع کرنا،

آلہ پر حکم کی وجہ سے قتل کی نیت تھی یا نہیں، یہ ایک ایسی بات ہے جو معلوم نہیں کی جاسکتی ہے، کیونکہ
 اس کا تعلق باطن سے ہے اس وجہ سے شریعت نے آلہ کا اقرار کیا ہے اگر ایسے آلہ سے مارا ہے، جو
 قتل کے لئے وضع کیا گیا ہے تو اسے قصد سے تعبیر کیا ہے اور اگر ایسا آلہ استعمال کیا ہے، جو قتل کے لئے
 بنایا نہیں گیا ہے بلکہ تادیب و تنبیہ کے لئے وضع کیا گیا ہے تو اسے عدم قصد سے تعبیر کیا ہے۔

قتل خطایں مالی یہ درجہ ہے کہ انسانی جان اور مال میں کوئی مماثلت نہیں ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ
 سزا کی وجہ سے اس جانی نقصان میں بظاہر قاتل کا قصد بھی نہیں پایا جاتا ہے، لیکن انسانی جان
 کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے خون کو رائیگاں نہ ہونے دیا جائے اس لئے قاتل پر مال واجب
 کیا گیا، کہ انسانی جان کی قیمت نظروں سے گرنے نہ پائے۔

غیر مسلم دیکھا کہ سزا اور پادشاہ گرجا ہے کہ یہ سزا جو قتل خطا کی بیان کی گئی ہے، دونوں حالتوں
 میں ہے خواہ کوئی مسلمان مار ڈالا جائے یا کوئی ذمی کافر، فقہانے بھی صراحت
 سے یہ فرمایا ہے۔

وجوب دلائل الکفارۃ والذمیۃ اس قتل کا موجب کفارہ اور دیت ہے اللہ

على العاقله وتجب الدية في ثلث
 سنين ومساو قتل مسلما وذهيبا
 في وجوب الدية والكفاساة.
 ابل خاندان پر ہے جس کا تین سال کے اندر
 ادا کرنا ان پر واجب ہے اور وجوب دیت
 و کفارہ میں مسلمان اور ذمی دونوں برابر
 ہیں، خواہ ان میں سے کسی کو قتل کرے۔
 دالجی ہر الذیہ باب الجلیات

اسلام بھی اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ملک اسلام کے بسنے والوں میں سے کسی کو مذہب کے
 نام پر ناجائز طور پر تکلیف پہنچائی جائے، وہ ہر مذہبی کافروں کو بھی اس باب میں وہی حیثیت دیتا ہے
 جو ایک مسلم کو حاصل ہوتی ہے۔

اس سزا کا فائدہ اس طرح کے قانون کے باوجود کوئی بے پرواہ نہیں رہ سکتا ہے، قدم قدم پر وہ
 چمکنے لگا، اور مجبور ہو کر انسانی جان کی قدر و قیمت محسوس کرے گا، اس لئے کہ ایک غلام کا آزاد
 کرنا اور ساتھ ہی دیت کا ادا کرنا ایسی سزا ہے، جو اسے احتیاط پر ضرور مجبور کر دے گی، غلام کی قیمت
 ایک مقررہ رقم ہوگی، رہی دیت، تو اگر نقد ادا کرے گا، تو ایک ہزار اشرفی یا دس ہزار درہم ادا کرے
 ہوں گے، پھر یہ کہ دیت جب اہل نفرت کے ذمہ ہوگی، جس میں قاتل بھی شامل ہوگا، تو یقیناً قاتل کے لئے
 ہامیوں میں سے پھیرے لوگ ایسے ہوں گے، جو اسے بار محسوس کریں گے، اور قاتل خطا کو احتیاط برتنے
 پر مجبور کریں گے۔

قاتل کے ساتھ اس کے معاونین
 رہا یہ سوال کہ جرم کسی کا اور جرمانہ اس کے ساتھ دوسروں پر بھی، تو اس پر
 حیرت نہیں ہونی چاہیے، یہ سب جانتے ہیں، کہ آدمی میں بے اعتیاد علی
 عموماً خصوصاً معاون و مددگار ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، لیکن جب
 جرمانہ ان معاونین پر بھی عائد ہوگا، تو یہ سب اس شخص کو آزاد نہ ہونے دیں گے، اور نہ اس کی حفاظت کے سلسلہ
 میں کوتاہی کریں گے، بلکہ اس شخص کو احتیاط بہتے پر مجبور کریں گے، جس کے آگے اسے جھکنا پڑے گا۔

قتل خطا کا ٹکرا پر
 کسی کے ذہن میں یہ نہ کھٹکنے پائے، کہ مالی جرمانہ ہی پر یہ حالتیں اسلام نے
 نعمتی کی اجازت
 قناعت کی ہے، اس لئے کہ ایسی بات نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی ایسا جرم چھو

بابار اس طرح کا جرم کرتا رہتا ہے یعنی اس کی طرف سے اس طرح کی بے اعتیالی آئے دن ہوتی رہتی ہے تو اسلام بجا نہ دیتا ہے کہ حکومت وقت اس رہا کردہ کئے گئے اس طرح کے لوگوں کو قتل کر دے۔
بغیر قصد و ارادہ قتل کرنے کی جہاں سزا فقہان نے بیان کی ہے وہاں یہ مراحت بھی موجود ہے۔
اَلَا اَنْ يَتَكَبَّرَ فَلَا مَمَّ مَقْلَهُ لیکن اگر قاتل خطا بابار ایسی غلطی کا ارتکاب کیا
میاں ۔ کرے تو امام کے لئے جائز ہے کہ اسے سیانہ

(رد مختار باب الجنايات) قتل کر دے۔

سزا میں مقتول کے غلطی اور خطائے قتل کرنے کی جو سزا بیان کی گئی ہے اس پر پہلو سے غور کریں، کہ
جہالت کا لحاظ اس میں کتنی چمک رکھی گئی ہے اور وہ ہر طرح کتنا مکمل ہے، تا آنکہ اس میں اس کی
بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ خون بہا پورا یا اس کا کچھ حصہ مقتول خطا کے شمار میں کر دیں گے، تو معاف
ہو جائے گا، اور اس کا مطالبہ قاتل خطا سے نہیں کیا جائے گا، مختصر یہ کہ اس سزا میں قاتل خطا کا بھی لحاظ ہے
اور انسانی جان کا بھی، اور ساتھ ہی مقتول خطا کے فتنائے جوش انتقام کا بھی علاج ہے، کہ ان کی نیکیوں
جو جلنے، تاکہ امن و امان میں کوئی خلل واقع نہ ہونے پائے، اور ملک و قوم سے پاک رہ سکے۔
جمہوری کا پاس | پھر یہ بھی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، کہ اگر غلام یا نوٹڈی نہ لے، اور نہ اس کے پاس اتنے
دام ہوں کہ وہ خرید سکے، تو اس کے ذمہ اس آزاد کرنے کے بجائے دو مہینے کے لگا کر نوڈے ہی بیسے
ہندوستان کہ اگر یہاں اسلامی حکومت قائم ہو جائے، اور غلام یا نوٹڈی میسر نہ ہوں تو دو ماہ مسلسل روزہ
رکھنا واجب ہوگا، حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

”ہندوستان میں تہذیب و غلام نہ خرید یا نوٹڈی نہیں ملتا، ظاہر یہ ہو کہ لم بچہ صاوت لے گا، عرب میں
دام بچھا واجب نہیں ہو، ملاحظہ من الحرج و مثله كفارات اخرى من الیمن والظہار پس
یہاں ہندوستان میں حیا ما جائز ہے، صیام (روزے) میں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے تباہ نہیں
نہیں ہو سکتے، پس کے لئے عتبات و عتبات میں لگا کر سلسلہ کاٹنے والی نہیں ہے۔“

ملک اسلامیہ کے لئے

قاتلِ خطا کے قتل کی ممانعت قاتلِ خطا کو قتل نہیں کیا جائے گا، پھر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے اسے روکا ہے، حضرت ابوہریرہؓ صحابی کا بیان ہے کہ مہدی نبویؑ میں ایک شخص اپنے حرمِ قتل کی وجہ سے دو مقتول کے حوالہ کر دیا گیا، قاتل نے اپنی بے گناہی کا یقین دلاتے ہوئے کہا

یا رسول اللہ ما اردت قتله۔ اسے خدا کے لاڈلے رسول! میرا ارادہ

رجع الفوائد) اس کے قتل کا نہ تھا۔

نشاہت تھا کہ خطا سے یہ بات ہو گئی، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

امانئہ ان کان صادقا ثم قتلتہ سنوا اگر یہ پہلے اور پھر تم نے اسے قتل

دخلت النار۔ رجوع الفوائد ج ۱۱) کیا، تو تم جہنم میں گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کو چھوڑ دیا گیا، اس کے منہ سے کجور کی چال سے باز ہے جاپکے تھے، جملہ ہی اسے آزادی ملی، وہ اسے گھینٹے ہوئے بھاگا، چنانچہ اسی وجہ سے اس کا نام ذالفسخ پڑ گیا۔

قتلِ خطا کی ایک اور قسم قتل کی ایک قسم یہ ہے کہ سونے والا نیند کی مدہوشی میں کسی پر گر جائے اور اس

طرح وہ اس کو مار ڈالے، جسے فقہاء اپنی اصطلاح میں قائم مقام خطا کہتے ہیں اس قسم کا حکم بھی وہی ہے جو خطا کا حکم ہے۔

فلما اجرى مجرى الخطأ قتل الناس فيقلب اور جو خطا کا قائم مقام ہے جیسے سونے والا

على رجل فيقتله فحكمه حكم الخطاء۔ کسی آدمی پر گر جائے اور اس کو مار ڈالے۔

والجواب في شرح کتاب الجنایات) تو اس کا حکم خطا جیسا ہے۔

قتلِ خطا کی ایک دوسری صورت قتل کی ایک قسم ہے "قتل بسبب" یعنی کوئی شخص کسی کے قتل کا غیر ارادی طور پر ذریعہ ثابت ہو، جیسے کوئی شخص غیر کی ملکیت میں کنواں کھدوا دے، یا پتھر کی چٹان ڈالے

اور کوئی انسان ایسے کنواں میں گر کر یا اس پتھر سے ٹکرا کر مر جائے، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ دیت واجب ہوگی، جو اس کے اہل نصرت کو ادا کرنا ہوگی، کیونکہ گو کنواں کا کھودنے والا یا پتھر کا رکھنے والا بذاتِ خود قاتل کا مرکب نہیں ہوا ہے، لیکن بہر حال وہ ذریعہ ضروری ہوا ہے۔

برہان اہل بیب، جیسے فکر ملک میں کنویں
 کا کھودنے والا اور تھوڑا کھنے والا اور اس کی
 حکم یہ ہے کہ جب آدمی اس میں تلف ہو جائے
 تو اہل خاندان پر دیت واجب ہے اس لئے
 کہ وہی تلف کا سبب بنا ہے اور اس عہد
 میں کفار نہیں ہے اس لئے کہ اس نے
 بذات خود قتل کا ارتکاب نہیں کیا ہے اور

ولما القتل بسبب كفا البؤر
 واضح الجحی فی غیر مطلق... وجوب
 ذالک اذا تلف فيه آدمی اللدینہ
 علی العاقل لانه سبب التلف
 ولا كفارة فيه لانه لہ
 بيا مشر القتل بنفسه ولا توقع
 بتعلم

والجوه الذیہ کتاب الجنایات (۱) نہ اپنا بوجہ ڈالا ہے۔

ہاں اگر کوئی گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا ہے اور وہ کسی آدمی کو کچل ڈالے تو کفارہ
 واجب ہو گا۔ اس لئے کہ اس قتل میں اس سوار کے روندنے اور بوجہ کو دخل ہے۔

انسانی جان کی مالیت گویا اسلام نے ان تمام دروازوں پر پہرہ لگا دی ہے، جو انسانی جان کے لئے باعث خطرہ
 ہو سکتے ہیں، اور ہر اس بے احتیاطی پر مقول سزا مقرر کر دی ہے، جو کسی وقت بھی انسانی جان کے لئے
 ہلک بن سکتی ہے، ان مقول سزائوں کے بعد کسی آزاد سے آزاد کی بھی مجال نہیں ہے، کہ احتیاط کی
 باگ ہاتھ سے چھوڑ سکے۔

کسی ملک یا قوم میں عموماً اپنی راستوں سے بے امنی پھیلتی ہے، اسلام نے اس کی رکھ تھام کر کے
 امن و امان بحال رکھنے کی نفیاتی سعی کی ہے، اسلام کسی حال میں ایسی رعایت نہیں کرتا جس سے بیجا
 جرات پیدا ہو سکے، یا ملک میں فتنہ و فساد کی گرم بازاری ہو۔

زخم جو بہت کا اگر کوئی کسی کو قصد زخمی کر ڈالے اور وہ اس زخم کی وجہ سے برابر صاحبِ فرس
 رہ کر مر جائے تو ایسے شخص پر قصاص واجب ہے، یعنی یہ بھی قصاص میں ملائے گا۔

ومن جرح مسلماً بعداً فلعنہ
 اور جو شخص کسی آدمی کو قصد زخمی کر ڈالے
 اور وہ مسلسل صاحبِ فرس رہ کر مر جائے تو

فصل فی القصاص والجرم والیس کتاب الجنایات تو اس پر قصاص لازم ہے۔
 بھی کہنے پر اعضا انسانی جو کچھ عرض کیا گیا اس کا نشانہ تھا کہ اسلام میں انسانی جان کی بڑی قیمت
 کرنا تھا اور اس کی حفاظت کے لئے اسلام نے جو قوانین مرتب کئے ہیں، وہ
 قتل و زورنری کا دروازہ اس بغیر سے بند کرتے ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی
 طاقت کسی اس سے ٹکرانے کی جرات نہیں کر سکتی، اور نہ یہ آہنی دروازہ کسی کے ہٹائے اپنی جگہ سے کھسک
 سکتا ہے اب غمخیز طور پر یہ بتادینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کسی کے مسلولی زخم لگانے کو بھی ہرگز
 نہیں کرتا، اس سلسلہ کے قوانین بھی بہت اہم اور امن و امان کی جان کی حیثیت رکھتے ہیں، انشا ربانی ہی

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ
 بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ
 بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ
 وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصًا
 فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِمْ فَهُوَ خَفَاءٌ
 لَهُ وَمَنْ يَدْخُلْكُمْ مِمَّا آتَزَلَ اللَّهُ
 فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض قرار
 دی تھی، کہ جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے
 آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے
 کان اور دانت کے بدلے دانت اور
 اسی طرح دوسرے خاص زخموں کا بھی بدلہ
 پھر جو شخص اس قصاص کو معاف کر دے تو
 وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا، اور جو لوگ
 اللہ کے نازل کئے ہوئے پر فیصلہ نہ کریں

(المائدہ - ۱۷)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی کسی کو قتل کر ڈالے تو اس کی سزا یہ ہے
 کہ وہ بھی قتل کر ڈالا جائے، اسی طرح اسلام کا قانون یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کسی کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو
 اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے بدلے اس کی بھی آنکھ پھوڑ ڈالی جائے، اگر کوئی کسی کی ناک کاٹنے
 تو اس کے بدلے اس کی ناک کاٹ ڈالی جائے، اگر کوئی کسی کا کان کاٹ لے تو بدلے اس کا کان
 کاٹ دیا جائے، اگر کوئی کسی کا دانت توڑ دے، تو اس کے بدلے اس کا دانت بھی قصاص میں
 دیا جائے اور جو شخص سے زخم لگانے کا مکن حد تک قصاص پایا جائے، اس میں بھی قصاص

مکن نہ ہوگا اس میں انہاف سے جو سزا عائد ہوگی وہ عمل میں لائی جائے اور اگر قصاص مسافہ کر دے، تو اس صورت میں کفارہ عائد ہوگا، جس طرح جان کی قیمت مقرر ہے، اسی طرح ہر عضو کی قیمت بھی مقرر ہے جیسا کہ آئندہ تفصیل سے آپ کو معلوم ہوگا۔

ایک ضمنی بحث یہاں اسے واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اگرچہ یہ احکام قرآن نے توہرات سے نقل کر کے بیان کیے ہیں مگر جب ہماری شریعت میں اس کی تردید موجود نہیں ہے بلکہ اس کو برقرار رکھا گیا ہے تو ہماری شریعت میں بھی یہی حکم باقی رہے گا، جیسا کہ اس آیت کے ضمن میں علامہ سیوطی نے اشارہ کر دیا ہے۔

وهذا الحكم وان كتب عليه فهو اوديه حكم اگرچہ ان پر فرض کیا گیا تھا مگر بھی

مقروفي شيعنا وتغير ملاين مثا ہماری شریعت میں بھی ثابت ہے۔

اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے کہ جب پہلی شریعت کا کوئی واقعہ یا قانون اللہ تعالیٰ یا اللہ کے رسول بیان کریں، اور اس پر انکار نہ پایا جائے تو وہ ہم پر بھی لازم ہو جاتا ہے۔

اذا بين ان شائع سابقا كانت	مطلب یہ ہے کہ جب یہ بیان کر دیا جائے کہ تم
موصوفة بهذا الصفات وسكت	سے پہلی امت کی شریعت ان صفات کے ساتھ
على ذلك القدر ولو لم يامرنا	متعفف تھی اور اسی پر سکوت ہو، اس کے
بتكرها يلزم علينا ذلك الشائع	ترک کا جس حکم نہ ہو تو یہ احکام شریعت ہمارے
وهذا هي الضابطة الكلية في	لئے لازم ہوں گے اور علم اصول میں بھی
علم الاحول وطهها كذا لك	یہی قاعدہ کیسے ہے اور یہاں بھی ایسا ہی

وعائنه ملائین ص ۱۰۱ بحوالہ زایدی

یہ ایک ضمنی بحث تھی جو میدان میں آگئی، عرض یہ کیا جا رہا تھا کہ اسلام نے جانی نقصان کے ساتھ اعضاء کے نقصان کا بھی پورا لحاظ رکھا ہے، جیسا کہ اوپر آیت پیش کی گئی ہے۔

مزید برآں یہ بھی پورا لحاظ رکھا ہے، جیسا کہ اوپر آیت پیش کی گئی ہے، اس میں قصاص واجب ہے اور اگر مالیت کا امکان نہیں ہے تو قصاص کے اجراء کی کوئی شکل نہیں ہو سکتی ہے بلکہ یہی ہے

فی القلع وان کانت عاقبة فذهب
 ضوعها فعليه القصاص
 کما کان المماثلة
 ریح القدیہ کشوری جلد ۴ ص ۲۱

اس لئے کہ اکیرٹنے میں مائلت نہیں ہو سکتی
 ہے اور اگر آنکھ اپنی جگہ قائم ہے ہرٹ
 اس کی روشنی ختم ہو گئی ہے، تو اس پر
 قصاص آئے گا، اس لئے کہ اس میں
 مائلت ہو سکتی ہے۔

اعضاء انسانی میں آلہ
 کا اعتبار نہیں ہے
 پھر جانی نقصان میں عذر و خطا کے درمیان ایک قسم شبہ عذر کی نکلتی تھی، اطراف
 کے نقصان میں ”شبہ عذر“ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، یا تو عذر ہوگا، یا خطا اس لئے
 کہ شبہ عذر کا تعلق آلہ سے ہے، اور آلہ کے اثر کا اعتبار جان کے ماسوا میں نہیں ہوتا، اس لئے کہ نقصان
 میں آلہ کے اختلاف سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ہے۔

اعضاء انسانی کی سزا
 میں سادات انسانی
 جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے اعضا کے نقصان کے سلسلہ
 میں قصاص لے گا، اسی طرح جو غیر مسلم مسلمان حکومت میں رہتا ہے، ان کے
 نقصان اطراف کا قصاص بھی لیا جائے گا، اس لئے کہ کافر و مسلم کے درمیان اعضا میں قصاص
 واجب ہے اس میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔

وجوب القصاص فی الاطراف
 بین المسلم والكافر للتساوی جمعا
 فی الارش (ایضاً)
 اور اعضا کے اندر مسلمان اور غیر مسلم کے
 درمیان قصاص واجب ہوگا، اس لئے
 کہ دیت میں دونوں برابر ہیں۔

جو لوگ یہ یاد کرانے کی ناپاک سعی کرتے ہیں کہ اسلام غیر مسلموں کی حمایت نہیں کرتا، ان کو
 چاہیے کہ اس طرح کے مسائل کو بخور پڑھیں،

اہدیت میں سزا
 کے مفاعلت
 اعتبار انسانی کو تکلیف پہنچانے کے سلسلہ میں قصاص کا تذکرہ حدیث میں بھی
 بکثرت ہے اور ہر مفسر کی دیت بیان کی گئی ہے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ان
 کی بھر بھی ریح بہت گھبرائے ایک نوجوان انھاری عورت کے دانت توڑ ڈالنے ریح کے قریب تھا

نے اس عورت سے التجا کی کہ وہ اس جرم کو معاف کر دے، اس نے انکار کر دیا، پھر دیت پیش کی کہ درگزر سے کام لے اور اسے قبول کر لے، اس نے اس کے قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا، وہ لوگ خود متنبہ ہوئی میں حاضر ہوئے کسی طرح وہ دیت پر ماضی ہو جائے، مگر یہاں بھی اس نے انکار ہی سے کام لیا، اور کہا کہ تمہاں ہی لوں گی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاں کا حکم فرما دیا، انس بن نضر نے کہا یا رسول اللہ! ربیع کے دانت توڑے جائیں گے، بخدا ایسا نہیں ہو سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

یا انس کتاب اللہ القصاص۔ اے انس! اللہ کی کتاب میں قصاص ہی ہے

(سبطلی السلام جلد ۲ ص ۱۳۶)

پھر انش اور ان کے قرائبداروں نے اس انصاریہ اور اس کے خاندان کے لوگوں کو راضی کرنے کی ہر وجہ شرمندگی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رحم ڈال دیا اور وہ معاف کرنے پر راضی ہو گئے، اور اس صبح قصاص سے ربیع بچ گئیں۔

اپنی حالت کی اجازت عمران بن حصین کا بیان ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا ہاتھ اپنے منہ میں لے کر دانت سے کاٹنے لگا، اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچا، اور اس کھینچنے میں جو دانت کاٹ ہوا تھا اس کے دو دانت گر گئے، یہ دونوں مقدمہ خدمت نبوی میں لائے، آپ نے فرمایا

یعنی احد حویدل اذہ کما یعنف تم میں کا ایک اپنے بھائی کے ہاتھ کو اس

انفل لا دیتہ لک طرح کاٹ کھا تا ہے جیسے نرا دانت تمہارے

دقیس اصول فی جامع الاحول ص ۴۴ لے دیت نہیں ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو کہ میں اس حکم دیتا کہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں ڈالے رہتا اور تم اسے دانت کے چبانے کی طرح چاؤ لے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ذات خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو قصاص کے طریقہ کی بنا پر کہ قصاص کے لئے پیش کرنا
عبداللہ بن حنیس الخزامی راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی

کڑھی کی شان سے یا مسواک سے کسی کے پیٹ کو کوٹنا، اس نے کہا یا رسول اللہ! اپنے بچے تکلیف پہنچائی، آپ خود کو قصاص کے لئے میرے حوالہ کیجئے، راوی کا بیان ہے کہ یہ سننے ہی
 فاعطاه العود الذی کان معہ فقال آپ نے جو کڑھی آپ کے ساتھ تھی، اس کے
 حوالہ کر کے فرمایا، تو قصاص ملے۔

وہ آپ کے شکر مبارک کے سامنے آیا، پھر کہنے لگا میں معاف کرنا ہوں، اس امید پر کہ آپ اس کے عوض
 قیامت میں میرے لئے شفاعت فرمائیں۔

جس دین کے پیڑھے علیٰ شریک علیہ السلام کا یہ حال ہو، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس میں ظلم زیادتی کی کسی
 لئے کوئی جگہ تلاش نکل سکتی ہے، اور جس دین کے قوانین اس قدر محکم اور نفسیات انسانی کے مطابق ہوں،
 اس میں کیا کمی ہے انہی سانس لے سکتی ہے؟ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس و امان اسلامی ہی قوانین
 اور ضابطہ حیات میں مغرب ہے۔ جب تک یہ خداوندی قوانین لوگ نہیں اپناتے، اطمینان و سکون کی نصیحت
 عالم میں پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔

اعضائے انسانی میں دیت | اعضائے انسانی میں سے اگر کوئی عضو اس طرح ٹوٹ جائے یا کٹ جائے، کہ
 پورا پورا بدلہ ممکن نہ ہو یعنی اس میں زیادتی کا خطرہ ہو، تو بجائے قصاص کے دیت و عوض مالی واجب
 ہوگی، تاکہ دوسری طرف سے جرم نہ بنے نہ پائے یا کوئی قصاص معاف کر کے دیت وصول کرنا چاہے
 تو مجروح کو اس کا بھی اختیار ہے۔

اسلام نے ہر عضو کی قیمت مقرر کر دی ہے، کہ اس کو نقصان پہنچانے کی شکل میں، مجرم کو یہ قیمت
 ادا کرنا ہوگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرمان اہل بین کو بھیجا تھا، اس میں مذکور تھا

ان فانی النفس الدیۃ ما شئت من الایمان میں دیت سوا دیت ہیں، اور ناک میں

دیت ہے جب اسے جیسے کاٹ ڈالا جائے

اور زبان میں دیت ہے اور دونوں ہاتھوں میں

فی الشیتین الدیتہ وفی الذکر	میں، اور شرم گاہ میں، اور دونوں فوطین میں
الدیتہ وفی البیضتین الدیتہ	اور ریشہ میں اور دونوں آنکھوں میں بھی
وفی الصلب الدیتہ وفی العینین	دیت ہے اور ایک پر میں آؤھی دیت ہے
الدیتہ وفی الرجل الواحد	اور مامور یعنی دماغ کے زخم میں تہائی دیت
نصف الدیتہ وفی المامومہ	ہے اور جائگہ یعنی پیٹ کے زخم میں بھی تہائی
ثلث الدیتہ وفی الجائغۃ ثلث	دیت ہے۔ اور منقہ یعنی میں زخم میں ہڈی
الدیتہ وفی المنقلۃ خمس عشرۃ	ٹوٹ جائے پندرہ اونٹ دیت ہے اور باقہ
من الاہل، وفی کل اصبع من اصابع	پر کی انگلیوں میں ہر انگلی میں دس اونٹ
الید والرجل عشر من الاہل	اور دانت میں پانچ اونٹ اور موصی یعنی اس
وفی السن خمس من الاہل	زخم جس میں ہڈی کھل جائے پانچ اونٹ
وفی الموضع خمس من الاہل	اور مرد و عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔
وان الرجل یقتل بالمرأۃ وعلی	اور سو والوں پر دیت ہزار اٹھارہ فی ہے۔
اہل الذہب الف دینار۔	دینار (المرام) (باقی)

اسلام پر اعتقاد نہیں بلکہ ایک نظامِ حیات بھی ہے
جو انسان کے اخلاقی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کا ایک گائیڈ باؤں چلنے والے انداز پر بیان کرتا ہے
اس نظامِ حیات کو روئے کار لانے اور مسلمانوں کو ایک مثالی
امت بنانے کی جو کوشش ہندوستان میں انجام دیکار ہی ہے
— سیرتِ روزہ فی حکومت دہلی —
اسی کوشش کا ثقیف ہے

سیرتِ روزہ دہلی پہنچے ہیں دس بار برتیرے دن شائع کیا جا آئے۔ ہر روز مسائل و امور کے مسائل
تصویریں ہیں جن کی آواز اہم خبروں، معلوماتی مضامین اور دینی مسائل پر مشتمل ہوتا ہے
چند سالانہ — ۱۶ روپے — ششماہی — ۸ روپے — سہ ماہی — ۴ روپے
مینبر سیرتِ روزہ فی حکومت کشن گنج - دہلی -

سند و ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ

رجال السند والهدى الى القرن السابع

(جناب مولانا ابو محفوظ الکَریم جناسمہومی لکچر تاریخ درس ایہ ملک)

(2)

مشرق بنگال کے ایک صاحب تحقیق ڈاکٹر محمد اسحاق نے احمد بن محمد القاضی اور احمد بن محمد بن صالح
 النبی القاضی کی ہر اگاہ شخصیتوں کو تسلیم کیا ہے: (India's Contribution to the Study of Hadith Literature)
 ۳۸
 ہوا ہے اور سید صاحب مرحوم کی تحریر سے جو سمائی کی ظاہری مباحث پر مبنی ہے انھوں نے اختلاف کیا ہے
 اور ابن حجر کی لسان المیزان کا حوالہ دیا ہے (جلد ۱ ص ۲۷۷) گویا اصل نکتہ کو پالینے کے بلو جو ذمہ میں وہ
 بیت صاحب مرحوم کی تحریر سے متفق ہو جاتے ہیں حالانکہ مبدئہ مستوط کو مان لینے کے بعد احمد بن محمد القاضی کی
 شخصیت کا احمد بن محمد بن صالح النبی کی شخصیت سے مختلف ہونے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا، بہر حال
 زیر تہر و کتاب کے مؤلف اس غلطی سے غصہ رہتے ہوئے ایک دوسری غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں جس کی
 وضاحت مطبوعہ بالا میں گزیر چکی ہے۔

(ب) الصیغہ مولیٰ کنندہ (رجال السند ۱۶۲)

مؤلف کو دھوکا ہو سکتا ہے شاید اسی نصیحتہ مولیٰ کنندہ کا ذکر یا قوت کی معجم البلدان میں القصة
بن عبد اللہ الغنیمت کے نام سے آیا ہو چنانچہ اشترک اسم کے علاوہ بعض قرآن کی بنا پر دونوں کو
جو کہ یہاں مختلف جہرۃ میں اسرار علیہ السلام

ایک تہذیب دینے کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ مؤلف نے العصۃ بن عبد اللہ القشیری کا حال کتب لمبقات و تراجم سے معلوم نہیں کیا ورنہ ان کو واضح طور پر معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں کے ایک ہونے کا احتمال کسی طرح صحیح نہیں۔ العصۃ بن عبد اللہ القشیری دولتِ امویہ زمانہ ۱۳۳ھ کے مشہور متغزل شعر اور میں تھا اس کا مفصل تذکرہ الآفانی میں درج ہے (درج ۵۴۳) اس کی وفات عہد بنی امیہ میں بلرستان کے کسی طاقتور میں ہوئی اس کے بالمقابل العصۃ مروی کنذا کا تیسری صدی کے وسط میں تھا ۲۵۵ھ کے قریب اس کو خود سر ہونے کا موقع سندھ میں ملا تھا جیسا کہ خود مؤلف کی تصریح ہے اس بعد زمانی کے باوجود دونوں کے ایک ہونے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔

(ج) مبارک الہندی المروزی (ساجال السند ص ۲)

کفایہ شیعہ کے حوالہ سے جو قصہ درج کیا گیا ہے وہ ذکر یا القزونی کی کتاب آثار البلاد میں لفظ مرد کے ماتحت درج ہے اس فرق کے ساتھ کہ کفایہ میں مبارک الہندی کا آثار و کالیک مجہول دولت مند شخص قرار دیا گیا ہے اور ذکر یا قزونی اس کو قاضی مرو لکھتے ہیں جس کا نام نوح بن مریم تھا کچھ اور جزوی اختلافات بھی دونوں کتابوں میں ملتے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آثار البلاد (ص ۲)

(د) محمد بن ابراہیم البیہقی (ساجال السند ص ۲)

ترجمہ کا آخذ یا قوت کی کتاب معجم البلدان ہے (لفظ بخران)۔ اسی شخص کا ذکر یا قوت نے لفظ بلخان کے تحت بھی کیا ہے اور صاحب ترجمہ کا نام محمد بن عبد الرحمن البیہقی بتایا ہے۔ معجم البلدان جلد ۱۱ ص ۱۱۱ مؤلف نے محمد بن عبد الرحمن کو محمد بن ابراہیم سے الگ سمجھ رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ابن ابراہیم کے ترجمہ میں صرف لفظ بخران کا حوالہ دیا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ دونوں دراصل ایک ہی شخص ہیں البتہ لفظ بخران کے تحت یا قوت نے اس کو محمد بن ابراہیم لکھا ہے جو محتاج ثبوت ہے۔ محمد بن عبد الرحمن ہے۔ دونوں کے ایک ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ہر دو متون پر یا قوت نے اس فقرہ کا اعادہ کیا ہے۔ ”حدثنا حماد بن عسید اللہ بن العباس بن رابع الخیرانی“ اس پر سنن زوید ہے کہ سمعی بن خیرانی کی نسبت میں حماد اللہ بن العباس بن رابع الخیرانی کے بارہ میں لکھتے ہیں۔ ”حدثنا محمد بن حماد بن عسید اللہ بن العباس بن رابع الخیرانی“

البیہانیؒ (الانساب ۵۵۵ رب) اس طرح یاقوت کا وہ بیان صحیح ثابت ہوا جو لفظ سلمان کے تحت درج ہے۔ ہمارے دعویٰ کو اس بات سے بھی تقویت پہنچی ہے کہ کتب تراجم و رجال میں محمد بن عبد الرحمن البیہانی کے شاگردوں میں عبید اللہ البخاری کا نام اور عبید اللہ البخاری کے تلامذہ میں اس کے شاگرد محمد بن عبد الرحمن البیہانی کا نام مذکور ہے لیکن محمد بن ابراہیم کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ اسماعیلی کے مذکورہ فقرہ کی توثیق حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب سے ہوتی ہے جس میں محمد بن عبد الرحمن کے ترجمہ کے تحت ان کے شاگرد عبید اللہ البخاری کا نام وارد ہے۔ تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۱۲ شاید مؤلف کو وہم ہو کہ تہذیب میں ہر موقع عبید اللہ بن ابی اس بن ریح الحارثی کا نام آیا ہے اس کے ازالہ کے لئے ہم تھریج کر دینا چاہتے ہیں کہ ابو الحارث دراصل بخران کا معروف قبیلہ ہے حافظ ابن حجر نے عبید اللہ کو قبیلہ سے منسوب کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ محمد بن ابراہیم البیہانی کا مستقل ترجمہ درج کرنا عبث ہے۔ اس کا ذکر محمد بن عبد الرحمن کے تحت ہونا تھا۔

ایک اور امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مؤلف نے اپنی طرف سے محمد بن ابراہیم کے نام کے ساتھ الہندی کی نسبت بڑھادی ہے حالانکہ خود یاقوت کی کتاب میں یہ نسبت موجود نہیں اور عجیب بات یہ ہو کہ یاقوت کا رجحان ہرگز یہ نہیں ہے کہ بیلان کو ہندو سند کے علاقوں میں گردانا جائے یا وجودیکہ البلاذری کے صحیح بیان سے اس کو واقفیت ہے اور اخیر میں اس نے بلاذری کا حوالہ درج کر دیا ہے یاقوت اپنے رجحان کا اظہار ان لفظوں میں کرتا ہے کہ۔ ”ولیشبه ان یکون بارض العین ینسب الیہ محمد بن عبد الرحمن البیہانی“ تو یاقوت کا یہ رجحان بالکل بے اصل بھی نہیں ہے اس لئے کہ ہامانی جن کو بلاذری ہندو سند سے پوری واقفیت ہے بلاذری کے قول کی سختی سے تردید کرتے نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ”لا اعرف بالسند ولا بالہند موضعاً یقال لہ بیلان و معارف ابی ہاشمؒ ہم ذاتی طور پر بلاذری کی تردید ضروری نہیں سمجھتے اس لئے کہ بیلان کو بلاذری خود ابن خرداد بہر بھی شمار کرتا ہے (المسالك ۳۷۶ یدن ۳۳۲)

(۵) مسعود بن سعد بن سلمان الشاعر اللہ ہوری (رجال السنہ ۳۳۲)

تختہ جہت ہے کہ مسعود کا ترجمہ مؤلف نے نہایت مختصر طرز ناقص و تشویش کیا ہے۔ اور اس کی

سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے جا حلقے اس کا قصیدہ لایہ صفوان بن صفوان الانصاری کے حوالے سے نقل کیا اور شکل الفاظ کی شرح کی ہے۔ صفوان الانصاری، داؤد بن مزید (یزید) مزربان البند کے روات میں تھارہ کھوا لیجوان جلد ۲۰، ۲۱، ۲۲ (الاسی ۱۹) دوسری جگہ صفوان کا مفصل بیان ملتا ہے کہ ابن شد جلی ہاتھوں کی تربیت کس طرح کرتے تھے اور ایک موقع پر مردوں کا ہاتھ مقابلہ بڑے خوناک ہاتھی سے ہو گیا تھا لیکن اس کی شجاعت و دلیری سے خوناک جنگی ہاتھی بھاگ نکلا اس واقعہ پر قصیدہ لایہ کے علاوہ مردان کے دو قطعے بھی درج ہیں، ایک قطعہ کا شعر ہے

مشیت الیہ وادعاً ممتیلاً
وقد وصلوا خرطومه بحسام دکل، شر

دوسرے قطعہ کا پہلا شعر ہے

ولما اتانی الفویہ بتدوئہ
بقائم سیف فاضل الطول والعرض دکل وشر

اس موقع پر ہرون بن فلان المولیٰ، مولیٰ الانصاس کے الفاظ ہیں۔ چونکہ مسودہ کا تاخذ کتاب الجوان ہے لہذا گمان غالب یہ ہے کہ مروج الذهب کے نسخوں میں موسیٰ کا لفظ دراصل مولیٰ کی قرظی ہے اور فلان کا لفظ درمیان سے ساقط ہو گیا ہے۔ ہم نے لکھا ہے کہ ابو دلف کا ہرون بن عبد اللہ بھی یہی مردان مولیٰ الاذوب ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ یزدنی ابو دلف کی روایت کے برابر اس کا نام ہرون بن عبد اللہ مولیٰ الاذوب تھا ہے اور پورا قطعہ میسرے نقل کرتا ہے جس کی نشاندہی ہم جا حلقہ کی کتاب الجوان کے حوالے سے کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو آثار البلاذری ص ۸۱۔ ۸۲) ۱۸۳۸ھ

(رنا) ابو الصلم السندی (رجال السند ص ۲۴)

مؤلف کے پیش نظر ابن الندیم اور ذکر یازدنی کی کتابیں ہیں۔ یزدنی کی آثار البلاذریں ابو الصلم صابوہر ہے اور انہرست لابن الندیم میں بھاوہر ہے۔ اس کی عربی نظم جو بہترین ہندی تراشہ ہے یزدنی آثار البلاذریں منقول ہے سبکی و فہرست صاحب مرحوم نے عرب و ہند کے تعلقات میں اور اس کے بعد ابو طغروردی مرحوم نے تاریخ ہند میں پوری نظم با ترجمہ نقل کی تھی۔ غالباً مؤلف نے براہ راست یہی کتاب کے رجوع نہیں کیا کیونکہ نظم میں سند و غلطی کے ہیں۔

اس شاعر کا ذکر کتاب الحيوان میں مفلحوں پر آیا ہے ایک جگہ اسی نظم کے پانچ شعر منقول ہیں اور ان کا
جلد ۱۷ صفحہ ۱۷۱ اور دوسری جگہ دوشنبہ جگہ کے راغب اصفہانی جلد ۴ ص ۶۴ کتاب الحيوان میں ابو المصالح اور ابو المصالح
بنیاد جلد ۱ ص ۱۷۱ ابن الندیم اور قزوینی کے نسخوں کا حال مذکور ہو چکا ہے۔ ہمارے خیال میں صحیح تہبط
ابو المصالح بنیاد مجہد ہے اس لئے کہ ابن الجراح کی کتاب کے واحد نسخہ میں اسی طرح لکھا ہے اور بڑی بات
یہ ہے کہ نعم الشعر کے ابواب الکنی میں ابو عبد اللہ المرزبانی حرف الفاء ابو کے تحت ابو المصالح السدی کا
نام درج کرتا ہے (مجموع الشعر ص ۱۷۱)

ابو المصالح السدی کا ذکر ابن الجراح کی کتاب الوردہ میں ملتا ہے۔ اس کے اشعار عقل۔ ابو ہرمان۔
عبد الحمید بن موسیٰ کی روایتوں سے نقل کئے گئے ہیں۔ عبد الحمید بن موسیٰ اس کو موسیٰ الہادی کا موسیٰ قرار
دیتا ہے اور عقل آل جعفر بن ابی طالب کے موسیٰ میں شمار کرتا ہے۔ اس کے بارہیں عقل ہی کے الفاظ ہیں
”نزل بغداد ومات بها وكان له اشعار فصاح ملاح“ پوری تفصیل کیلئے کتاب الوردہ
ص ۹۰۔ ۹۱ ملاحظہ ہو یہاں ابو المصالح کے دوشنبہ اب الوردہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔

يا نفس صبراً لا تهلكى يا سا قد فارقت الناس جلدك الناسا

صبراً جميلاً فلست اول من اورثته الطاعنات ومسا

۶۔ ہر چند کسی شخص کو سندی یا ہندی قرار دینے کے بارہ میں ہم مولف کے نقطہ نظر سے اپنا اختلاف
دل واضح کر چکے ہیں۔ یہاں مولف کے نقطہ نظر کے مطابق چند تراجم کی طرف اشارہ کر دینا چاہئے ہیں یہ
یقین ہے کہ بہت سے تراجم کتاب سے خارج رہ گئے ہیں جن کے لئے مزید تلاش و جستجو کی ضرورت تھی اور
تبصرہ کے لئے مواد کی فراہمی میں چند ترجیح جو سامنے آئے ہیں انہی کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔

الف) السدی بن مختار۔ اس کا ذکر طبری کی تاریخ میں کم از کم دو جگہوں میں آیا ہے اولاً
کے وفات کے ضمن میں عباس بن المأمون کی سازش میں شریک ہونے والوں کی فہرست میں۔ الفاظ
”والمسلم السدی بن مختار فامروا المقسم ان يوهب لاهيه بخمسة آلاف دينار“
لیکن یہ تلخیص نہیں من امر العباس فقال المقسم لا يوهب لاهيه بخمسة آلاف دينار“

سبیلہ از تاریخ الامم والملوک جلد ۳ ص ۱۳۶ مطبوعہ یورپ) ثانیاً مقہر بن التوکل کے عہد میں ایک فوج
رومیوں کے مقابل میں روانہ کی گئی تھی اس فوج کے میز پر بقول طبری سندی بن بخاشہ متنبین تھا اور ایضاً تاریخ
طبری جلد ۳ ص ۱۴۴ و قعات ششم۔ مؤلف کے نقطہ نظر کے بموجب اسی جہارت سے بخاشہ کا ترجمہ بھی
اخوذ ہو سکتا ہے۔

(ب) تاریخ طبری میں ایک شخص سندی بن عہم درہ کا نام آتا ہے اور ایک شخص سندی الجہم بھی مذکور ہے۔
(دیکھو فرست مرتبہ ذویہ ۱)

(ج) از کریا قرظی بیان کے ایک فاضل طبیب کا ذکر کرتا ہے قرظی کے الفاظ سے ذیل ہیں۔
”ینسب الیہا الحکیم فضل البامیانی کان حکیمًا فاضلاً عا سماً فابا نواح الحکمة وطلبہ
صاحب فارس اقبال سعد بن زنگی واکرمہ و احسن الیہ و قال اسید ان تحکم علی مولودہی
فقال افضل الا حکام النجومیۃ لایوثق بها، قد تصیب و تخفی لکنی افعل ذلک لسنۃ او
متین من الماضی فان وافق عملت للمستقبل فلما فعل ذلک قال الملك له ما اخطأت شیئاً
منہا وکان عندہ حتی مات (آثار البلاوس ۱۰۲)

(د) ابوالعباس بن السدی: محمد بن حارث الخثعمی کتاب علماء افریقیہ میں ابوالعباس بن السدی کا
مقہر ترجمہ درج کرتے ہیں کہ:-

”ومن رجال البصر رجل يعرف بابن العباس بن السدی، کان مذهبہ مذهب الشافعی
والنظر الا انه لم یکن ینفذ علمت من اهل المناظرۃ وکان ممن غوی بہ الشیعی وخذلہ
واخذ نعمتہ مات قبل سنۃ عشرین (علماء افریقیہ ص ۲۸۳ رقم ۱۲۷ منصر ۳۶)

(ه) مؤلف ہی کے نقطہ نظر کا اوقفا سے کہ مندرجہ ذیل ترجمہ بھی درج کتاب ہوتا،

”ابراہیم بن السندی بن علی بن بہرام ابواسحق کان یحبب بالحمۃ توفی سنۃ
ثلث عشت و ثلاثاً صاحب اصول، بروی عن محمد بن ابی عبد الرحمن المقرئ و محمد
بن زیاد الزیادی و تاریخ ابراہیم بن نعیم۔ جلد ۱ ص ۱۹۱ شاید اسی شخص کا ترجمہ مؤلف نے بنویں

ابراہیم بن علی بن السدی در جہاں السدس ۴۸ درج کیا ہے۔ اور صرف ابو نعیم کی کتاب حلیۃ الاولیاء کا اقتباس پیش کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ تاریخ اہمہان میں ابراہیم بن السدی بن علی ہے اور حلیۃ الاولیاء میں ابراہیم بن علی بن السدی۔ دونوں کے ایک ہونے کی تقدیر پر مؤلف کی یہ حکایت کہ لہو واقف علی ترجمہ فیہ ما ذکر تہذیب، دور ہو جاتی ہے کہ تاریخ اہمہان میں اس شخص کی تاریخ وفات سے دیگر تفصیلات صحیح ہے۔ موصوع کتاب کا تقاضا ہے کہ چند ایسے تراجم کی طرف اشارہ کر دیا جائے جو ہندوستان سے گہرا تعلق رکھنے کے باوجود کتاب کے وسیع دائرہ سے خارج رہ گئے ہیں۔

والفہام امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی اور ان کی اولاد و احفاد میں سے حماد و اسماعیل بن حماد کے تراجم نہ صرف توسعاً بلکہ نفس صریح روایات کی بنا پر موصوع کتاب سے واقعی تعلق رکھتے ہیں امام صاحب معروف روایت کی رو سے کابل سے تعلق رکھتے تھے ابن ہلکان کابل کے بارہویں کہتے ہیں: "وہی ناجیۃ من بلاد الہند روایات الایمان ج ۵/۳۹-۴۰ رقم ۳۶، طبعہ محی الدین عبد الحمید" اس روایت کی ہر تکمیل خود امام صاحب کو جہاں السدس الہند کے دائرہ میں کنج لانا پسند نہیں کرتے لیکن ایک دوسری روایت و کتب کی اخبار القضاۃ میں ملتی ہے جس کی رو سے امام صاحب کی اصیلت سندھ سے ثابت ہوتی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: "اخبرنی ابراہیم بن ابی عثمان قال حدثنی ابو خالد الاسلمی بن سید بن یحییٰ قال اخبرنی ہزان التیمی قال حدثنی ابی قال سأت ثابۃ ابی حنیفۃ شیخاً جندیا من مولد السند بخارآ قال وہو منی امرأۃ منایم الکلاخ راخبار القضاۃ جلد ۲ ص ۱۶۷ ترجمہ اسماعیل بن حماد مطبوعہ جمعہ سنہ ۱۲۵۷" اس روایت کے علاوہ امام صاحب کے ہر اعلیٰ کا نام زوطی ایک خالص ہندی قوم ہاشم بن زوطی: زوطی سے اس خاندان کا علاقہ ظاہر کرتا ہے۔

دب) برآئکہ کا خاندان حسب تحقیق سید صاحب مرحوم ہندی الاصل تھا اس کی پوری تفصیل سے دلائل و قرائن تاریخی و لغوی عرب و ہند کے تعلقات میں مذکور ہے موصوع کتاب کو اس شخص سے پوری واقفیت ہوگی لہذا برآئکہ کے تراجم سے کتاب کا خالی نہ جانا حیرت انگیز ہے اس خاندان کے صرف ایک

زود عمران بن موسیٰ بن یحییٰ البرکی کا تذکرہ صرف اس ضمیمہ کی بنا پر درج کیا گیا ہے کہ شاید اس کی ولادت و نشاۃِ سندھ میں ہوئی ہو (رجال السند ص ۱۸۹ - ۱۹۰) مگر چونکہ اس کی خاندان کی اصلیت مختلف یہ مسئلہ ہونے کے باوجود بدلائل را جمہ سندھ و ہند کی معلوم ہوتی ہے۔

(ج) ابو نعیم عمر بن محمد بن سلیمان الکرانی:۔ کران کی کئی تصنیفیں کتاب میں درج ہیں لیکن ابو نعیم کا ترجمہ خارج رہ گیا ہے۔ سمائی اس فاضل محدث کا تعارف ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔ ”ورد النفا وخرج الی الحجاز وحدث یحییٰ عن ابی الحسین محمد بن احمد البزاز (اصل: المزاہر) ساری غلہ ابوالقاسم الشیرازی (الانساب ۵۴۱/ظ) ابن اثیر کے الفاظ قدرے مختلف ہیں ملاحظہ ہو:۔“
”حدث عن ابی الحسین بن النعمان البزاز ساری عنہ ابو القاسم رعبیۃ اللہ بن عبد الوارث الشیرازی سمع منه بالبحران (الباب فی تہذیب الانساب جلد ۳/۱۷۴)

(د) عبد الرحمن بن ابیہان مولیٰ عمر بن الخطاب: مؤلف نے محمد بن عبد الرحمن البیلانی کا ترجمہ جن مراجع کی مدد سے مرتب کیا ہے (رجال السند ص ۲۳۱) ان کا مجموعی طور پر تعارف یہ تھا کہ خود عبد الرحمن البیلانی کی ذات نظر انداز نہ کی جاتی۔ چنانچہ سائی کی کتاب الضعفاء اور ابن حجر کی تہذیب التہذیب کے اقتباسات شاہد ہیں کہ عبد الرحمن البیلانی بھی درود و حدیث میں تھا اور محمد بن عبد الرحمن کو اپنے والد سے روایتیں پہنچی تھیں۔ ذیل میں عبد الرحمن کے ترجمہ کے لئے چند مراجع کی نشاندہی کی جاتی ہے۔
حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب میں مسبوہ ترجمہ درج ہے اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔ ”

مولیٰ حماد قال ابو حاتم عبد الرحمن بن ابی زید لہو ابن ابیہان فی التہذیب
جلد ۶ ص ۱۲۹ - ۱۵۰) سب سے قدیم ماخذ ابن سعد کی کتاب الطبقات الکبریٰ ہے اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ ”عبد الرحمن البیلانی من الاحماص احماص عمر بن الخطاب وقال عبد المنعم بن احماص کان من الانباء الذین کانوا باليمن وکان عینزل بخران وتوفی فی ولایۃ الموصل
بن عبد الملک (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۱۹۰ مطبوعہ یورپ) زبیدی شریع النعمان
میں رقم لکھتے ہیں۔“ عبد الرحمن بن ابی زید البیلانی مولیٰ عمر بن الخطاب نا اسی

عن ابن عباس و ابن عمر و ابن جابر و عن ابنه محمد و سبیلہ الراوی و ابن اسحق قال
ابو جاتم فیہ لہن و فکر و ابو حیان رکذا و صحیح ابن حبان فی الثقات کان من فحول الشعراء و تاج العرب
جلد ۸ ص ۷۵ حافظ صاحب جزرہ کے بیان کے مطابق بجز ایک صحابی سنی کے عبد الرحمن البلیانی کا مسلح
دوسرے صحابہ سے ثابت نہیں (دیکھو تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۵۰، الاصابہ ترجمہ سنی رقم ۴۰۱۸
طبع کلکتہ)

(رہ) مؤلف نے مختصر حاریہ کا ذکر چھپر کر سندھ کی ایک باد فروش عورت کی یاد تازہ کر دی جس کا
نام مشہور رند ابو دلاسمہ کی شاعری و زردی کے طفیل میں محفوظ رہ گیا ہے اس کا نام دوم تھا ابو دلاسمہ اور
اس سندھ کا تعلق اسحاق بن ابراہیم الموصلی کی زبان سے قابلِ شہید ہے۔ راوی ابن المقرب ہے: —
قال اسحق بن ابراہیم الموصلی: نزل بابی دلاسمہ اصیاف لہ فقد اھو ثوبیت الی سند
بناذرتہ یقال لھا دوم و ارسل الیھا بختہ فوجھت الیہ فشریھا ثلثا اعداد فبعثت باخری
رجاءت فقتلہ الثمن فقال لیس عندی ما اعطیک ولكن ادعولک فقال :-

الا یا دوم دامک النعیم و احمر ملاکفت مستقیم
شدید الاصل من یغف حالیا قوی قوتہ فهو عظیم
یعویہ الشباب و یزدھیہ و ینغم فیہ شیطان حیم

دیکھو کتاب البدیع ملائکب سمیریل سیرت زیدی واقعہ الآغانی میں مذکور ہے جلد ۹ ص ۱۳، ابو عبیدہ
معمربن النعمان کی روایت میں اس قصہ کا تعلق دو سرور مشہور و بدست شاعر الاقیس ہے را الاغانی جلد ۷
(۸۹)

(دو) تیسری صدی کے اوائل میں بہت متعجب باللہ لہرہ اور اس کے اطراف و جوانب میں بہت
انگریز کرنے والے جاٹ جڑگوں پر عجیب بن غبسمہ نے فتح پائی، یہ سب عورتوں بچوں سمیت گرفتار کر لئے
گئے ان میں ایک شاعر بھی تھا جس کا نام معلوم نہیں لیکن اس کی شاعری کا ایک دلچسپ نمونہ طبری
کے ذریعہ محفوظ رہ گیا ہے ہنتر کے وقائع کی تفصیل میں طبری نے ان خانہ بدوشوں کو گرفتار کر کے

بند اولائے جانے اور منہم بانہ کے سامنے کشتیوں پر سوار پیش کے جانے کی پوری کیفیت لکھی ہے۔
 انگریز یہ لوگ شامی سرحد پر مین درہ میں آباد کئے گئے جہاں درمیوں کے متواتر حملوں کا شکار ہوتے
 رہے پھر ان کے الفاظ ہیں: "فأعانت علیہم الرود فاجتأخوہم فلو یفلت منہم واحد
 فقال شاعرہم

یا اہل بغداد موتوا دمر غیظکم	شوقاً الی التمر ربینی و شہرینہ
نحن الذین خربناکم مجاہرۃ	قنایاً و متناً کو سوق المعاجیر
لو تشکروا للہ تعالیٰ سلفت	ولو تحوطوا ایادیہ تبغیرہ
فاستصری العبد من ابناؤد و لکم	من یا زمان و من بلج و من قوزہ
و من شناس و افشین و من فرج	المعلین بدی باج و ابرینہ
والابی کفخان الصین قد نزلت	اسدانہ در سر بر و از الدخارینہ
والحاملین الشکی یطت علائقہا	الی مناطق خاچہ غیر محزونہ
یفری بسیف من البندی ہا	نبوہلۃ فی ابناؤ فیر و فر
فواس خیلہم دھو متودعہ	علی الخراجیم منها و الفرارینہ
مسخرات لہافی الماء اجنحہ	کالانوس اذا استحضرن و الشیر
متی ترومو النافی غمر لہبتنا	حذراً نصید کو صید المعاقینہ
اراختطافاً و اسرافاً ما اختطف	طیر الرجال خائفاً بالشناقینہ
لیس الجلاہ جلاہ الرط فاعطرط	اکل الثرید و لا شرب القوافلینہ
نحن الذین سقینا الحرب دترتہا	و نقینہا مقاساتہ اکتوا لیزہ
لنسفنکم سفحاً یکدل لہ	سب السری و شیعی صاحب التیزہ
فانکوا علی التمر انکی اللہ اعینکم	فی کل اشی و فی نظیر و ذی سفیر

یہ نظم مولود خلی الفاظ کے مطالعہ میں نمود ہونے کے علاوہ ایک دلچسپ تاریخی دستاویز ہے

جس میں ہندو اور دولت عباسیہ کے لئے زبردستی چلیج موجود ہے۔ اور تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ اس گروہ پر عباسیوں کو اخیر میں فتح ماحصل ہوئی لیکن اس کے لئے بڑی قربانیاں پیش کرنی پڑی تھیں اور شاہ کا قول اپنی جگہ پر بالکل صحیح تھا کہ جاٹوں سے لڑنا ائمہ بزرگ کا ننگا نہیں رہی بلکہ ۱۱۶۹ء

۱۱۶۰ء مطبوعہ یورپ

(رہ) د نوز بن علی۔ یہ شخص غالب گمان یہ ہے کہ جاٹ تھا اور حضرت علیؑ کے کامیوں میں تھا چنانچہ درود بھر کے بعد حضرت علیؑ کے گرد پیش جو دغا دار جاہلین مختلف سرداروں کی سرکردگی میں جمع ہو گئی تھیں ان میں سے ایک گروہ زوط اور سیابجہ کا تھا جس کا سردار د نوز بن علی تھا رطبری جلد ۱ ص ۸۱ مطبوعہ یورپ

۸۔ کتاب کی جزوی فروگزاشتوں اور مطبعی غلطیوں پر ایک نظر ڈالنا اگلے موت نہ ہو گا چند مطبعی غلطی کی تصحیح ضرور کر لینی چاہیے کہ وہی ہے ضرورت فہم غلط نامہ شائع کرنے کی تھی ہم نے سرسری نظر میں مندرجہ ذیل غلطیاں جمع کر دیئے ہیں۔

عبد الرحمن الریان الہندی

الریان اس شخص کا تذکرہ تمام

کے ضمن میں نہیں کیا گیا ہے

المہوات

بالمہندی البیض

الاقصة

بعد مصعبہ

امعت فی عینہا

من

العزانی

قریم بن یوسف بن زید بن شاذان ہے جو

۳۱ المہوات

۳۲ بالمہندی البیض

۳۳ الاقصة

۳۴ بعد مصعبہ

۳۵ امعت فی عینہا

۳۶ من

۳۷ العزانی

۳۸ جاسر اکا الطیب

چانک دیا گیا، کی ترقیب ہے۔ جلد کا بھی چانک
کی عربی شکل ہے لیکن حرف النون کا راز سے
بدننا غلط ہے اس کی کتاب السوم کا نسخہ بریلین
کے علاوہ کئی دوسرے مقامات میں محفوظ ہے
سب نسخوں کی مدد سے یہ کتاب شائع کی گئی

الشواہد

دستا السحابہ

نیہانی اُبی

ذیل النوی

وكانت ---

صحیح بہ اسقاط "سوی"

حدیثا منکر از سمعی الانساب (مطب)

ونوہ با سسی

یحزری علی الادب

البيرون التي ينسب

... اقل جبارا جن

ولم يسمعه

عبد الله بن العباس (التمهيد ۱۳۶)

بالمهند البیض

... المکری والانساب (مطب)

۹۹ الشواہد

۱۰۰ درسا السحابہ

۱۰۱ نیہانی اُبی

۱۰۲ ذیل النوی

۱۰۳ وكان من اجل النساء

۱۰۴ الہادری، سوی شیخ

۱۰۵ حدیثا منکر

۱۰۶ ولوہ با سسی

۱۰۷ یحزری علی الادب

۱۰۸ البيرون التي ينسب التي

۱۰۹ غیران اقل او ابن

۱۱۰ ولم يسمعه

۱۱۱ عبد الله بن العباس

۱۱۲ بالمهند البیض

۱۱۳ احمد بن موسى السكري

۱۱۴ مکتبہ کے لیے کتاب سے متن ایضاً نقل کیا گیا ہے۔

محمد بن محمد بن خلف	٢٣٥ محمد بن محمد بن خلف
رمح البحر (البلدان ٢/٣٤٦ يورپ)	رمح البحر (البلدان)
واصحاب الجبل	٢٣٦ واصحاب الجبل
نطن الاسد	٢٣٧ نطن الاسد
واكرم من فتنة دولت	٢٣٨ والكرم من فتنة دوله
الحشيش	٢٣٩ الحشيش
غليظ الوراق (٩)	٢٤٠ غليظ الوراق
مخيط خفيف	٢٤١ بمخيط خفيف
قول الاضاري	٢٤٢ قول الاضاري
بلا مثل	٢٤٣ بلا مثل
اذا ما مدح الهند	٢٤٤ اذا ما مدح وسهم الهند
لستعل	٢٤٥ لستعل
الافاديه - ٢٤٦ الكوك - الكوك (الكوك)	٢٤٦ الافاديه
الجبل	٢٤٧ الجبل
هزنت اهتر	٢٤٨ هزنت اهتر
المجفل	٢٤٩ المجفل
منجلان دبا ليم	٢٥٠ منجلان
فما اسر حديد	٢٥١ فما اسر حديد
طلبت بها الاخوة	٢٥٢ طلبت بها الاخوة
جآشهن	٢٥٣ جآشهن
لمجد	٢٥٤ لمجد

خودم

۲۴۸ قطع

قامر صحر القمرا

۲۴۷ قامر صحر عابد صحر

یا بن سلیم

۲۴۹ یا سلیم

..... حدید تا

۲۴۶ فما اسوحدید

بفصیح من صائم العلمان

۲۴۵ بفصیح صائم من صائم العلمان

بکل لسان

۲۴۴ کل لسان

بعض بیانی

۲۴۳ بعض بیانی

بعض الزواجا

۲۴۲ بعض الزواجا

ابن قاضی در اہل شائق کے سر پرست

۲۴۱ ابن قاضی الہندی ہوشا شائق

کا نام ہے جس کے لئے شائق نے کتاب السوم

لکھی تھی خود شائق کو ابن قاضی قرار دیا

فلطیفہ تعجب ہے کہ مولف نے ابن ابی امیہ

کی جہارت نقل کرنے کے باوجود یہ غلطی کی

ہے (رجال السند ۱۵۵)

الطیب

۲۹۱ الطیب

کئے کو اور بہت سی باتیں تھیں لیکن فروری بایں تا سریش کی جا چکی ہیں جس یقین پر کہ ہمارے نشانزدہ تمام نقاد بحث سے مولف کتاب یا دوسرے اہل نظر و تحقیق کا اتفاق کرنا فروری نہیں کرے اپنے خیالات کی وضاحت میں اپنی صلاحیت کو نہ تکمیل دلائل و شواہد بھی ہم پہنچائے ہیں۔

دو جلد کتاب السوم کے نسخے برلین کے علاوہ استانبول، ہامبل اور دارالکتب المہرج میں محفوظ ہیں ان تمام نسخوں کو سامنے رکھ کر کتاب کی تصحیح کی گئی ہے۔ ۱۹۳۳ء میں برلین سے شائع کی گئی ایڈیٹر کا نام *Bettine Strauss* ہے کتاب کی ایک فصل خلیفہ امون الرشید کے حکم سے ہنر کر دی گئی تھی، غالباً اس فصل میں لڑکیوں کو زہر خوردنی کی بات کہنے کی ترکیب لکھی گئی تھی بداس ہر سید الخیر کے اہل انظار ہیں۔ یہ قال للامامین فیہا انہ یسقطون هذا کتبہ تحت الجلیبۃ المسمرۃ کان هذا اصل الجاہلیۃ من الہند ولا حاجۃ بنا الیہ لکاتبہ یتلف

فیہ الف خلیل من قبل ابن سیرین و اصل کتبہ طاعت من هذا الکتاب و کتاب السوم متا سلو و جلد ۱۰۱۵۱۵

اختلاف فقہاء کے اسباب

(انڈیا محمد تقی امینی صدر دارالعلوم مینیدہ ونگاہ نرلف اجیرا)

اختلاف کے بنیادی حیثیت | ذیل میں اختلاف فقہاء کے اسباب بیان کئے جاتے ہیں غور سے دیکھا جائے تو
کچھ دو بڑے سبب ہیں | بڑی حد تک یہ اختلاف دو سبب پر مبنی ہے (۱) صحابہ و تابعین کا اختلاف
اور (۲) حالات و تغایر کا اختلاف ہر ایک کی تفصیل یہ ہے،

(۱) صحابہ کرام کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی قرآن حکیم کے تشریحی و توضیحی
نوٹ تھے آپ کی عبادتیں فتاویٰ فیصلے وغیرہ محفوظ تھے۔ موت و عمل کی مناسبت اور قرآن کی ولایت
سے ہر فعل اور حکم کا عمل متعین کر کے اس پر عمل کرتے تھے۔ اور انھیں کوئی دشواری نہ پیش آتی تھی۔
عاجب انھیں مختلف مقامات پر تمدنی زندگی کی نئے نئے حالات و مسائل سے سابقہ پڑا اور
جو کچھ ان کے ذخیرہ میں موجود و محفوظ تھا اس کا دامن ان حالات و مسائل کو سمیٹنے کے لئے ایک ہر
تک ناکافی ثابت ہوا تو ان حضرات نے اپنی رائے سے اجتہاد کرنا شروع کیا اور علت دریافت کر کے
اس کے ذریعہ مسائل کا استنباط کیا اور ضرورتوں کو پوری فرمایا۔ اس طرح نظام تشریحی کو ابلی
پالیسی کے موافق بنایا۔

صحابہ کے حق کی تفصیل | ملت دریافت کرنے اور اجتہاد کے مطابق حکم دینے کے بعد چند صورتیں
پیدا ہوئیں۔

(۲) ایک صحابی نے اجتہاد سے کوئی حکم صادر فرمایا لیکن دوسرے اصحاب کے پاس یہ حدیث
موجود تھی اور اس میں اجتہادی حکم کے خلاف حکم تھا تو صحابی نے حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے
باقی حکم سے رجوع فرمایا۔

(ب) اجتہادی حکم کے خلاف صحیح حدیث تو نہ دریافت ہو سکی لیکن اجتہاد کے مقابلہ میں وہ حدیث زیادہ قوی ثابت ہوئی ایسی صورت میں بھی حدیث پر عمل کیا اور اجتہادی حکم چھوڑ دیا۔

(ج) اجتہادی حکم کے خلاف ایسی حدیث نہ دریافت ہوئی کہ جس سے قلب کو اطمینان حاصل تھا اور سبائی نے اُسے کے خلاف تقویت پہنچتی تو اجتہادی حکم ہی کو باقی رکھا اور حدیث پر عمل نہ کیا۔

(د) حدیث کے موجود ہوتے ہوئے بھی بعض اصحاب تک وہ نہ پہنچ سکی اور اس کے خلاف لاعلمی کی حالت میں اپنے اجتہاد سے حکم صادر فرمایا اور اسی پر قائم رہے۔

رہے اور اجتہاد سے حکم دینے کے بعد اختلاف کی مذکورہ چار صورتیں پیدا ہوئی تھیں وریں سابق حکم سے رجوع نہیں کیا گیا یا تو حدیث کی عدم صحت کی وجہ سے اور یا حدیث نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ دونوں صورتیں بعد میں اختلاف کا سبب قرار پائیں۔

(۲) موقع و محل کی مناسبت سے بعض اصحاب نے رسول اللہ کے فعل کو تا نوئی حیثیت دی اور بعض نے اعتباری حیثیت میں رکھا۔ بعض نے فعل کو ثابت و برقرار رکھا اور بعض نے حالات و احوال پر محمول کر کے اس کی منت مٹین کی۔ یہ فرق بھی آگے چل کر بعض مسائل میں اختلاف کا سبب بنا۔

(۳) رسول اللہ کے فعل کو دیکھ کر بعض صحابہ نے کسی صورت پر محمول کیا اور بعض نے کسی پر اور بعض دونوں کا احتمال رکھا تھا مثلًا حج کے افعال دیکھ کر کسی نے سمجھا کہ رسول اللہ فاران درج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کرنے والے تھے اور کسی نے تمتع (پہلے عمرہ اور پھر حج کرنے والے) سمجھا اور کسی نے نذر بچانا۔

(۴) موقع اور محل کی تعیین میں بعض اصحاب سے سہواً اندیشاں ہو گیا اور خلاف حکم دیا۔

(۵) اہل موقع و محل تک مسائی نہ ہو سکی جس کی بنا پر حکام کی توجہ میں اختلاف ہوا۔

(۶) حکم کی قلت میں اختلاف ہوا کسی نے اس کی کوئی علت نکالی اور کسی نے کوئی علت قرار دی اور پھر بعد میں اس سے استنباط میں اختلاف رونما ہوا۔

(۷) دو مختلف صورتوں کے موقع و محل کی تعیین میں اختلاف ہوا کسی نے ضرورت پر محمول کیا اور کسی نے محلی حکم ثابت کیا جس سے بعض مسائل میں اختلاف کی شکل پیدا ہوئی۔

ظاہر ہے کہ اختلاف صحابہؓ میں موجود تھا ہر نامی کو یہ سہولت نہ حاصل تھی کہ تمام صحابہؓ کے مختلف اقوال جمع کر کے ان میں باہمی تطبیق و ترمیم کی صورت نکالنا تا پھر بھی ان حضرات نے جہاں تک ان کے بس میں تھا مختلف اقوال جمع کئے اور ان میں بعض کو بعض پر قوی دلیل کی بنا پر ترجیح دی جو اقوال مکرر و نظر آتے انہیں جموڑ لینے کی ترغیب کی اگرچہ ان میں بعض ایسے بھی تھے جو کسی دلیل انقدر صحابی سے مروی تھے۔ علم و تحقیق کی دنیا اور ہے اور جذبات کی دنیا بالکل دوسری ہے ان بزرگوں نے علم و تحقیق کے معیار پر اسبق کو جانچا اور پھر کھانا دھت کے جذبہ سے سرشار ہونے کے باوجود رد و قبول کے معاملہ میں کسی قسم کی رورعایت نہ کی۔

ترتیب و تدوین کے وقت فقہائے درج ذیل چیزیں تھیں جو فقہ کی ترتیب و تدوین میں کام آئیں۔

(۳) صحابہ کے اقوال۔

(۵) تابعین کی رائیں۔

(۶) تابعین کے اخلاقی مسائل۔

(۷) حالات و تعاضا۔

(۸) حالات و تعاضا کا اختلاف۔

طریق کاریہ تھا کہ قرآن و سنت کا مکمل و مقام تسلیم کرنے میں صحابہؓ کے اقوال کو ترجیح دیتے تھے پھر تابعین کی طرف رجوع کرتے تھے اگر فیصلہ کن بات نہ سمجھ میں آتی اور اختلاف میں ترجیحی صورت نہ نکل سکتی تو اپنے شیوخ (استاذہ) اور قریب کے دیگر علماء کے اقوال کو ترجیح دے کر مسائل کا استنباط کرتے تھے۔ اس طریق کاری میں متفق ہونے کے باوجود اختلاف کی درج ذیل صورتیں تھیں۔

صحابہؓ کے اختلاف پر (۱) معانی کے سمجھنے میں صحابہؓ کا اختلاف جیسے لفظ قوم کو کسی نے ایک معنی میں لیا اور بنی چند صورتیں | کسی نے دوسرے معنی میں لیا۔

(۲) قرآن و سنت کے موقع و محل کے تئیں میں صحابہؓ کا اختلاف۔

(۳) سنت کو قانونی حیثیت دینے اور قبول کرنے کے شرائط میں اختلاف۔

(۴) صحابہؓ کے مختلف اقوال کا مختلف تابعین کے ذریعہ پہنچنا اور اپنی اپنی معلومات کی بنا پر ترجیحی صورت قائم کرنا، کسی کے نزدیک ترجیح کی کوئی صورت تھی اور کسی کے نزدیک دوسری تھی۔

(۵) اپنے اپنے شیوخ اور قریب کے لوگوں سے استفادہ اور ان کی راہوں کو ترجیح دینا۔

(۶) اخلاقی ائمہ میں اپنے اپنے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق فیصلہ کرنا۔

(۷) ایسی ہدایت کی دریافت جو تابعین سے انھیں نہ پہنچی تھی ایسی صورت میں ہدایت کو ترجیح دینا اور تابعین کے اقوال کو رد کر دینا پھر کسی کو یہ ہدایت پہنچی اور کسی کو نہ پہنچی۔

(۸) ایک ہدایت کسی کو ایسے ذریعہ سے پہنچی جو اس کے نزدیک قابل اعتبار تھا اور دوسرے کو اس ذریعہ سے نہ پہنچی اس بنا پر ایک نے قبول کیا اور دوسرے نے قبول نہ کیا۔

(۹) بعض ہدایت کے متعلق میں صحابہؓ کے اقوال کی طرف رجوع کرنا اور کسی غیر ہدایت پر عمل کرنا۔

حق کا اقرار پر عمل کرنا۔

(۹) خود صحابہ کے اقوال و افعال میں تمام و محل کی تعیین میں اختلاف۔

(۱۰) تابعین کے اقوال و افعال میں بھی مذکورہ قسم کا اختلاف۔

حالات و تقاضا پر مبنی اختلاف کی چند صورتیں

(۲) یہ صورتیں صحابہ و تابعین کے اختلاف پر مبنی تھیں حالات و تقاضا پر مبنی درج ذیل صورتیں تھیں۔

(۱) حکم کی علت میں اختلاف اس کی ایک صورت صحابہ کے اختلاف پر مبنی تھی اور دوسری صورت حالات و تقاضا پر مبنی تھی۔

(۲) منہجئے حالات و مسائل کا حل دریافت کر کے کیلئے مختلف اہول وضع کرنا اور مقررہ اہول کے تحت ان کا حل دریافت کرنا کسی نے اس کے لئے کوئی اہول وضع کیا اور کسی نے دوسرے اہول سے کام لیا۔

(۳) حالات و ضرورت کی نوعیت و کیفیت میں اختلاف اور انھیں کسی اہول کے ماتحت لانے اور نڈلانے کے طریقہ میں اختلاف۔

(۴) استدلال و استنباط کے طریقوں میں اختلاف۔

(۵) تابعین کی شریعت کہیں کسی شریعت کے بقایا احکام موجود تھے اور کہیں کسی کے اور ان کے آپس میں اختلاف تھا۔

(۶) عرف و رواج کا اختلاف۔

(۷) ملکی قانون کا اختلاف۔

نوض یہ وجوہات تھے جن کی بنا پر مختلف فقہاء کے مختلف مذاہب قائم ہوئے بعض کے ختم ہو گئے بعض کی رفتار ترقی مست رہی اور بعض کو زیادہ ترقی حاصل ہوئی اسی طرح بعض فقہاء کو علیٰ ضرورت یا تہ سے زیادہ سابقہ پڑا بعض کو کم اور بعض کو نہایت کم۔ اگر عمومی حیثیت سے ان حضرات کو قانون کی عملی ضروریات سے براہ راست سابقہ پڑتا تو یقیناً فقہ میں دست اس سے زیادہ ہوتی جو اس وقت ہے جیسا کہ نام پورسٹ وغیرہ کی کتاب اطراف وغیرہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ فقہاء متقدمین میں بھی دست ملکی کے

لوگوں میں مختلف اسباب کی بنا پر وہ درست ہی ناپید ہے۔

مذہب اور فقہاء اور محدثین اور فقہاء کے نوعیت کار میں فرق کو بھی سمجھ لینا چاہیے تاکہ مذکورہ اختلافات متقابل نہ تھے

کے سمجھنے میں سہولت ہو۔ اصل یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابل ہو کر مخالف نہ تھے بلکہ کام کی نوعیت میں فرق تھا ایک کام کرنا تو جہ فقہ کی ترتیب تکمیل کا تھا اور دوسرے کام حدیث کی تشریح و ترمیم تھا۔ اس بنا پر لازمی طور سے احکام و مسائل کی دریافت میں ایک حد تک فرق رونما ہو گا۔ لیکن کوئی نفعیہ بھی ایسا نہیں ہے جو حدیث کی موجودگی اور اس تک محنت کے ساتھ پہنچنے کی صورت میں وہ اپنی رائے اور اجتہاد کو ترجیح دے۔ اسی طرح کوئی محدث ایسا نہیں ہے جو حالت و ضرورت کی بنا پر احکام و مسائل کا حل نہ دریافت کرے البتہ نفعیہ اپنے مقررہ اصول و ضوابط کے تحت مسئلہ کا حل تلاش کرے گا اور محدث اوپر کی کسی سند کے تحت اس کا جواب دے گا۔ محدث کے سامنے چونکہ دوسری راہیں ایک حد تک سد ہوئیں اس بنا پر روایتوں کے قبول کرنے میں وہ لازمی طور پر فراخ حوصلہ ہو گا اور نفعیہ کے سامنے دوسری راہیں بھی ہیں اس لئے روایتوں کو زیادہ جانچ کر کہہ کر قبول کرے گا۔

مذہب کا طریقہ | اس کے علاوہ دونوں کے مزاج اور طبیعت میں بھی اختلاف ہے ایک پر روایت کا غلبہ ہے اور دوسرے پر روایت کا غلبہ ہے اس کا اثر بھی احوال و مسائل کی دریافت میں رونما ہو گا۔ مثلاً سنت سے مسائل کے استنباط میں محدث اس کی رعایت نہ کرے گا کہ فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے یا نہیں کیا اس کے راوی کسی خاص شہر اور گھر کے باشندہ ہیں یا کسی خاص طریقہ سے مروی ہے یا نہیں ہے۔ صحابہ کا مل ثابت ہے یا نہیں ثابت ہے حدیث کی موجودگی میں محدث کسی صحابی کے قول اور کسی مجتہد کے اجتہاد کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہ سمجھے گا۔ ہاں اگر حدیث انتہائی تلاش کے باوجود نہ مل سکی تو پھر صحابہ و تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کرے گا، ان میں بھی کسی شہر اور کسی طبقہ کی خصوصیت نہ ملحوظ رکھے گا البتہ اقوال کے اختلاف کی صورت میں اس کے قول کو ترجیح دے گا جو زیادہ عالم زیادہ پیچیدہ ہو گا۔

نیا دیا رکھنے والا صدیق اکبر (ع) کی حدیث کی گنجینہ کی صورت ہے۔

اور کتبہ کے طریق سے ترجمی صورت پیدا کر لے گا کہ جس مسئلہ کی صورت میں عمل دُعا ہو گا اس سے عملی کام نہ چلا تو مجبور ہو کر کسی شخص سے جلتے مسئلہ پر سرسری نظر ڈال کر دیا ہی حکم صادر کرے گا لیکن فقہاء کے مقرر کردہ قیاس کے فقہی قواعد کی پابندی کا لحاظ نہ رکھے گا۔

تدوین حدیث سے ایک | محدثین کے تدوین حدیث کے کارنامہ نے امت کو ایک بڑے فتنے سے بچا یا ہے، بڑے فتنے کا اندازہ | اور عقل کا دوا نہ کھٹکنے کے بعد پھر اس کو قاعدہ و قانون کا پابند بنانا نہایت مشکل تھا۔ امت کو اعتدال پر رکھنے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ ایک طبقہ ایسا پیدا ہو جو عقل اور رائے کے آزادانہ استعمال کی مخالفت کرے اور علی طور پر اس کا ثبوت فراہم کر دے کہ محدث طریقہ پر عقل اور رائے کے اعتبار سے بھی کام چل جاتا ہے۔

محدثین نے جس بلند ہمتی اور عالی ظرفی سے تدوین حدیث کے فرائض انجام دیئے ہیں تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے جس قدر قیامت نظام تھا اور قدرت ہی نے ان حضرات سے یہ کام لیا ان کی جدوجہد کی بدولت بہت سی وہ روایتیں بھی جمع اور عام ہو گئیں جو بعض فقہاء تک نہ پہنچی تھیں یا ان کی طرف نہ آیا تو جہ نہ کی گئی تھی۔ ان حضرات میں جو تحقیق تھے انہوں نے من روایت کو مستعمل فن کی حیثیت دی اس کے اہول و غول بطور مقرر کے حدیث کے جانچنے کے طریقے وضع کئے حدیث کے درجے اور مراتب قائم کئے یہ ساری باتیں نہایت شاندار اور نفیس ہیں جن کے مطالعہ کے بعد ہی انسان کی خوبی سے واقف ہو سکتا ہے۔

اشاعت اسلام (معدہ جدید حواشی)

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کی شہرہ آفاق کتاب کا بہترین ایڈیشن۔
کتبہ برہان نے کمال ایک سال کی محنت کے بعد اس کے حواشی تیار کر دیئے ہیں، حواشی کی تلاش میں کاوش اور دیر ہیزی سے کام لیا گیا ہے۔ قیمت غیر معتد بہ روپے۔

تاریخ الروۃ

(جناب ڈاکٹر فرید احمد طارق صاحب استاد ادبیات عربی دہلی یونیورسٹی)

(۶)

قرۃ بن مہیرہ کو ابو بکرؓ کے پاس لایا گیا، اُس نے کہا: رسول اللہؐ کے خلیفہ، بعد میں کافر نہیں ہوا، عمرو بن العاص سے پوچھئے، وہ میری وفاداری اسلام کی شہادت دیں گے، جب وہ غان سے آ رہے تھے تو میں اپنی قوم کے ساتھ آدمی بے گرانہ کی حفاظت کرنے نکلا تھا، اور اس پہلے میں نے ان کی خوب آؤ بھگت کی اور اونٹ خرچ کئے، ابو بکر صدیقؓ نے عمرو سے پوچھا تو انہوں نے کہا: میں قرۃ کے گھر ٹھہرا، میں نے کسی کو ان سے زیادہ جہان نواز نہیں پایا، یہی نہیں وہ خطرناک علاقہ سے نکلنے کے لئے اپنے ساتھ آدمی لے کر میرے ساتھ گئے، پھر عمرو نے وہ باتیں ابو بکر صدیقؓ کو سنائیں جو قرۃ نے بطور خبرنگالی ان سے کی تھیں، اس پر قرۃ نے کہا: رہنے دو ان باتوں کو عمرو! عمرو: تم رہنے دیتے تو میں بھی رہنے دیتا، ابو بکرؓ نے قرۃ کو کوئی سزا نہ دی، اور معاف کر دیا، اور امان نامہ لکھ دیا، عینہ نے بھی اپنی برأت پیش کی، ابو بکرؓ نے اس کو بھی معاف کر دیا، اور امان نامہ لکھ دیا، حالانکہ وہ ہنوعامر کے ان اکابر میں تھا جو اسلام سے باغی ہو گئے تھے، ان اکابر میں علقمہ بن علقمہ نے تو یہ نہیں کی اور اتراد پر قائم رہا، ابو بکر صدیقؓ نے اس کی لڑائی کی اور بیوی کو گرفتار کرنے پر لوگ مامور کر دیئے۔ اس پر اس کی بیوی نے کہا: ابو بکرؓ ہوتے کون ہیں مجھے گرفتار کرنے والے، علقمہ کافر ہوا تو ہوا میں تو نہیں جڑی، ابو بکر صدیقؓ نے اس سے تعرض نہ کیا۔ عمر فاروقؓ کے زمانہ میں علقمہ نے دوبارہ اسلام قبول کیا تو خلیفہ نے اس کی بیوی کو سسرال لے چکی، اہانت دیدی۔

خالد بن ولیدؓ نے ہوا مہر اور دوسرے مرتد باغیوں سے جوان کے پاس آئے اور جنوں نے وفاداری اسلام کا عہد لیا وہ سارے ہتھیار رکھوائے جوان کے پاس آئے اور چھ ہتھیاروں کے لئے قسم لی جس نے قسم کھالی اس کو چھوڑ دیا، اور جس نے قسم کھانے سے انکار کیا اس کو گرفتار کر لیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک وہ چھپے ہتھیار نہ لے آیا، اس طرح خالدؓ نے بہت سے ہتھیار فراہم کر لئے اور ان لوگوں کو دیئے جنہیں ضرورت تھی، ہتھیار اور ہتھیار پانے والے کے نام رجسٹر کر لئے گئے اور جب لڑائی ختم ہوئی تو لینے والوں نے ہتھیار واپس کر دیئے یہ سب ہتھیار خالدؓ، ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں لے گئے۔

یزید بن شریک فزاری کے والد نے بیان کیا کہ جب خالد بن ولیدؓ بڑا بچہ تھا ہم سے فارغ ہوئے تو میں اسداور مطلقان کے ایک وفد کے ساتھ ابو بکر صدیقؓ سے ملا، اسداور مطلقان کے بہت سے لوگ اپنے علاقے کھسنے لگے تھے اور ابو بکر صدیقؓ کے پاس جمع ہو رہے تھے ان میں سے کچھ نے خالدؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور کچھ نے نہیں کی تھی۔ ہمارا وفد ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا وفد سے غلیضہ لیا: دو باتوں میں کوئی ایک پسند کر لو، حرب علیہ یا سلم خزیمہ، وفد کے ایک سربراہ اور دو رکن غار بن حصین فزاری نے کہا: حرب علیہ سے تو ہم واقف ہیں، لیکن سلم خزیمہ ہم نہیں پہنتے، ابو بکر صدیقؓ: وہ یہ ہے کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ ہمارے مقتول جنت میں جائیں گے اور تمہارے دوزخ میں، ہماری جن چیزوں پر تم قابض ہو دو، ٹوٹا دو گے اور ہم تمہاری کوئی چیز نہیں ٹوٹائیں گے، تم ہمارے مقتولوں کا خون بہا دو گے اور ہم تمہارے مقتولوں کا خون بہا نہیں دیں گے، اور ہمارے ہر مقتول کا خون بہاؤ، اونٹ ہوں گے جن میں سے چالیس حاطہ اونٹیاں ہوں گی، ہم تمہاری ساری زمین اور گھوڑے لے لیں گے اور تمہیں اونٹ چراسنے کے لئے چھوڑ دیں گے اور دیکھیں گے کہ تمہارا طرز عمل معاندانہ رہتا ہے یا تم اسلام کے وفادار ہو جاتے ہو۔ خالد بن حصین: خلیفہ رسول اللہؐ تم اسلام کے وفادار رہیں گے، ابو بکر صدیقؓ: اچھا تو اس بات کا چھوڑ دو کہ پوری طرح قرآن کے مطابق زندگی گزارو گے اور اپنے بال بچوں کو قرآن کی تعلیم دو گے

اور ہسپتال کی نجات دلا کر دے گا۔" وفد نے ان سب باتوں کا امد کیا۔ ابو بکر صدیقؓ نے جتنی زمینیں اور گھوڑے ہو سکے اس قدر مٹھان سے لے لئے۔ ان کی وفات پر عمر فاروقؓ نے یہ دیکھ کر کہ اسلام کی جڑ مضبوط ہو گئی ہے زمینیں اور گھوڑے ان کے مالکوں یا مالکوں کے قریبی رشتہ داروں کو لوٹا دئے۔ جب خالدؓ نے طلحہ بنو عامر اور اس پاس کے باغیوں کو ٹھکانے لگا چکے تو انھوں نے ظاہر کیا کہ ابو بکر صدیقؓ کا حکم ہے کہ وہ بنو تميم اور یمامہ (بنو حنیفہ) کا رنج کریں، انھار کے لیڈر ثابت بن قیس نے کہا میں تو یہ ہدایت ہے نہیں اور ہم تو آگے نہیں جائیں گے اور یہیں ٹھہر کر حنیفہ کی اگلی ہدایات کا انتظار کریں گے، ہم کافی کمزور ہو گئے ہیں، مسلمان تھک گئے ہیں، اور ان کے گھوڑے دبیلے ہو گئے ہیں۔ خالدؓ میں کسی کو مجبور نہیں کرتا، اگر چاہو تو میرے ساتھ چلو اور چاہو تو یہیں ٹھہرے۔ یہ کہہ کر خالدؓ اور وہ ہاجر و عرب جو چلے کو تیار ہوئے، بنو تميم کے علاقہ اور یمامہ کی طرف بڑھ گئے۔ انھار ایک یا دو دن ٹھہرے سبے پھر ان میں باہمی علامت شروع ہوئی، انھوں نے کہا ہمارا اقدام عقل و مصلحت کے خلاف ہے، بخدا اگر مسلمانوں کو شکست ہوئی تو وہ کہیں گے تم نے ان کے ساتھ فداہی کی اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا، اس رسوائی کا داغ کبھی ہمارے ماتھے سے نہیں جھوٹے گا، اگر خالدؓ کی فوج کو فتح حاصل ہوئی تو ہم اس نعمت سے محروم رہو گے، لہذا اٹھا لے کر کھلا دو کہ اٹھا ٹھہر جائیں کہ ہم ان سے آمیں۔ انھار نے سمو بن سنان اور بقول بعض ثعلبہ بن غنمہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا، خالدؓ نے پیش قدمی رد کر دی اور جب انھار ان کے کیمپ کے نزدیک آ گئے تو وہ اور ان کی فوج نو واردوں کا استقبال کرنے بڑھے (۲۳)۔ انھار خالدؓ کے کیمپ میں فروکش ہوئے۔

خالدؓ کی فوج کے ساتھ بھار کے غلٹان آئے جو بنو تميم کے علاقہ میں تھا، یہاں کوئی مخالف پارٹی ان کو نہیں ملی، انھوں نے اس پاس دستے بھیج دیئے خود ان کے دستے میں ابو قتادہ انھاریؓ بھی تھے، ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ میں ایک شخص ملا، ہم نے پوچھا: تم کس قبیلہ سے ہو؟ اس نے کہا: بنو حنیفہ سے، ہم نے پوچھا: وہ لوگ کہاں ہیں جو کاہنہ روک رہے ہیں؟ اس نے وہ جگہ بتائی جہاں وہ تھے۔ میں نے پوچھا: ہمارے دھان کے میدان کا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں، ہاں؟ ہم تیرے سے بڑھے اور سوئے گئے۔

کھانہ کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ ہمیں دیکھ کر ڈر گئے اور اپنے ہتھیار سمبال لئے اور پوچھا: تم کون ہو؟
ہم نے کہا: مسلمان، انھوں نے کہا: تم بھی مسلمان ہیں؟ وہ بارہ نفر تھے اور ان میں مالک بن نویر
بھی تھا۔ ہم نے کہا: ہتھیار رکھ دو اور ہمارے بس میں ہو جاؤ، انھوں نے ایسا کیا۔ ہم ان کو پکڑ کر
خانہ کے پاس لائے، ابو قتادہؓ نے ان کا جو قصد بیان کیا ہے وہ ذرا آگے بیان ہو گا، انشاء اللہ
ہم یہاں مالک بن نویرؓ کا تعارف کرتے ہیں۔

مالک بن نویرؓ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو حنظلہ کا جن کے مالک سر داس تھے، ٹھہل زکاۃ منفر کر کے بھیجا تھا،
مالک نے زکاۃ جمع کی، لیکن جب ان کو رسول اللہؐ کی وفات کی خبر ملی تو انھوں نے زکاۃ کے اونٹوں سے
لئے تھے ان کو ٹوٹا دئے، اس لئے ان کا نام جنول (ٹوٹا نئے والا) پڑ گیا، انھوں نے بنو حنظلہ کو جمع
کئے کہ کہا: اس شخص رسول اللہؐ کا انتقال ہو گیا ہے، اگر قریش میں اس کا کوئی ہاشمین ہو تو ہم
اس کو تسلیم کر لیں گے بشرطیکہ وہ ہم سے خود کو تسلیم کر لے، انا چاہے اور بھلی زکاۃ طلب نہ کرے، تم اپنی
دولت اختیار کرو، تم خود اس کے زیادہ مستحق اور اہل ہو، یہ تقریر بنو نضیر قبیلہ کے اکثر لوگ
خوشی خوشی اس کے شیع ہو گئے۔

یہ دیکھ کر ابن نمیرؓ جو بنی یربوع کے لیڈر تھے کھڑے ہوئے اور کہا: صاحبو! آپ کی یہ
خام خیالی ہے اگر آپ چاہیں کہ ایک طرف زکاۃ واپس لے لیں اور دوسری طرف خدا اپنی عیبوں سے
آپ کو نوازتا رہے، آپ مصیبتیں مول لیں اور خدا آپ کو خیر و عافیت سے رکھے، آپ کفر کو اپنا شعار
بنائیں اور اسلام کے اس سے مستفید ہوتے رہیں، آپ نے اپنی دولت کا بہت تھوڑا حصہ الگ کیا
ہے زکاۃ میں خدا کا حکم مانئے اور مالک کے مشورہ پر عمل نہ کیجئے، یہ سن کر مالک کھڑے ہوئے اور کہا:
صاحبو! میں نے بطور اکرام و شفقت آپ کی زکاۃ لوٹائی ہے، ایسے لوگ برابر کھڑے ہوتے رہیں گے جو
میرے زکاۃ واپس کرنے اور آپ کی زکاۃ واپس لینے کی خدمت کریں گے، یہ لوگ نہ تو مجھے
نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں، خدا نہ تو مجھے اپنا مال آپ کی
نسبت زیادہ دیا ہے اور نہ میں آپ کی نسبت موت سے زیادہ دیر جی رہا ہوں، اور پروردگار

وقت اگر میں ٹھہریں تو میں آپ کو دشمن کے سامنے کر کے چپ نہیں جاؤں گا، اور میں اگر
خطرہ کے وقت بھاگ جاؤں تو میرے پیر آپ سے زیادہ تیز بھی نہیں دوڑیں گے۔ یہ تقریر
کام کر گئی ان کے قبیلہ بنو خثلمہ نے ان کو سنایا اور اپنا معاملہ ان کے سپرد کر دیا اور کہا:
آپ کی جنگ ہماری جنگ ہے اور آپ کی صلح ہماری صلح، انھوں نے زکاة و ایس لے لی
لیکن ان کے ہاتھ میں خدا کا جو حکم تھا وہ پورا ہو کر رہا، مالک نے اس موقع پر یہ شعر کہے:-

وقال رجال صدأ لیوم مالم یصلکم
کچھ لوگوں نے کہا آج مالک نے اہل ٹھیک باہلی
فلم یأخضروا فی المعاد ولا البد
نفلت عوفی لا بالاً بیکم
فریق ثانی سے میں نے کہا تمہارا دوا دے میرے پیچھے نہ
دلت خذوا أموالکم غیر خائف
وقال رجال مالم یصلکم
اور کچھ کہتے ہیں کہ اس کی باتیں درست نہیں
فلم یأخضروا فی المعاد ولا البد
میرا طرز عمل نہ شروع میں فلت تھا نہ اب ہے
ولا نا ظرفی ما یحیی بہ عند

میں نے ان سے کہا بے دھڑک ہو کر اور انجام سے قطع نظر کر کے اپنا مال لے لو۔

فان قام بالامر الخوف قال لئو
اگر غم کا کوئی جانشین ہو جس کا دھڑکا ہے
المعنا وقتنا الدین دین محمد
تو ہم اس کی اطاعت کریں گے اور کہیں محمد کو نہیں ہی چھا
ان اشعار کا جب ابو بکرؓ اور مسلمانوں کو علم ہوا تو ان کو مالک پر بہت غصہ آیا اور خالد بن
ولیدؓ نے عہد کیا کہ اگر مالک ان کے ہاتھ لگ گئے تو وہ ضرور ان کو قتل کر دیں گے اور ان کے سر کا
چوہا بنا کر اس پر ہانڈی پرٹھائیں گے، خالد کا بھیجا ہوا دستہ جب مالک اور ان کی قوم کے ایک
گروہ کو پکڑ کر لایا تو دستہ کے کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم نے اذان دی تو انھوں نے مالک اور ان
کے ساتھیوں نے بھی دی، ہم نے اقامت پڑھی تو انھوں نے بھی پڑھی، ہم نے ناز ادا کی تو
انھوں نے بھی کی، ابو بکر صدیقؓ کی ہائے کو ہدایت تھی کہ جب کسی گھر سے اذان کی آواز سنو تو اہل خانہ
کو کوئی غور نہ پہنچانا جب تک ان سے یہ دعوہ نہ ہو کہ اسلام کی کیا بات تم کو ناپسند ہے اور تم کیا
ہاتھ پیر اور جس گھر سے تم اذان کی آواز سنو اس پر حملہ کر دینا اور اہل خانہ کو قتل کر دینا اور

جلادینا، دستہ کے کچھ لوگوں نے کہا کہ مالک اور ان کے ساتھی مسلمان نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے مالک اور ساتھیوں کو نہ تو اذان دیتے سنا نہ بکیر کہتے، اور یہ کہ ان کو قتل کرنا اور ان کے بال بچوں کو غلام بنانا اور سستہ ہے، خود خالد کی بھی ان کے بارے میں یہی رائے تھی، ابوتا وہ انہماک سے خالد کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تم ان لوگوں کو قتل کر دو گے تو انہوں نے کہا ہاں میں سنبھلا ہوا تھا، اے لئے ان کا قتل کرنا جائز نہیں، وہ مسلمان ہیں اس لئے ہم ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے، میں تمہاری رائے سے متفق نہیں ہوں، خالد نے ان کو قتل کر دیا، میں جلدی جلدی ابو بکر کے پاس رہینگا، ان کو مالک کے قتل کی خبر دی اور کہا کہ خالد نے بڑا سنگین کام کیا ہے، عمر اس معاملہ میں میرے ہم نوا تھے، انہوں نے بھی خالد کے اس فعل کی مذمت کی اور کہا کہ خالد کو سنگسار کیجئے وہ اسی سزا کے مستحق ہیں، ابو بکر: بخدا میں تو ایسا کر نہیں سکتا، خالد سے اجتہاد کا قطعی ہوئی ہے۔

یعقوب بن محمد ہری اور وادی نے مالک بن نویرہ کے قتل سے متعلق مذکورہ بیان سے مختلف بیانات پیش کئے ہیں جن کو میں نظر انداز کرتا ہوں، ان میں سے ایک میں ہے کہ خالد نے اپنے عہد کے مطابق مالک کے سر کا چو لہا بنایا جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، ان کے سر پر پھر گئے بال تھے لوگوں نے بالوں میں آگ لگا کر پھونکا تو بانڈی گرم ہو گئی، آگ سر کی کھال تک نہ پہنچی، خالد جب مدینہ آئے تو ابو بکر نے مالک بن نویرہ کے قتل پر جن کے اسلام کی ابو قتادہ وغیرہ نے شہادت دی تھی ان کو سخت دہشت کہا، خالد نے اپنے کئے کی معافی پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں نے مالک کی زبان سے ایسی باتیں نہیں جن سے ان کو سزائے موت دینا جائز ہو گیا، ابو بکر نے ان کی معافی قبول کی۔ متم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک کے نام میں بہت سے قصیدے کہے جن میں وہ قصیدہ خاص طور پر مشہور ہے جس کے دو شعر یہ ہیں :-

وَلَا تَكُنْ لِمَا فِي حَبِيبَةِ حَقِيقَةٍ مِنْ الدَّهْرِ حَتَّى تَقِلَّ مِنْ سِدِّهَا
فَمَا تَقَرُّهَا كَأَنِّي وَمَا لَهَا لَهَا بِجَاهٍ ... لَمْ يَخْشَعْهَا

کہا جاتا ہے کہ عربی خطاب نے ستم بن دوسرے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں بھی
تھاری طرح اپنے بھائی زید کے درجہ جنگ یا مہم میں شہید ہو سکے (مرنے کہتا، ستم نے کہا:
اور حفس اگر میں جانا کہ میرے بھائی کا ٹھکانہ (مراد جنت) وہی ہے جو تمہارے بھائی کا ہے
تب تو ان کے مرثیے کہتا ہی نہیں: "میرا روضہ سن کر پھڑک گئے اور بولے: "جیسی میرے بھائی
کی تمہاری تعزیت کی آج تک کسی نے نہیں کی!"

مسئلہ کذاب اور اہل پیامہ کے ارتداد کا ذکر

مناہج بن خدیج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عرب قبیلے آئے ان میں سے
نیا دہ سخت دل اور اسلام سے کم سے کم متاثر ہونے والا قبیلہ بنو حنیفہ کا تھا۔ یہ سلسلہ کے وفد کا حال پہلے
ذکر رسول اللہ میں گذر چکا ہے، جب وفد کے لوگوں نے بتایا کہ ہم نے سلسلہ کو اپنے جیموں کی نگرانی
کے لئے پیچھے چھوڑ دیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ یہاں تم سے برا نہ رہتا؟"
ابن عباسؓ راوی ہیں کہ جب سلسلہ اپنی قوم بنو حنیفہ کے ساتھ رسول اللہ کی پاس آیا تو اس
نے کہا: "اگر محمد اپنے بعد خلافت مجھے دیدیں تو میں ان کے کہنے پر چلوں۔" وہ رسول اللہ سے ملنے آیا۔
ابن عباسؓ بن قیس بن سناش آپ کے پاس تھے اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک لکڑی تھی سلسلہ پاس
آکر کھڑا ہوا تو رسول اللہ نے فرمایا: "اگر تم آگے بڑھے تو تم پر خدا کی مار پڑے گی اور پیچھے لوٹے تو
خدا تمہاری اینٹ سے اینٹ بھاگے گا۔ میں تم کو ویسا ہی پارہا ہوں جیسا میں نے تم کو در خواہ میں
دیکھا تھا، اگر تم مجھ سے کھجور کی یہ لکڑی بھی مانگو تو میں نہ دوں اور یہ ثابت تمہارے سوالات کا جواب
دیں گے۔" ابن عباسؓ کہتے ہیں میں نے ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول
کا مفہوم پوچھا: "میں تم کو ویسا ہی پارہا ہوں جیسا میں نے تم کو دیکھا تھا؟" تو انہوں نے کہا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دو سونے کے کڑے میرے
اتھ میں ہیں، میں نے ان پر یہ کساری تو وہ لٹ گئے، ان میں سے ایک پیامہ میں گرا (دوسرا

میں میں رسول اللہ سے پوچھا گیا کہ اس خوب کی تعمیر کیلئے تو انہوں نے کہا: کچھ دن بعد وہ نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ زمین میں اسودھسی اور پیام میں سیلہ۔

جب سیلہ اپنی قوم کے ساتھ پیام لے کر آیا تو وہ اسلام سے نفرت ہو گیا اور نبوت میں رسول اللہ کا شریک بن بیٹھا اور اس دفعہ سے جو اس کے ساتھ دینہ گیا تھا کہا: جب تم نے میرا محمد سے ذکر کیا کہ ہم خیموں کی نگرانی کئے اُس کو بچے چھوڑ آئے ہیں تو انہوں نے دکھا تھا کہ وہ تم سے برا نہ رہتا۔ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ محمد کو معلوم تھا کہ مجھے نبوت میں ان کا شریک بنا دیا گیا ہے کچھ عرصہ بعد سیلہ نے رسول اللہ کو یہ مراسلہ بھیجا:-

”سیلہ (۹) رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام: مجھے آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے یعنی خدا کی طرف سے آدمی زمین ہماری ہے اور آدمی قریش کی، لیکن قریش حق مار لوگ ہیں۔ سیلہ کے دو سفیر خط لے کر رسول اللہ کے پاس آئے، خط پڑھا کر آپ نے ان سے پوچھا: نبوت کے معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو وہ بولے: جو سیلہ کی رائے وہی ہماری رائے! رسول اللہ اگر سفیروں کا ماننا جائز ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا! رسول اللہ نے سیلہ کو یہ جواب دیا:

”تم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے سیلہ کذاب کو۔ واضح ہو کہ زمین کا مالک خدا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور آخرت کی سرخروئی خدا ترسوں کے لئے ہے۔“ ابن اسحاق: یہ سلسلہ کے آخر کا واقعہ ہے، دوسرے مورخ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جب رسول اللہ ﷺ اوداعِ آخری حج اکر کے لوٹے اور مرضِ موت میں مبتلا ہوئے اور اللہ تعالیٰ اعلم

رہنمائے قرآن

اسلام اور پیغمبر اسلام صلعم کے پیغام کی صداقت کو سمجھنے کے لئے اپنے ملک کی پائل کل جہید کتابچہ جو خاص طور پر غیر مسلم یورپین اور انگریزی مصلحانہ اصحاب کے لئے لکھی گئی ہے۔

عبید اللہ بن حنیف۔ حیات ایک روپیہ

مصحفی

رجاب نثار احمد صاحب فاروقی یونیورسٹی لاہور دہلی

(۵)

اب یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ جب مولوی عبدالقادر عظیمی راہپوری خود مصحفی سے جا کر ملے ہیں، اور ان سے اپنی ملاقات کا حال روز نمائے میں لکھ رہے ہیں، تو ان کی حقیقت شاہد مہینی کی ہوئی۔ پھر ان کی شہادت قبول کرنے میں تاثر کیوں ہو۔ اس کا ایک پہلو تو واقعاتی ہے، جسے ہم گذشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں، اور دوسرا پہلو طبعی و قیاسی۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ روزنامہ نگار کو تسلسلہ ہوا ہو، مصحفی نے اکبر پور ہی بتایا ہو۔ اور تحریر کے وقت اسے یاد نہ رہا ہو۔ یا سہو ظلم سے ایسا لکھ دیا ہو۔ یہاں تک کہ اسی بعد بھی نہیں بیشتر سفر نامے اور روزنامے ایسی غلطیوں سے معمور نظر آتے ہیں۔ مشہور عالم سیاح، ابن بطوطہ جب ہندوستان آیا تھا اور یہاں کی سیر و سیاحت کرنے کے بعد اپنے وطن طبرہ کو واپس ہونے لگا تو اس کے تمام کاغذات اور سیاحت کی یادداشتیں ایک طوفانی حادثے میں دریغ ہو گئی تھیں۔ مجبوراً، اپنے وطن پہنچ کر محض حافظے پر اعتماد کر کے اس نے سفر نامہ مرتب کیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ بعض عجیب و غریب قسم کی باتیں اس میں راہ پا گئی ہیں جو بیک نظر ہی غلط معلوم ہوتی ہیں۔

دوسرا شہید یہ ہے کہ مولوی عبدالقادر عظیمی، سیلانی آدمی تھے اور سیر و سیاحت ان کا خاص شغل تھا اور وہ سے اور وہاں کے سربراہ اور وہ خاندانوں سے وہ واقف نہ ہوں گے جنہوں نے اس صورت میں کہ وہ خاندان مسند کے لگ بجگ امروہہ کے کوتوال بھی رہے تھے۔ اور اس زمانے میں امروہہ کی کوتوالی محلہ چوک میں تھی جو محلہ کالی پکڑی سے بالکل متصل ہے۔ اور چنانچہ مصحفی اور

مصحفی کے خاندان کی سکونت تہا کی جاتی ہے۔ سب سے اندیشہ ہے کہ مصحفی نے قصداً اپنے وطن کو ان میں ظاہر نہ کیا ہوگا۔ اس کے دو اسباب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ کوئی مالی سبب انسان نہیں تھے اور کم از کم مصحفی کے زمانے میں ہنسی امتیاز کی بڑی اہمیت تھی۔ دوسری بات یہ کہ ٹیکس کی ملاقات سے پہلے "مصر کے مصحفی" وانشاء ہو چکا تھا اور وہ اپنے کلام کو مستند ظاہر کرنے کے لئے اپنے دہلوی ہونے کا تذکرہ جگہ جگہ فراموش کر رہے تھے۔ شاید اسی لئے انھوں نے اپنا مولد مخفی رکھا ہوگا۔

۵۔ امروہہ | اکبر نور سے مصحفی کے تعلق کی وضاحت پہلے کر دی گئی۔ ظم گڑھ (دہلی) کے واسے میں مولوی عبدالقادر کے بیان کے سوا اور کوئی خارجی یا داخلی شہادت ملتی نہیں۔ اب امروہہ کے مولد و مسکن ہونے کا ثبوت باقی رہ جاتا ہے۔ اس سلسلے کی بھی کچھ شہادتیں اوپر گزر چکی ہیں، جن میں خود مصحفی کے بیانات بھی ہیں جن سے ان کی سکونت امروہہ کا حال کھلتا ہے۔ دوسری شہادت سید اصغر حسین نقوی مولف "تاریخ اصغری" کی ہے۔ جنھوں نے عہدہ کالی پگڑی کے ذیل میں ولی محمد اور مصحفی کا تذکرہ کیا ہے۔ تیسری قریب العہد شہادت سید آل حسن مودودی امروہوی کی ہے۔ ان کی مولفہ کتاب "نخبۃ التواریخ" ۱۳۹۶ھ میں امروہہ سے شائع ہوئی تھی اور اب کیا ہے۔ اس میں انھوں نے ضمناً مصحفی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

"در شعر استاد زمانہ، غلام ہمدانی مصحفی بسیار نامدار در گذشتہ..."

جمع الفوائد کی عبارت، مصحفی کے کلام کی داخلی شہاد اور ان کے تذکروں کے تراجم سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی کا خانوادہ امروہہ ہی میں آباد تھا۔ ان سب کی نسل منقطع ہو گئی اس لئے اب ان کے بارے میں تصدیق دشوار ہے

سندہ دہلی | چوتھا بیان مورخوں، تذکرہ نگاروں اور بعض معتبر شاہدوں کا وہ ہے جس میں مصحفی کو "بائندہ دہلی" یا "بائندہ منقولات دہلی" کہا گیا ہے۔ ابو العاسم میر قدرت اللہ خاں قاسم دہلوی نے اپنے تذکرہ مجملہ نغز، رسالہ تالیف مابین ۱۳۱۲-۱۳۱۳ھ میں لکھا ہے :-

لہ تاریخ اصغری/ ۱۳۹۶ھ آل حسن مودودی: نخبۃ التواریخ ۱۳۹۶ھ (۱۳۱۸ھ)۔

از مردم بیرونات است۔ آدابِ تقرب و نزاکت را بکامیابانے خود و بند و شعور و ادب و حضرت دہلی شہ
نشد و نایافت۔ ۱۷۷

اس پر منشی امیر احمد علوی مرحوم لکھتے ہیں کہ :
”یرقد رت الشرفا سم دہلوی بھی مصحفی کے دوست تھے اور ان کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے
اپنے ضخیم تذکرہ شعرا میں مصحفی کو ساکن امرودہ نہیں لکھتے بلکہ ”مردم بیرونات“ سے قرار دیتے ہیں جس
تصویر باشد مفصلات دہلی“ بھی ہو سکتا ہے۔“

اس تاویل کے جواب میں، اس کے سوا کیا کہا جائے کہ علوی صاحب یا تو ”بیرونات“ کے معنی
نہیں سمجھے یا انھیں یہ خبر نہیں کہ مفصلات دہلی کے حدود اس زمانے میں کہاں تک پھیلے ہوئے تھے۔
خود مصحفی نے بھی جگہ جگہ دہلی پر اس طرح تحریر کیا ہے، گویا یہ ان کا وطن ہے۔

دلی کہیں ہیں جس کو زمانے میں مصحفی میں رہنے والا ہوں اسی اجڑے دیار کا

یا ۱۷

بعضوں کا گمان یہ ہے کہ ہم بھی زبانِ دہلی ہیں دلی نہیں دیکھی ہے زبانِ دہلی یہ کہاں ہیں
وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ انھوں نے دہلی کی گلیوں میں بقول ریاض اپنی ”جوانی کھولی تھی“
اور عمر و نیز کے تقریباً ۱۳۰۰ سال وہاں گزارے تھے۔ وہاں کے اہل کمال، ہونیاد، شعراء،
علماء اور فضلاء کی صحبت میں بیٹھے تھے شعرو سخن کے چرچے سنے تھے اور یہی ایک زمانہ ان کی بوردی
زندگی میں ایسا تاج و دیاؤں میں ”خلعے قناعت“ لگا کر دل جمعی سے اس طرح بیٹھ رہے کہ
”ہرگز برائے تلاش معاش و درآں خیر اجار و امورات بردیکس نرفتہ“

پس اگر وہ دہلی کو اپنا وطن سمجھیں، اس سے تعلق خاطر کا اظہار کریں، اور اس سرزمین سے

طالع نام : محمود نیر جلد ۲/ ۵۹-۶۰ (۱۹۳۳ء) شمارہ ۲۷ (۱۹۳۹ء) مصحفی نمبر ۳۹ (۱۹۳۹ء)

تہ مصحفی، جگر، چندی ۱۹۳۹ء

دلی کی کمرایہ خراجیں، ادب کچھ ایسا نامناسب نہیں۔ مگر اس سے لازماً یہ تجویز نہیں نکلا کہ دہلی اُن کا وطن اور سقطاً اُس بھی ہے۔

زمانہ پیامِ امروہہ [مصحفی کے اپنے بیانات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اُن کی کتب نشینی کا ابتدائی زمانہ امروہہ میں ہی گذرا۔ دوسرے معتبر تذکرہ نگاروں نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ زمانہ مصطفیٰ خاں شیفہ لکھتے ہیں:

”زرغونانِ جوانی بہ جہاں آباد آمد، طرح اقامت اُگلدہ“۔

اسی طرح قدرت اللہ قاسم، مجموعہ نغمہ میں یہ تصریح کرتے ہیں کہ:

”درد و شعور وارِ حضرت دہلی شدہ، نشوونما یافتہ“۔

کریم الدین بھی یہی لکھتے ہیں کہ:

”مغولانِ شباب میں در بیان شاہ جہاں آباد کے آیا، اسی جاے مقیم ہو کر یہاں کے لوگوں سے ملاقات پیدا کی“۔

اور نساج نے بھی یہی روایت کی ہے:

”شروعِ جوانی میں دہلی گئے“۔

اس طرح اُن کا شن شعور تک امروہہ میں رہنا ثابت ہے۔ بعض شعراء سے انہوں نے اپنی ملاقات کمال بھی لکھا ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دہلی آنے سے پہلے ہی ان کی شعر گوئی کا آغاز ہو گیا تھا۔ اور بعض تذکرہ نگاروں کے بیان سے یہ جو ترشح ہوتا ہے کہ دہلی ہی میں شعور شاعری کا چرچا دیکھ کر وہ غزل سرائی کی طرف راغب ہوئے یہ قطعاً غلط ہے۔ دہلی کے ایک شاعر محترم خاں تھے، محترم خاں کا مخلص تھا قومِ کنبوہ سے تعلق رکھتے تھے، اُن کے بیان میں لکھا ہے:

”تخلص سن و عمدہ معاش بود و فقیر اور اور ابتداءئے شاعری خود و قصبہ امروہہ دیدہ بود“۔

یہ شیفہ، بخش بنہارہ، اٹھ مجموعہ نغمہ، جلد ۱۸، ص ۱۸۰ کریم الدین: لطائف الشعراء، ص ۲۰۰ نساج:

سن شعراء، ص ۴۰ مصحفی: مختصر تاریخ، ص ۵۰۔

اسی طرح میر عبد الرسول غفار اکبر آباد کے رہنے والے اور سرقی میر کے شاگرد تھے۔ میر نے لکھا ہے :
 ”از بارانِ غیر موقوف است، چنانچہ بمشورت من می گوید“

یہ قادیہ سلسلہ میں بہت بھی تھے۔ ”ذہلی کے قیام میں ساداتِ امروہہ، بالخصوص سید ابدال محمد بن سید منور
 (ساکن قلعہ لکڑہ) سے مراسم اتحاد و یگانگت پیدا ہو گئے تھے۔ اسی تعلق سے امروہہ چلے آئے اور پھر یہاں
 سے باہر نکلے“

معنی نے ان سے اپنی ملاقاتوں کا حال لکھا ہے :

”غیر اور اورا تہلے شاعری در قبضہ امروہہ دیدہ بود، اکثر بعد ہفتہ و عشر ملاقات می شد
 و تذکرہ شریبیاں می آمد۔ از معاصران میر و مرزا شاعر محرم کا رو با فصاحت و بلاغت
 دیدش۔ عرض نجفاً قریب فصاحت خواہر بود، حال معلوم نیست کہ زندہ است یا مردہ...“
 نثار کے تذکرے میں قائم چاند پوری نے لکھا ہے :

”دیں یا ام سابقہ آسانی سادات آنجا بطرفِ امروہہ رفت“

قائم نے اپنا تذکرہ تقریباً ۱۱۵۴ھ (۱۷۴۱ء) میں شروع کیا، اور پہلی بار اس کا اختتام ۱۱۶۸ھ
 (۱۷۵۴ء) میں ہوا، گو اس میں اہل ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) تک ہوتے رہے۔
 میر اپنا تذکرہ ۱۱۶۵ھ میں مکمل کرتے ہیں، اور اس وقت نثار کے امروہہ جانے کا ذکر نہیں کرتے۔
 اس سے ہر گز یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ نثار نے امروہہ کا یہ سفر ۱۱۶۵ھ اور ۱۱۶۸ھ کے درمیان کسی سال
 میں کیا ہو گا۔ جسے قائم ”دیں یا ام“ سے تعبیر کرتا ہے۔

انفال کے بعد شاہ عبد الرسول نثار سید ابدال محمد کی بنائی ہوئی مسجد کے گوشہ شمال و مشرق
 میں دفن ہوئے اس پر ابدال محمد نے بہت خوشامقبرہ تعمیر کرا دیا تھا۔ اس مسجد کی جائداد کا وقف نامہ
 ۱۱۸۱ھ کو لکھا گیا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نثار جو اسی مسجد کے ایک گوشہ میں دفن ہیں

نامیہ: ملاقات الشہداء، راجن نامی ۱۱۸۱ھ ج ۱، تذکرہ اکرام، ۱۲۲۱ھ مصنف: ہندی، ۲۵۵۷ء غزین نکات
 ۱۱۶۶-۱۱۶۷ھ کے تفصیل ملاحظہ ہو، دیباچہ و ستورہ فصاحت، ۱۵۰۷ء

۱۱۸۵ھ کے بعد ہی راہی ملک عدم ہوئے، اور مصطفیٰ سے ان کی ملاقات کا یہی زمانہ ہے جب کہ مصطفیٰ کی عمر وہ ۲۰ سال کے درمیان رہی ہوگی ۱۱۸۵ھ تک مصطفیٰ امر وہ بہ کو خیر باد کہہ چکے تھے۔

شاعر کے علاوہ، مصطفیٰ نے "شاہ عالم پیرزادہ" کا تذکرہ بھی کیا ہے، لکھتے ہیں:-

شاہ عالم پیرزادہ، مخزونِ قلنس، ساکنِ قصبہ امر وہ۔ در آیا میکہ فقیر کتب نشین بود، اور
 در ان ضلع شہرت بہ شاعری داشت و در باد محرم مرثیہ و سلام بزمی گفت دی خواند۔ ۱۱۸۵ھ

اس عبارت سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ مصطفیٰ کی کتب نشینی کا زمانہ امر وہ ہے میں گندما اور انھیں بدوشوہ ہی سے شعر و شاعری کا چکا لگا ہوا تھا۔ مخزونِ کتب میں شعر بھی انھوں نے نقل کئے ہیں جو اسی زمانے سے ہانڈی میں محفوظ تھے۔ مخزون ہی سے انھوں نے گوہری بدالونی کے دو شعر سنے ہوئے وہ تذکرے میں نقل کئے ہیں اور لکھا ہے:

دو شعرش کہ زبانی شاہ عالم پیرزادہ در عالم طفولیت شنیدہ بودم، یاد است۔ ۱۱۸۵ھ

غرض، داخلی اور خارجی شہادتوں سے یہی ثابت ہوا ہے کہ مصطفیٰ سن ۱۱۸۵ھ کو پنچے کے بعد دہلی آئے تھے۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کا ابتدا کی زمانہ امر وہ ہی میں گذرا۔ قاضی عبدالودود صاحب کا یہ بیان ہم نے پہلے بھی نقل کیا ہے کہ "وہ کم از کم پچیس برس کی عمر میں دہلی پہنچے ہیں" قدرت اللہ خاں قاسم اور سیفینہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ ان کا سال پیدائش ۱۱۷۱ھ تسلیم کیا جائے تو امر وہ سے رخصت ہونے کا زمانہ ۱۱۸۵ھ ہوتا ہے۔ در ان حالیکہ ۱۱۸۵ھ میں مصطفیٰ کثیر میں موجود تھے۔ انہیں مہورت پر تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ ۲۲-۲۴ سال کی عمر میں، ۱۱۸۵ھ کے مابین امر وہ سے ترک وطن کر کے نکلے۔ اور ایسے نکلے کہ بھر کبھی وہاں جانا نصیب نہ ہوا۔ ۱۱۸۵ھ

اے مصطفیٰ نہ دیکھا روئے وطن پھر آ کر

شاید کہ چھینکا تو، اے یار گھر سے نکلا

تعلیم و تربیت | یہ ضرور ہے کہ ابتدا میں مصطفیٰ کو باقاعدہ تحصیل علم کا موقع نہیں ملا۔ اور کتب نشینی کا

جو زمانہ انھوں نے اپنے وطن میں گزارا اس میں رواج زمانہ کے مطابق فارسی و عربی میں نصاب کی ابتدائی کتابیں ہی پڑھی ہوں گی، اور اسی دور کو انھوں نے ”ایام کتب نشینی“ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں وہ شعر کہتے تھے، اور اساتذہ کے شعر و ذوق و شغلی سے سنتے تھے، انھیں حافظے میں محفوظ بھی رکھ سکتے تھے۔ کتب نشینی کے اس زمانے میں ان کی ملاقاتیں مشتمل خاں مختتم، میر عبدالرسول نثار، شاہ عالم غزوں وغیرہ سے ہوتی تھیں، اور ان میں شعر و شاعری کا بھی جبر جابو جاتا تھا کسی بالکل بے استعداد، کم سوار، اور اُفّطس کتب کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اتنا جیسے اساتذہ سے ملے تو شعر و سخن کی مغل بھی گرم ہو۔ اس لئے بجا طور پر قیاس یہ کہنا ہے کہ عربی کی کمتر اور فارسی کی بیشتر شد بدائیں امر وہ ہے ہی میں حاصل ہو گئی ہوگی۔ دہلی آنے کے بعد انھوں نے جو کچھ پڑھا، اور اپنے سلیخ ظلم میں اٹھانہ کیا، اس کی تفصیل تو ہمیں مذکوروں سے معلوم ہو جاتی ہے، اور وہ آگے درج بھی ہوگی، لیکن قیام امر وہ کہ زمانے کی علمی تحصیل اور درسی کتب کی تفصیل کا حال کچھ نہیں کھلتا۔

نثر گوئی کا آغاز | اوپر بیان کی گئی روداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ترک وطن سے پہلے ہی شاعری شروع کر دی تھی، لیکن کتب شروع کی، اس کا تعلق اور متعلق بہت دشوار ہے۔ یہاں بھی قیاس ہی کچھ رہی کرتا ہے کہ اگر ہم عبدالرسول نثار کا سال وفات ۱۱۸۱ھ تسلیم کر لیں تو اس سال سے پہلے ہی مصطفیٰ کی اُن سے ملاقاتیں رہی ہوں گی۔ اور اندیشہ ہوتا ہے کہ مکہ لگایا جاسکتا ہے کہ اندازاً ۱۱۵۰-۱۱۶۰ء میں وہ شعر و نثر دونوں کرنے لگے تھے۔ اور زیادہ سے زیادہ یہی عمر کسی شخص کی کتب نشینی کی ہو سکتی ہے۔

۱۱۸۱ھ شہید ازبد، میر و مرزا مست پختہ گو معلوم می شود۔ و دشوار و عالم کتب نشینی یا و دارم۔ از دست

لگے برباد و پختہ نثار و فریاد یا قسمت

شہید ازبد و پختہ مرزا مست پختہ گو معلوم می شود۔ از دست

تذکرہ ہندی/۱۳۸

تہذیب نے مراۃ زمیں، قبول کر بھی اپنے استاد کا نام نہیں لکھا، جس سے ابتدا میں کلام پر اصلاحی ہوگی۔ لیکن ایک بیان میں ایسا اشارہ مل جاتا ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ انھوں نے ابتدائی کلام پر امر و نہی کے کسی استاد سے مشورہ کیا تھا۔ یہ تہذیبی زمانہ، زمانہ ختمِ امر و نہی کے شادانِ عالی تبار میں تھے معصیتی نے لکھا ہے کہ دنیا کی بے وفائی پر نظر کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور ایک ہانسی میں بیٹھے رہتے تھے:

”غیر ہر او استاد و روزے در عالم کتب نشینی و ابتدائے شوق موزونی بہ محبت

(باقی)

ایشان صید و بودی

لے تذکرہ ہندی / ۱۱۔

تاریخ اسلام پر ایک نظر

یہ اسلامی تاریخ کے مختلف دوروں کے تمام ضروری واقعات و حالات کا نہایت جامع اور مکمل خاکہ ہے جس کی ترتیب میں تاریخ نویسی کے جدید تقاضوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ طرز بیان نہایت ہی دلنشین اور دلپذیر ہے۔

تاریخ اسلام پر علماء اسلام نے اگرچہ عربی، فارسی، اردو اور دوسری زبانوں میں بڑی بڑی محققانہ کتابیں لکھی ہیں لیکن اس زمانہ کے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے ایک ایسی جامع اور مختصر تاریخ کی شدید ضرورت تھی جس میں نہ صرف مختصر مسلم اور خلفائے راشدین کے سوانح حیات کے ساتھ خلافت بنی امیہ، خلافت بنی عباس، خلفائے فاطمین، عثمانی سلاطین اور دیگر مسلم بادشاہوں کے حالات درج ہوں بلکہ اس میں اسلامی معاشرت و تمدن اور مسلمانوں کی شاندار ملی خدمات کا بھی موثر انداز میں ذکر ہو اور تاریخی حقائق کے نتائج پر بھی مبہم نہ نظر آئی گی ہو۔ اس کتاب سے یہ کمی پوری ہو گئی ہے اور تاریخ اسلام پر ایک تحقیقی اور نفیس کتاب سامنے آگئی ہے جس کا اعلیٰ درجہ کاغذ، عمدہ طباعت و کتابت، سائز نہایت موزوں اور خوبصورت، قیمت پھر وہ پہلے جلد پھر وہ آٹھ آنے۔

کتاب

عید دیدار

(خان بہادر تید اشرف حسین مرحوم)

ہاں بہادر تید اشرف حسین ساکن آگرہ، دہلی میں گلہ آثارِ قدیمہ کے ایک متناظر اور اعلیٰ افسر تھے جو گورنمنٹ سروسٹ ہونے کے باوجود علوم اسلامی اعلیٰ انھوں میں تاریخ کا نہایت عمدہ اور عارف تھے۔ انھیں رکھتے تھے چنانچہ بڑبان میں بھی مرحوم کے بعض بلند پایہ تاریخی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے نہایت سنجیدگی اور حسن اخلاق و کردار کا نمونہ تھے۔

۱۹۵۸ء کو دہلی ہی میں انتقال ہوا اور درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہیں۔ بطور تعلق شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، زیرِ نظر نثر جس میں مرحوم کے اثراتِ قلمی کا مکمل پوری طرح جھلک رہا ہے مرحوم کی یاد میں تبرکاتِ شائستگی جاری ہے۔ (دربارِ ان)

دیرم نگارے راہِ فرازے	راہِ حقیقت، روحِ مجازے
روئے مینش، ماؤ تہاے	چشمِ یابش، محشر طرازے
روحِ جینش، تفسیرِ لہجے	زلفِ خمیدہ، پیچیدہ عازے
محرابِ ابرو، محرابِ کعبہ	کاغذِ فرشتہ، کردہ نازے
جلوہ اش بزاہد نورِ بجلی	فاتش بشاں خود کھواجے
از عجبِ جنش لرزاں دو عالم	نیشِ بسمِ عاجز نوازے
گردشِ ستارہ، جمِ خیرے	نالاں و لرزاں ہاؤں صانے
رکتہ از خود من کردم تاشے	ناگہ سے من دیدہ بناتے
آہِ خیالِ غلاتیِ مسلم	بائند حسین ترازہ ہر جادے

تہصیر

خیر الجالس : مرتبہ :- جناب ضیق احمد صاحب نظامی ریڈر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
 نیشنل کلاں، نہایت ۶۶ صفحات، ٹائپ روشن اور بلی قیمت جلد درج نہیں شائع
 کردہ شعبہ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

ہندوستان کے صوفیائے کرام پر تحقیقی کام کا جو سلسلہ جناب ضیق احمد صاحب نظامی نے شروع کر رکھا
 اور جس کے لئے انھوں نے اپنی زندگی وقف کر دی ہے یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس میں
 حضرت شیخ نعیر الدین چراغ دہلوی کے وہ تمام ملفوظات بجا ہیں جن کو آپ نے وقتاً فوقتاً مختلف مجالس
 میں ارشاد فرمایا۔ اور جن کو حضرت نظام الدین اویار کے ایک مرید مولانا حمید قلندر نے قلمبند کر کے
 پھر خود حضرت چراغ دہلوی کو دکھا کر ان کی تصدیق بھی کرائی تھی۔ یہ ملفوظات کیا ہیں؟ علم و حکمت،
 رموز شریعت و طریقت۔ اسرار معرفت و موعظت کا گنجینہ ہیں جن میں بزرگوں کی حکایات، قرآن و حدیث
 سے متعلق عجیب و غریب نکات اور بڑی بصیرت افروز و سبق آموز باتیں ہیں اگرچہ قرون وسطیٰ کے
 صوفیاء اور معنفین نے اس کتاب سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے لیکن عجیب بات یہ کہ اسکے باوجود یہی
 کتاب کے مخطوطے صرف تین ہی پائے جاتے ہیں۔ لائق مرتب نے انھیں تین مخطوطات کی بنیاد پر اس کے
 بڑی قابلیت اور بیحد ودی سے آڈٹ کیا ہے۔ اصل کتاب جو فارسی زبان میں ہے دو سو نو صفحات پر
 ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد سترہ صفحات میں غیر معروف الفاظ اور مصطلحات جو اس کتاب میں مستعمل
 ہوئے ہیں ان کی بڑی مفصل اور جامع فرہنگ ہے۔ اس کے علاوہ اگر نیری زبان میں ایک طویل مقدمہ
 ہے جس میں بڑی تحقیق اور جامعیت سے قرون وسطیٰ میں ملفوظات کی تدوین و ترتیب اور اس کی
 اہمیت خیر الجالس کا ملفوظات میں مرتبہ اس کے مخطوطہ نسخہ اس کے آخذ، مشائخ و سیاحات اور

حیدر علی خان کا تعلق ان سب پر گفتگو کرنے کے بعد صاحب لغو غلات یعنی حضور شیخ نصیر الدین چرنج دیوٹی کے حالات و سوانح اور ان سے متعلق مباحث پر اس مختصر ڈرافٹ نگاہی سے کلام کیا ہے کہ غالباً کوئی ناقد بچے نہیں پایا ہے اس طرح یہ کتاب علمی اور تحقیقی اعتبار سے بھی شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے جس پر تعامی صاحب ارباب علم و ذوق کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ شروع میں ڈاکٹر تاجپاد کا پیش لفظ ہے جس میں انھوں نے مسٹر ترقین یورپ جو تعویض پر کام کر رہے ہیں ان کے کام کا موازنہ دلاتی مرتبہ کے کام سے کیا ہے اور اس کو وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل بتایا ہے۔ امید ہے کہ ارباب ذوق اس کی قدر کریں گے اور مطالعہ سے شاد کام و محفوظ ہوں گے۔

از :- ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی، تفتیش خور، صفات

سبیل ایک داستان :- ۶۸ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت درج نہیں۔

پتہ :- مشرقی پاکستان میں :- ۱۲۹ گورنمنٹ ہائیوے مارکیٹ، عظیم پورہ، ڈھاکہ۔

مغربی پاکستان میں :- ایچ۔ ایم سید کپنی ناشران و ماجران کتب پاکستان

چوک کراچی۔

مولانا شبلی پر متعدد چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سب سے زیادہ ضخیم مستند اور مباح مولانا سید سلیمان ندوی کی حیات شبلی ہے، لیکن ان کتابوں میں تباہ زیادہ ہے اور تنقید کم، نہایت ہی کم مولانا کی جامع الصفات شخصیت کا جائزہ ایک تعداد کے نقطہ نظر سے لیا جاتا ہے اور ان چیزوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے مولانا کی انفرادی خصوصیات ہیں اور جن کو ان کی شخصیت کے عناصر ترکیبی سمجھا جاسکتا ہے ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی نے اسی ضرورت کے پیش نظر یہ کتاب لکھی ہے جس پر ان کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی طرف سے اردو میں ڈاکٹریٹ ملے ہے اس کتاب میں پہلے مولانا کے ذاتی حالات و سوانح لکھے ہیں۔ پھر اس وقت تک اردو نثر کا جو کچھ سرمایہ تھا اس کا جائزہ لیا ہے۔ اور اس کے بعد مختلف ابواب میں مولانا کی مختلف حیثیتوں پر یعنی بحیثیت مؤرخ، مفکر، ناقد، شاعر اور دانشور پر دراز نامہ لکھا ہے۔ دوسرا گفتگو کی ہے۔ آخر میں انیسویں صدی کی دوزبردست شخصیتیں کے زیر عنوان سر تاجہ شبلی

دونوں کا یکجائی مطالعہ ہے۔ ششلی بر موافق اور مخالف دونوں طرح کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن لائقِ معنف نے اس کتاب میں کسی قسم کی جہد و ادی کے بغیر بالکل ایک نفاذ کی حیثیت سے گفتگو کی جو جس میں خود ششلی اور ان کے بعض نفاذ دونوں ہی موقوف بحث میں آگئے ہیں جو کچھ لکھا ہے کافی مطالعہ اور غور و خوض کے بعد بڑی بنیاد کی اور مسانت سے لکھا ہے۔ زبان صاف ستھری اور انداز بیان سلجھا ہوا ہے اور ادب کے طلباء کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

از:۔ محترمہ صاحبہ عابد حسین۔ تقطیع خورد۔ ضخامت ۷۲ صفحات، کتابت سلک گہر۔
و لماعت بہتر۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ پتہ:۔ رائے صاحب ارام دیال
اگر والا کٹرہ۔ آلہ آباد۔ ۲۔

محترمہ صاحبہ عابد حسین اردو زبان کی نامور ادیبہ اور مصنفہ ہیں۔ موصوف نے اسلامی تاریخ کے ابتدائی عہد اور خصوصاً واقعہ کربلا کے مختلف پہلوؤں سے متعلق وقتاً فوقتاً جو مضامین لکھے تھے اور جن میں سے اکثر بعض رسالوں میں شائع بھی ہو چکے ہیں یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے۔ حالات و واقعات نو دہی میں جن کو ہر پڑھا لکھا مسلمان جانتا ہے لیکن ان کی تصویر کشی سادگی کے باوجود اس پر کاری سے کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کا ساتھ جو ناگزیر ہے ادبیہ کمال ہے زبان اور انداز بیان کا اور کسی واقعہ کی مختلف جزئیات کو جا بجا مستحق اور دیدہ و دری کے ساتھ مرتب کر دینے کا۔ اس بنا پر اس کتاب کے ”سلک گہر“ ہونے میں شبہ نہیں لیکن یہ گوہر وہ نہیں جو بطنِ حدف سے پیدا ہوتا اور ابابہ دولت کے گوش و گردن کی زینت بنتا ہے بلکہ یہ وہ گوہر ہے آبدار ہیں جو کسی عاجز و ناتوان کے آنکھوں سے شب کے پچھلے پہر میں بے ساتھ ٹپک پڑتے ہیں اور جن کو فرشتے اپنے دامنِ یمن بن لیتے ہیں۔

از جناب کلیم احمد آبادی۔ تقطیع متوسطہ ضخامت و لماعت بہتر ضخامت

۷۲ صفحات۔ قیمت جلد چار روپے۔ پتہ:۔ کلیم بک ڈپو خاص

بازار۔ احمد آباد۔

جناب کلیم احمد آبادی اگرچہ نسبت کم مشہور لیکن بڑے عمدہ کلام اور کہنے شاعر ہیں۔ احمد آباد
جیسے جگہ میں رہ کر اس پایہ کا شاعر ہونا ان کے فطری شاعر ہونے کی دلیل ہے۔ زیر تبصرہ کتاب سوشل
کا پہلا مجموعہ کلام ہے جس میں ان کے دورِ آخر کا کلام درج ہے جس میں جذبات کے ساتھ ملکیت اور
رومانیت کے ساتھ موعظت و حقیقت بیانی کا بڑا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ عقل اور فلسفہ
کے ساتھ سوز و گداز بھی ہے۔ زبان صاف ہستہ اور رفتہ و رواں ہے۔ شروع میں جناب احمد ہمدانی
اور پروفیسر نجیب انثرنزدی جیسے افاضل کے مقدمے ہیں۔ یہ مجموعہ ہر صاحبِ ذوق کے مطالعہ
کے لائق ہے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت

تالیف

مولانا سعید احمد ایم اے۔ مدبر بہان

یورپ کے ارباب علم نے اسلامی تعلیمات کو بدنام کرنے کے لئے جن حربوں سے کام لیا ہے ان میں سیوری
کا حربہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے علمی اور تبلیغی حلقوں میں اس مسئلہ کا مخصوص طور پر
چرچا رہتا ہے اور اس وجہ سے ہندوستان کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس سے اثر پذیر ہے۔ غلامی کے مسئلہ پر
اسلامی نقطہ نظر کے ماتحت ایک معتادہ و یگانہ بحث دیکھنے کے لئے یہ کتاب پڑھنے کے لائق ہے۔ اس میں
غلامی کی حقیقت، اس کے اقتصادی، اخلاقی اور نفسیاتی پہلوؤں پر بحث کرنے کے بعد یہ بتایا گیا ہے
کہ انسانوں کی خرید و فروخت کی ابتدا کب سے ہوئی، اسلام نے اس میں کیا کیا اصلاحیں کیں اور ان
اصلاحوں کے لئے کیا برکت طریقہ اختیار کیا اسی کے ساتھ مشہور معنفین یورپ کے بیانات اور یورپ
کی ہلاکت خیز اجتماعی غلامی پر بھی مسوطہ بھر دیا گیا ہے۔ ایسرا ایڈیشن، بڑا ساؤتھ، ۲۴ صفحات،
(کتاب زیر طبع ہے)

قیمت للہ علیہ علیہ

تاریخ اسلام مکمل کو رس

تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ جو تاریخ ملت کے نام سے مشہور ہے اور مقبول عوام و خواص پر چمکا ہے۔ مختلف قوم و صیغوں کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے۔ زبان کی سلاست، ترتیب کی دل نشینی اور جامعیت اس کی ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپ کو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملیں گی۔ خلفاء اور سلاطین کی شخصی زندگی کے سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد تاریخ اسلام کے تمام ضروری اور مستند حالات سامنے آجاتے ہیں۔

اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں داخل ہونے کے لائق کتاب

جلد اول نبی عربی ایکٹ پیس آٹھ آنے جلد ششم خلافت عباسیہ دھرم تین پچیس پانچ آنے
جلد دوم خلافت راشدہ تین پچیس آٹھ آنے جلد ہفتم تاریخ مصر تین پچیس چار آنے
جلد سوم خلافت بنی امیہ تین پچیس آٹھ آنے جلد ہفتم خلافت عثمانیہ تین پچیس چار آنے
جلد چارم خلافت بنی عباسیہ دو روپے جلد ہفتم تاریخ حنفیہ ایک روپہ پانچ آنے
جلد پنجم خلافت عباسیہ معتزلہ تین پچیس پانچ آنے جلد دوم سلاطین ہند تین پچیس آٹھ آنے
جلد یازدہم سلاطین ہند دوم تین پچیس آٹھ آنے

قیمت بمثل سیٹ غیر مجلد اکتیس پچیس آٹھ آنے مجلد چونتیس روپے

مکتبہ برہان جامعہ مسجد ملی ۶

برہان

مندوۃ المصنفین علی کا علمی، مذہبی اور ادبی ماہنامہ

”برہان“ کا شمار اڈل درجے کے علمی، مذہبی اور ادبی رسالوں میں ہوتا ہے اس کے نگاشتے میں نہیں صرف بہترین مضمونوں کے پھول بڑے سلیقے سے سجائے جاتے ہیں۔ نوہالان قوم کی ذہنی تربیت کا قالب درست کرنے میں ”برہان“ کی قلم کاریوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ اسکے مقالات سنجیدگی، متانت اور زور قلم کا لا جواب نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر آپ مذہب و تاریخ کی قدیم تحقیقوں کو علم و تحقیق کی جدید روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے برہان کے مطالعے کی سفارش کرتے ہیں، یہ علمی اور تحقیقی ماہنامہ اکیس سال سے پابندی وقت کے ساتھ اس طرح شائع ہوتا ہے کہ آج تک ایک دن کی تاخیر نہیں ہوئی۔

”برہان“ کے مطالعہ سے آپ کو ”مندوۃ المصنفین“ اور اُس کی مطبوعات کی تفصیل بھی معلوم ہوتی رہے گی، آپ اگر اس ادارے کے حلقہ معاونین میں شامل ہو جائیں گے تو برہان کے علاوہ اُس کی مطبوعات بھی آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔

صرف ”برہان“ کی سالانہ قیمت چھ روپے - دوسرے ملکوں سے گیارہ شلنگ

حلقہ معاونین کی کم سے کم سالانہ فیس تیس روپے

مزید تفصیل دفتر سے معلوم کیجئے

برہان آفس اردو بازار جامع مسجد دہلی

عظیم موسیٰ محمد ظفر احمد پرنٹر و پبلشر نے، الجمعۃ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر برہان دہلی سے شائع کیا

۱
ندوة المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برکات

مرتب
سعید احمد بک سرآبادی

مکمل لغت القرآن

(بچہ جلدوں میں)

قرآن کریم کے الفاظ کی شرح اور اس کے معانی و مطالعے کے عمل کرنے اور سمجھنے کے لئے اردو میں اس سے بہتر اور جامع کوئی لغت آج تک شائع نہیں ہوئی۔ اس غلیظ نشان کتاب میں الفاظ قرآن کی مکمل اور دل نیر شرح کے ساتھ تمام متعلقہ کھول کی تفصیل بھی ہے۔ ایک مدرس اس کتاب کو پڑھ کر قرآن مجید کا بہترین درس لے سکتا ہے اور ایک عام اردو خواں اس کے مطالعہ سے ذمہ قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھے طرح کر سکتا ہے بلکہ اس کے مضامین کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اہل علم و تحقیق کے لئے اس کے علمی مباحث و ترقی مطالعہ میں "لغات قرآن" کے ساتھ الفاظ قرآن کی مکمل اور آسان فہمست بھی دی گئی ہے جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام لفظوں کے حوالے بڑی سہولت سے کئے جاسکتے ہیں۔ مکمل لغات قرآن اپنے انماز کی وجہ سے کتاب ہے جس کے بعد اس موضوع پر کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جلد اول	صفحات ۳۳۲	پری تقطیع	غیر جلد چار روپے آٹھ آنے
جلد دوم	۳۳۶	•	جلد پانچ روپے آٹھ آنے
جلد سوم	۳۳۲	•	جلد پانچ روپے
جلد چہارم	۳۸۹	•	جلد پانچ روپے
جلد پنجم	۵۰۰	•	جلد پانچ روپے
جلد ششم	۳۲۲	•	جلد پانچ روپے

(دوسری کتاب کے مجموعی صفحات ۲۶۶۲)

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی۔



برہان

جلد ۳۳ | اکتوبر ۱۹۵۹ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ | شمارہ ۳

فہرست مضامین

۱۹۴	سجد احمد اکبر آبادی	نظرات
۱۹۵	مولانا محمد طغیر الدین حسنا، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند	اسلام کا نظام امن و امان
۲۱۳	جناب ڈاکٹر خورشید احمد فاروق حسنا، استاد ادبیات عربی	تاریخ الردۃ
	دہلی یونیورسٹی دہلی	
۲۲۱	ماہر رضا پیدار	آزاد - ایک صفائی
۲۲۹	جناب نثار احمد حسنا، فاروقی، دہلی یونیورسٹی لائبریری	ذکر صفائی
	دہلی	
۲۵۲	جناب آلم منظر نگری	ادبیات - ناول
۲۵۴	(د)	تیمورے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

پچھلے چھوڑ دی تھی کہ ملک کے مختلف طبقوں اور متعدد مذہبی تعلیم کے مطالبہ پر حکومت مذہب و اخلاق کی تعلیم کو یونیورسٹیوں میں رائج کرنے کے سوال پر غور کر رہی ہے۔ اب اطلاع ملی ہے کہ حکومت نے اس مسئلہ پر رپورٹ پیش کر چکی۔ غرض سے تین افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ حکومت نے مذہب و اخلاق کی تعلیم کو سیکولرزم کے خلاف نہیں سمجھا اور کسی دہائی میں اس نے بھی اس تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کر لیا لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس موقع پر ہم یہ جاننا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک اخلاق اور مذہب دونوں لازم و ملزوم ہیں اس ان کے خیال میں نفس اخلاق کی اس تعلیم کی عطا کوئی قیمت نہیں ہے جو مذہب کے الگ کر کے دی گئی ہو اور یہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کا حال بھی یہی ہے۔ اس بنا پر مذہب و اخلاق کی تعلیم کو رائج کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر مذہب اور اس کے اخلاق کی تعلیم کا انتخاب ان لوگوں کو کیا جانیے جن کو اس مذہب کے لوگوں کا اتحاد حاصل ہو اور جو واقعی اس کے اہل ہوں پھر اس کا بھی اہتمام ہونا چاہیے کہ یونیورسٹیوں میں ہر مذہب کی تعلیم کے لئے ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو اس مذہب کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہوں تاکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اساتذہ کا مذہبی اور اخلاقی کردار بھی طلباء کو متاثر کرے اور اس طرح مذہب و اخلاق کی تعلیم سے خاطر خواہ نتائج پیدا ہوں۔ مذکورہ بالا تجویز کے علاوہ اگر حکومت نے کہیں یہ کیا کہ تمام مذاہب اور ان کے اخلاق متعلق ایک ہی مصلحت، ایک ہی کتاب یا چند مشترکات میں تجویز کر دیں اور سب مذاہب کی تعلیم کے لئے ایک ہی اساتذہ کو ضرور وہ کسی مذہب کے متعلق رکھتا ہو کافی سمجھ بیا گیا تو ہم اس سے کہہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے یہ جو رہنما عمل ناقابل قبول ہوگی کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ تاریخ کی جو کتابیں آج کل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں ان میں مسلمانوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے اس لئے اگر سب مذاہب کی تعلیم کا کوئی انتظام کیا جائے تو خطرہ؟

کہ اکثریت کے ذریعہ تکلیف دہ اور برا کام کی تعمیل ہوگی۔ منجانب سے کہ وہ اپنی
 ہر شکل صورت میں نہیں ہوگی۔ بلکہ ہر کام ہے حکومت کو اس میں خود کی سے خود کیا جائے۔

انہوں نے پہلے دہائیوں میں یہ خیالات صمیم صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم امیر میں دہائی میں خواجہ
 نور محمد ہندو کے تھانہ نشین تھے۔ اس نسبت سے اگرچہ وہ ہونی تھے اور حقیقتہً انہوں نے ہند کے صدر میں تھے لیکن اس میں
 کے مہم بہاد ہندو کے برخلاف شریعت کے احکام و عادات اور تبلیغ سنت کا حق اور وسیع بڑا احاطہ اور خیال رکھتے تھے
 خود ہی بڑے اچھے عالم تھے اور مدار کا احترام کرتے اور اس سے تعلقات رکھتے تھے۔ دہائی کو ذکر کا بہانہ نشین ایک چھوٹی
 موٹی باہت کا سلسلہ انسان والی ہوتا ہے لیکن دیوان صاحب مرحوم فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کے
 فوجی دلی معاملات سے بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ اظہانی اعتبار سے بڑے خوش مزاج، شگفتہ طبع ہوتا تھے اور بڑے
 فطین تھے۔ ان کا دروازہ ہر مہمان کے لئے کھلا رہتا تھا۔ گفتگو بھی بڑی شیریں اور موثر ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو شکر و
 خیر نصیب کرے اور مدار و مراتب بلند فرمائے۔ آمین۔

انہوں نے پہلے دہائیوں میں دیوان صاحب مرحوم کی روایت میں بھی ہم سے جدا ہو گئیں۔ ایک چودھری محمد علی دوداوی
 اور دوسرے عبدالحمید سالک۔ چودھری صاحب اردو کے نامور ادیب۔ بختہ ظلم اور کینہ شکن انشا پرداز تھے۔ ایک زمانہ
 میں ان کی تحریریں بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ زبان دانی کے ساتھ ان کی تحریر کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ
 ایک سے ایک بات یا خیال کو اس انداز سے کہتے تھے کہ ذوقِ مسلم کو گھساؤنی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ انابین بی بی "گنگوٹ"
 غیر محمدی شاہان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد افسانے اور دہائی اور کتابیں بھی ان کی یادگار ہیں۔ طباطبائی
 ہنسور زندہ دل اور شگفتہ انسان تھے۔ تعلقات دار ہونے کی وجہ سے زندگی بڑے عشق و آرام میں گذاری آخر عمر میں وفات
 فدا کا ان پر بڑا غم ہو گیا تھا۔ ناز تو خیر باندی سے پڑھنے لگے تھے اور جی کر کے تھے۔ مگر آخرت کے دوسرے میں
 رہتے تھے اگرچہ ہندوئی طور پر بلایہ فرقہ کے فرقہ رکھتے تھے۔ لیکن تعجب ان میں نام کو بھی یہ تعلق دلی منت و دعا
 سلفا کہتے تھے۔ ان کے طریقہ پر پڑھتے تھے۔ اس سلسلہ میں تیرا خیر کے نام سے انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی
 نام بھی ایسا ہی تھا۔ اس کو فرقہ پرستوں نے خیر سے خیر کے نام کا در ذکر کرتے کہ وہ ان کا تعلق
 کہ ہر کوئی۔ اللہ تعالیٰ ان سے عافیت فرمائے۔

پنجاب نے اور دوزبان و ادب کی ہوا نے انہیں پیدا کی ہیں۔ جہاں لہو سا ملک مرحوم خاتم ان حضرات کی
صوبہ اہل میں تھا۔ انہوں نے فنی ماحول کر کے بنی، اسے کیا تھا لیکن ذاتی مطالعات نہایت اور شوق اور کج فطری نقد
کے باعث ادبی دنیا میں اس قدر شہرت حاصل کی کہ ایک زمانہ میں زیندار اخبار میں ان کے حکایات، احوال و انقلاب ان
میں ان کے افکار و حوادث پنجاب میں گھر گھر بٹے خوش اور دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے اور اخبار کو پڑھنے والے لوگ سب
پچھلی چیزیں پڑھتے تھے۔ غلام رسول مہر کی طرح مرحوم بھی مولانا ظفر علی خاں کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ اردو زبان کا
ماوراء و اقبال پر بڑا مہور رکھتے تھے۔ اور اس وصف خاص میں استاد بھی بہت سنے گئے تھے۔ انہوں نے
مہر صاحب کے رفیق کی حیثیت سے اردو صحافت کا ایک اہم ایوارڈ قائم کیا کہ آج بہت سے اجادات انہیں کے
نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اردو زبان کے بلند پایہ ادیب، اور مقامی ہونے کے علاوہ بے تکلف اور فی البدیہ
شعر بھی کہتے تھے اور یہ غالباً مولانا ظفر علی خاں کی صحبت ہی کا فیض تھا۔ اب ادھر خیر بریسوں سے سبیدہ تصنیف
و مابین کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان کی دو کتابیں ذکر اقبال اور ہندوستانی مسلمانوں کی
تاریخ تعارف، جس پر برہان میں تبصرہ بھی ہو چکا ہے بڑی اچھی کتابیں ہیں۔ بلکہ مرحوم بھی بڑے خندہ جس فخر
اور فخر و شائے انسان تھے مزاج میں اعتدال پسندی اور میانہ روی تھی۔ یہاں تک کہ سیاسیات میں بھی ان
مسک ممدل ہی رہا۔ وہ اردو کے ان چند خوش نصیب اخبار نویسوں میں تھے جنہوں نے محض اپنے قلم سے شہرت
بھی خوب حاصل کی اور دولت بھی کافی کائی۔ حضرت استاد مولانا سید محمد اور شاہ صاحب مکتبہ شریعی سے بڑی
عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور اسی تعلق سے راقم الحروف کے ساتھ ہمیشہ بڑے خلوص اور محبت سے پیش آتے
تھے۔ فقہ کے بعد ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن ان کے نامہ پیام بہرہ آتے رہتے تھے۔ محبت اور
حق و تش کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے پنجابی تھے۔ انتقال ۳۳ برس کی عمر میں اپنا کج حرکت قلب کے بند ہو جانے
سے ہوا۔ ان کی وفات نے شہرہ اردو زبان و ادب کا ایک سانحہ غم ہے۔ حق تعالیٰ مغفرت و بخشش کی رحمت
سے سرفراز فرمائے۔

اسلام کا نظام امن امان قتلِ خطا اور اسکی روک تھام

(۲)

(از۔ مولانا محمد طیفیر الدین صاحب دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

عرفی مالی پوری دیت سواونٹ ہے، نہ ختم کے کم دینش کے اعتبار سے کسی زخم میں پوری دیت واجب ہوتی ہے اور کسی میں نصف، اور کسی میں اس سے بھی کم، احادیث میں تفصیل جو مذکور ہلا سے معلوم ہوتا ہے، اگر سونا یا چاندی جو بیت میں بیان کی گئی ہے، وہ اس زمانہ میں سواونٹ کی ہی قیمت کا حساب لگا کر بیان کی گئی، وہ در اہل دیت کی بنیاد اونٹ پہنچے، لیکن فقہاء نے متین کر دیا ہے اگر دیت دے، تو سواونٹ ہے، اور سونے دے، تو ایک ہزار اشرفی ہے، اور چاندی سے ادا کرے تو دس ہزار درہم ہے، اور گائے بیل سے دے، تو دوسو گائے بیل ہے، بکری سے ادا کرنا چاہے، تو ایک ہزار بکری ہے، اور جوڑے سے ادا کرنا چاہے، تو دوسو جوڑے ہیں، اس طرح کہ ہر جوڑے میں دو بکرے ہیں، زار اور چار دس چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں۔

ومن العین الف دینار ومن الورق	سونے سے دیت ہزار دینار ہے اور چاندی سے
عشرة آلاف درھم..... وقالا	دس ہزار درہم..... اور وہاں جیسے بے کہا ان چیزوں
منھا ومن البقر ما بالبقر ومن النعم	سے بھی اور بزرگ سے دوسو گائے اور بکری
الف شاة ومن الخيل ما حلة كل	ایک ہزار بکری اور بیڑوں سے دوسو جوڑے
حلة ثوبانہ وتروى كتاب العیات	کہ ہر جوڑے میں دو بکرے ہوں

نہ دیکھئے ہر اصل منہ

ایک مٹی کا برتن | جانور کو اگر نظر انداز کیا جائے، کہ اس کی قیمت مختلف ہو تو ہے، سنا جائے ہی نہیں کہ
مٹی کا درجہ ماہل ہے اسے پیش نظر رکھا جائے، اور انسانی اعضا کی قیمت لگائی جائے تو ایک مٹی کی قیمت
رخوا بچھوئی ہو خواہ ڈی، جو عزم پر مادی کی گئی ہے سو شرفی یا ایک ہزار درہم ہوگی، سو شرفی کی قیمت آج کل کے
سکے کے اقل سے بہت کافی ہوگی، اس لئے کہ سنا کافی گراں ہے، ہر ہزار درہم تو ایک ہزار درہم کی قیمت بھی کم از
کم پاسور ہے ہوگی۔

موسس مالی حکومت | پھر یہ روپے حکومت کے خزانوں میں داخل نہیں ہوں گے، بلکہ یہ عروج کو طے کر دیت
کے بجائے زخمی کو | کی رقم اسلام خواہان کی ہو خواہ مٹھو کی، عروج یا استغول کے درخت یا خود اس کو
دلانا ہے۔

مخصوص اعضاء کی قیمت | مخصوص اعضاء میں سے ہر ایک کی قیمت جان کے برابر رکھی ہے، کہ اس کے نقصان
جان کے برابر نہیں | سے آدمی کے جال و کمال میں بڑا فرق آجاتا ہے اور آدمی کی غفلت کا نقصان بھی
کرنے کی دہر | ہے کہ اس کے مخصوص اعضاء کو اہمیت دی جائے۔

دالا صل فی الاطراف اندہ اذ افوت | اور اعضاء اہل ہے کہ جب اس کی ضیعت
جنس منفعت علی الکمال اذ ازال | بالکل ختم کر دی گئی، اور اس میں ذہنیت اور
جمال مقصود فی الآدمی علی الکمال | خوبصورتی کا باطنی اثر ازالہ کر دیا گیا حقایق میں
یحب کل الذی لا تلافی النفس من | مقصود ہے، تو ایسی ہوس میں بوجہی دیت
وجہ وهو ملحق بالامتنان من کل | واجب ہوگی، کہ جان کا خاتمہ کرنا خواہ کسی
وجہ تنظیلا لآدمی | اعضاء سے جو آدمی کی تنظیم کے پیش نظر ہے
و نعم القدر یکثوری ج ۴ ص ۲۷۷ | کے حکم میں ہے۔

اور اس سے بڑھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مخصوص اعضاء کی یہ تحریک فرمائی ہے
اگر اسلام کی بیان کر دے خواہاں کر دی جائے، تو غیر ممکن ہے کہ قتل و زانیہ اور کھانا پینے کے لئے
بند نہ ہو جائے۔ اور امن و امان پر اسے طور پر قائم نہ ہو جائے،

تاریخ کے مطابق | اسلامی قانون کی تبدیلی ضرورت تفصیل آپ پڑھیں گے، میں نے عرض کیا تھا کہ قانون افراد
و نفع لیا ہے پاک اور مستدل ہے اس میں نہ موسمی قانون کی سختی ہے اور نہ موسمی قانون کی سی ضرورت ہے
زیادہ نرمی،

موسمی قانون | موسمی قانون کا ایک حصہ آپ اپنی طور پر پڑھ چکے، جس کی طرف قرآن پاک میں اشارہ کیا
چکا، بقدر ضرورت تفصیل یہاں ملاحظہ فرمائیں۔

”اور وہ جو انسان کو ہڈوں سے اور مادہ والا بنائے گا..... اور اگر کوئی اپنے ہسلے کو چوٹ
لگائے اور جیسا کرے گا، ویسا ہی پلے گا، توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت
کے بدلے دانت، جیسا کوئی کسی کو نقصان کرے، اس سے ویسا ہی کیا جائے،“ دہرا نا چند نامہ
کتاب (جارج باب ۲۲) ”جو کوئی کسی کو مارے اور وہ مر جائے، تو وہ البتہ قتل کیا جائے“
دایضاً کتاب (غزوہ بلب ۲۱) ”..... اور اگر وہ اس حد سے ہلاک ہو جائے، تو
تو جان کے بدلے جان لے، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے
ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے بدلے جلانا، زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ دایضاً ”تو تم
اس سے وہ سلوک کرو جو اس نے چاہا تھا کہ اپنے بھائی سے کرے، تو اس طرح برائی کو اپنے
درمیان سے دھکیلو، کیونکہ باقی لوگ نہیں اور دہشت کھائیں، اور آگے کو تھارے دیوان
ایسی شہادت پھر نہ کریں، اور تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ
دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو گا“ دہرا نا چند نامہ
کتاب (اشخاص باب ۱۰ آیات ۱۰-۲۰-۲۱-۲۲)

موسمی قانون | اب اس کے مطابق موسمی قانون ملاحظہ کریں کہ کس طرح اس کے مطابق خود
متم ہو چکا ہے کہ اگر آپ آگے کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ہیں تب
کہاؤں کہ ظلم نہ ہو بلکہ حکم و تعادل ہے، بلکہ پورا نیا جہاد ہے، موسمی رنگ
موسمی جہاد کا کوئی چاہے کہ تیری جان اس کے تیری جان کے بدلے کہ تیری جان

جیسے اور جو کوئی تجھے ایک کمری ہے گا لے جائے اس کے ساتھ دیکھو اس کا
جو کوئی تجھ سے ملے گا۔ دینا عہد کر میں کی (نہیں باب ۵)

اسلامی قانون کا ماحول

(۱) قرابت جو مذکورہ فیصلوں کتابوں میں سب سے پہلے کی ہے تشدد اور قتل کے جواب میں تشدد اور قتل کو
لازم قرار دیتی ہے اور تاکید کرتی ہے تیری آنکھ مروت نہ کیے اور ظالم کو معافی نہ دے۔

(۲) اصل جو قورات کے بعد کی کتاب ہے اس میں تشدد اور قتل کی بالکل اجازت نہیں دی گئی ہے
خواہ کچھ جو جائے، ہر صورت میں خود درگذر سے کام لینے کا حکم کیا گیا ہے اور قاتل اور مجرم کو آزادی
بخشی گئی ہے۔

(۳) قرآن پاک جو سب سے آخری کتاب ہے، تشدد کے جواب میں تشدد کو لازم قرار دیتی ہے مگر ساتھ
ہی خود درگذر کی بھی اجازت دیتی ہے، گویا عیسوی قانون میں قصاص ہے اور غوث بالکل نہیں، عیسوی
قانون میں صرف عفو ہی غوث ہے قصاص نہیں، اور اسلامی قانون میں قصاص بھی ہے اور عفو درگذر
کی اجازت بھی۔

موسیٰ قانون ایک انتہا پر تھا اور عیسوی دوسری انتہا پر اور اسلامی قانون
دونوں کے جوچ بیچ متدل اور درمیانہ، نہ موسوی قانون کی طرح بلا کی سختی کو
جس سے انسان گہرا اٹھے اور نہ عیسوی قانون کی سی فردیت سے زیادہ نرمی کو مجرم شیر بن جائے اور ملک
کا اس دامن قاتت ہو جائے۔

قورات کے احکام کو عوام سراہ سکتے ہیں اور یہ ان کا دستور العمل بن سکتے ہیں، انجیل کے احکام
مروت خواص الفاظ کا حشر ہو سکتے ہیں اور وہی اس پر عمل کر سکتے ہیں، لیکن قورات کے احکام ایسے
روشن بنادیں، جو ہر شخص کے لئے قابل قبول ہو سکتے ہیں، خواہ اس کا تعلق عوام سے ہو، خواہ خاص سے
قانون کی ہر گہری اور نین کیے کہ اس دامن ایسے ہی قانون سے قائم ہو سکتے ہیں جس میں سارے جہان
کی رعایت ہو جو خدا کے ہی کو نظر آتا ہے کہ تاہم نہ وہ ان مقول کے ساتھ ضروریات سے خبر پوری نہ لگا

اور نہ ملک و قوم اور نہ مقتول کے تعلق کو پس پشت ڈالتا ہوں میں عوام کے جوش اور جذبہ انتقام کا بھی گمانا ہوں، اور ساتھ ہی خواص کی مدد و اندیشی اور با یک دلی کا بھی پاس ہوں جس سے غلبت پسند بھی مطمئن ہو جائے اور دہشت گردوں کی بھی تسکین و خاطر میں کوئی کسر رانی نہ رہے، اور اسی طرح مذکور حکومت کے اختیار کو بھی ٹھیس لگے اور نہ دانتان مقتول کے اختیار کا مسئلہ مخدوش ہونے پائے۔

اسلامی قانون پر چرچ ایسا ہی ہے اس میں جس قدر غور کیجئے گھر تا ہی جلے گا، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ آخری قانون ہے جس میں کبھی تبدیلی کا کوئی یقین نہیں، اور جس کا منشا ہی ہے دنیا میں اس دامن قائم کرنا، لکھوئے ہوئے سکون کو واپس لانا، اور منشر انسانیت آبادی کو ایک لڑی میں پرونا،

اسلامی اور انسانی	اسلامی اور انسانی قوانین میں کتنا عظیم اثنان فرق ہے، اور نتائج کے اعتبار سے
قوانین میں تفاوت	دونوں میں کس قدر تفاوت ہے اس کا اندازہ اس برٹش لائے لگائیے جو دنیا کی ایک بڑی مہذب، شائستہ اور تعلیم یافتہ قوم کی دماغی اُپج اور تجربہ کا مجموعہ ہے اور جسے ہندوستان میں انھوں نے رائج کیا تھا، اور جواب تک کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے۔

اسلامی قانون | قتلِ عمد کے سلسلہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام کا ابدی قانون یہ ہے کہ خون کا بدلہ خون ہے جو ولی مقتول اپنے ہاتھ سے کرے گا، یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا، لیکن ساتھ ہی ولی مقتول اس ہنر کے ملحد کرنے پر مجبور نہیں ہیں، بلکہ ان کو اختیار ہے کہ قاتل کو قتل کر ڈالیں یا اپنی خوشی سے قتل کے عوض دیت مالی عوض، لیکر جان بخشی کر دیں، یا بالکل معاف کر دیں، یعنی نہ قاتل کو قتل کریں اور نہ دیت قبول کریں، یہ الگ بات ہے کہ اسلام میں قہاص کی تہذیب دی گئی ہے تاکہ آئندہ اس کا مکمل اندازہ ہو سکے۔

قتلِ خطا کے سلسلہ میں اسلامی قانون یہ ہے کہ قاتل ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرے اور مزید کہ وہ اس کے اہل و عیال کو دیت ادا کریں، یعنی سوا دس، یا ایک ہزار اشرفی، یا دس ہزار درہم، انھیں

اپنا گزر بچے،
 خدائی قانون | برٹش عدالت کے سلسلہ میں یہ ہے۔

جو کوئی شخص قتل ہو گا ملک پر اس کو مرنے کی موت، یا جس دو احمق پروردگار کے خیر کی سزا ہوگی۔

اور جو ملے کا بھی مستوجب ہوگا۔ (دوسرے گروہ کے لئے)

قتل خطائی مزار برائش لاریں یہ بیان کی گئی ہے۔

”جو کہ قتل انسان کا مرتکب ہو، جو قتل ہو کہ کسی شخص کو جس کا نام ہے

دریائے شور کی مزار دی جائے گی، یا دونوں قبروں میں سے کسی قسم کی تیرک مزار دی جائے گی جس کی

بیجا دوس برس تک چھڑکتی ہے اور وہ جو ملے کا بھی مستوجب ہوگا۔ (دوسرے گروہ کے لئے)

انسانی قانون کی خامیاں | یہ دونوں سزائیں ایک اسلامی (خداوندی) دوسری انسانی (دنیوی) آپ کے

سامنے ہیں خود سے بڑھیں اور فیصلہ کریں کہ دونوں میں کتنا فرق ہے۔

کون نہیں جانتا کہ قتل کی سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ وراثتی مقتول کا آدمی خالی ہو جائے جس سے

اس کا اثنا بڑا نقصان ہو جائے کہ جس کی تلافی بظاہر نہیں ہو سکتی ہے، پھر اس کی وجہ سے قدرتی طور پر ان کے

دلوں میں انتقام کے جذبات پودش پاتے ہیں، دوسری طرف ملک کے امن و امان میں اس سے خلل واقع

ہو جائے جس کی وجہ سے بد امنی کے پھیلنے کا قوی اندیشہ ہے، سزا کے عمل میں لاسے سے ایک طرف وراثتی مقتول

کی دلبری ہوتی ہے اور ان کے انتقامی جذبات کا قطع نفع ہوتا ہے، ساتھ ہی امن و امان کو مدد ملتی ہے اور ملک

کا فائدہ ہوتا ہے، مگر یہ کلی حقیقت ہے کہ ملک کا نقصان اس لئے ہے کہ ملک کی ایک قسمی جان ضائع ہوتی ہے، یعنی

ملک کا نقصان وراثتی مقتول ہی کے واسطے سے ہے۔

ان حالات کے پیش نظر انٹرنیشنل اسلامک قانون ہی افضل و مکمل ہے کہ اس میں وراثتی مقتول کی

دلبری کا پورا لحاظ پاس ہے، ان کو اختیار دیا گیا ہے، قاتل کو قتل کر کے اپنے دلوں کو تسکین دے سکیں یا اپنی معصوم

سکھ میں نظروں سے مقتول لے کر چھوڑ دیں۔

وراثتی مقتول کو نظر انداز کرنا | انسانی قانون میں ان امور کا بالکل لحاظ نہیں ہے، ایک قاتل وراثتی مقتول

کی رائے پر نہیں ہے بلکہ حکومت کے اختیار میں ہے، کہ جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد سزا کی سزا دے

یا جیسا کہ، وراثتی مقتول کی دلبری کا کوئی لحاظ نہیں ہے، ایک قاتل کی تسکین میں کو غور و غماز کرنا

سے بڑھتی ہے، وہ مجرمانہ کے عالم میں چھوڑ دینے سے نہیں ہوتی، دوسرے قاتل کی سزا کا قاتل ہی سے ہو سکتی

میں دودھ سے نہیں تیسری چیز کہ وہ تین مقبول کی مرغی کا لحاظ ہوئے تو یہ بھی اگر کسی دوسرے صاحب میں مبتلا ہو جائیں گے مثلاً ایک بڑے باپ یا کسی بیکس پرہ کے دو بیٹے لڑ پڑے تاکہ نے دوسرے کو اتنی کر دیا تو ایک لڑائی میں گیا، دوسرے کو حکومت نے چانسی پر کچھ دیا یہ اس کی حمایت ہوئی اور اس کے جذبات کا پاس ہوا یا اس کی بے کسی میں اضافہ ہوا اور اس کے رہے ہے یہاں کو ختم کیا گیا، اسلامی قانون میں یہ عیب نہیں ہے، اس میں بڑی چمک ہے۔

ایک غلط فہمی کا انزال

بعض لوگ اپنی سادہ لوحی ہے سوال کرتے ہیں، کہ عوض مالی ایسی سزا ہے کہ مال و اداؤ کی جس کا چاہیں گے خون کرتے پھریں گئے اور دیت دے کر جھوٹ جائیں گے، لیکن یہ کھنا سطر غلط ہے، یہ سوال اس وقت البتہ درست ہو سکتا ہے کہ دیت و دیگر جھوٹ ہانا ناقص کے اختیار میں رکھا جاتا، اگر یہاں کیا پنس ہے، بلکہ سادہ اختیار و اذان منقول کے ہاتھ میں رکھا گیا ہے، لہذا یہ سوال ہی غلط ہے۔

یہی نقص قتلِ خطا کی سزا میں بھی ہے کہ برٹش لار میں اس پہلو کا بالکل لحاظ نہیں ہے، کہ قاتل کے قصود و ارادہ کو بالکل دخل نہیں ہے، اور جس دوام کا تجویز ہوگا، کہ ایک تو مقتول کے وارث کا کوئی نہاں فائدہ نہیں ہوا، جس سے اس کی اشک شوی ہوتی، اور دوسرے قاتلِ خطا کے بچوں کا سہارا بنانا، یہاں تک کہ اس کے اسلامی قانون میں دو ٹو پہلو کی رعایت ہے کہ وارثانِ مقتول کی مقتول امداد بھی چوگی، فتنہ و فساد کا دروازہ بھی بند ہو گیا، اور قاتلِ خطا جو کنبے قصور ہے اس لئے اس کے بال بچوں کا سہارا بھی قائم نہ ہوا۔

اگر کسی کفر میں پکچھلے کہ کوئی ایسی عقلی اور خطا کا مادی ہو جائے گا تو اس سے ملک و قوم کا
بیہودہ ہونا ہوگا، اس سلسلے میں گزارش ہے کہ اسلامی قانون میں اس کی دہشت کی بجائے چاہو اس
جرم کا کردار کرے گا، مگر منہ وقت اس کو قتل کرنا سنی ہے۔

انہوں نے ان کو تنبیہ کیا کہ یہ فرق انسانی اختلاف کے نتیجہ میں ہے جو خدایاں کی مرضی سے ہے۔
 یہاں تک کہ اگرچہ اسلامی قانون کی تشکیل اور پرانے کے حکم اسلامی قانون میں نہیں کی طرح
 لاکھ ہر نئی مخلوق اور ہر صنف کو اختیار ہے کہ وہ ظالم و جارح سماجی کشش بدلہ دے اور خود کو

انسانی قانون میں غلطی نہ ہو | پھر یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ قید اور جرم کی ہر اور مقدار میں نہیں کی گئی ہے بلکہ اسے عدالت کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے حالانکہ حاکم مختلف مزاج کا ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ نہ تو اس دکان کی بھالی میں اس قانون سے حسب درخواست و پینچ سکتی ہے اور نہ مظلوم کی حفاظت ہوئی جیسا چاہیے تھا۔ اس وقت میں نے صرف ایک قسم کے انسانی قانون کو پیش کیا ہے، تجھے انسانی قوانین ہوں گے خواہ کسی ملک کے ہوں ان میں اسی طرح کے بے انتہا نقص ہوں گے۔

درمیان میں انسانی قانون کی خامیوں کا اندازہ لگانے کے لئے یہ بحث آگئی، اور نہ بحث یہ ہو رہی تھی کہ اسلام نے انسانی اعضاء کی حفاظت کا بھی بہت ہی حکم اصول وضع کیا ہے، اور اس طرح اس دکان کے دشمنوں پر کڑی نگرانی قائم کی ہے۔

بہر حال جن اعضاء انسانی میں مماثلت ممکن ہے اس میں قصاص ہے یا دیت، اور جن اعضاء انسانی کو اس طرح تکلیف پہنچائی جائے کہ برابر بدلہ لیا جانا ممکن نہ ہو، بلکہ زیادتی کا اندیشہ ہو، اس کی سزائیں صرف دیت ہے اور بعض صورتوں میں حکومت عدل۔

اعضاء انسانی کو نقصان | تفصیل سے میں نے قصداً گریز کیا ہے، کتب فقہ میں پوری تفصیل موجود ہے، اور اگر پہنچانے کے سلسلہ کی حدیں | زندگی نے وفا کی تو انشاء اللہ کبھی ضروری تفصیل پیش کی جائے گی، اس وقت چند احادیث پیش کر کے اس بحث کو ختم کر دینا ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ وہ آنکھ جیسے کسی نے نقصان پہنچایا، جس سے اس کی روشنی جاتی رہی مگر انہی جگہ وہ بدستور قائم رہی، تو اس کی دیت سو دینار ہے۔

ابن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے جوہر میں دو دوا انت کا فیصلہ کیا، اور حضرت معاویہؓ نے پانچ اونٹ دیت میں حائل کیے۔

حضرت عمر بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

فقہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کافی انکار کیا۔

تہذیب اسلامی میں اس کا ذکر ہے۔

فی الصین الموراء الساقۃ لما جاء اذا
 لمست بثلث دیتھا و فی المید الشلا
 اذا اقلعت بثلث دیتھا والصین المسودا
 اذا اقلعت بثلث دیتھا۔
 کانیفیلہ کیا۔

(تیسرا الوصول فتا)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں، ایک نے دوسرے کو پتھر اٹھا کر دے
 مارا، جس سے وہ مر گئی اور اس کے ساتھ اس کے پیٹ کا بچہ بھی، جب یہ مقدمہ دربار نبوی میں پیش ہوا، تو آپ نے
 عورت کی دیت کا فیصلہ فرمایا اور جنین و پیٹ کا بچہ کی دیت میں فرمایا کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے۔
 کتب ہدیت میں اس طرح کے بے شمار واقعات اور اس کی سزائیں منقول ہیں، یہاں تمام کا نقل
 ممکن نہ تھا اس لیے غالی نہیں ہے۔ بقدر ضرورت بحث پیش کر دی گئی۔

جندزیات اگر کوئی جانوروں کا جھنڈے چلے اور اس کی وجہ سے کوئی آدمی روزہ اچالے اس کی غلام
 کیجئے ورنہ اسے پچھے سے انکٹے والے پر مائد ہوگی۔
 اگر کوئی کسی کو قتل پر مجبور کرے اور وہ قتل کر ڈالے، تو امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جس نے دباؤ ڈالا
 اور حکم دیندہ کے درجہ میں ہے اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔
 اگر کوئی کسی کو کوڑا، لاث، یا طمانچہ مارے اور وہ مر جائے، تو اس پر موت واجب ہوگی نہ اس
 مائد ہوگا۔

مگر یہ عورت قتل خائیں نبی شہید محمد میں داخل ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 من قتلہ و لم یعلم منہ طب فهو۔
 من قتلہ و لم یعلم منہ طب فهو۔
 من قتلہ و لم یعلم منہ طب فهو۔
 من قتلہ و لم یعلم منہ طب فهو۔

(مشکوٰۃ ابی ہریرہ)

تیسرا الوصول فتا من اللہ تعالیٰ رحمۃ اللہ کتاب الخیات ۵ ایضاً۔

ان جنیات پر نگاہ رکھتے ہوئے انسا پر تاجہ کہ اسلام نے انسانی جان کے احترام کی جو سی بلینگی ہے وہ اسی کا حصہ ہے اور اس طرح اس دامن کی فضا جس طرح پیدا کی ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔

ایسا مقتول جس کے قاتل کا پتہ نہ ہو

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص مقتول عدل میں تعزیر ہو رہا ہے یا ایسی حالت میں رہتا ہے کہ اس کی مورت گواہی دیتی ہے کہ کسی انسان نے اسے جان سے مار کر پھینک ڈالا ہے، مگر اس کے قاتل کا پتہ نہیں چلتا ہے، اگرچہ لاش سالم ہے، یا نصف سے زیادہ ہے اور وہ آبادی میں یا آبادی سے اتنی دوری پر ملی ہے کہ اگر زور سے آدمی چپچپے تو اس کی آواز یہاں تک پہنچ سکتی ہے تو اسلام ایسی انسانی جان کو ضائع نہیں ہونے دیتا، بلکہ اس کی ذمہ داری اس آبادی پر ڈالتا ہے اور وہاں کے باشندوں کا فریضہ قرار دیتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کریں، تاکہ اس طرح کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، مقتول کے وارثان کے مطالبہ پر حکومت واقعات کی تحقیق کرے گی، اگر قاتل کا پتہ چل گیا، تب تو ٹھیک ہے ورنہ اس آبادی کے باشندوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی، اس طرح سے کہ ان میں سے ہر ایک قسم کھائے گا، کھانڈا کی قسم میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے، اور ان پچاس آدمیوں کا انتخاب ولی مقتول کرے گا، اگر یہ پچاسوں آدمی قسم کھا چکیں گے تو ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا جسے شریعت کی اصطلاح میں "قسات" سے تعبیر کرتے ہیں، فقہاء لکھتے ہیں :-

محمی فی الشریعة ایمان یضم لہا اهل
محلة او دار او موضع خارج من حصی
او قرية قریب منہ بحيث یسمع الصوت
منہ اذا وجہ فی الشئ منها قتیل یلہ
اشرا یعلم من قتله یقول کل واحد بما
ما قتلت ولا علمت لہ قاتلا
در فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۰۴

اور قسات ایسی قسمیں ہیں جو اہل محلہ دار یا موضع خارج من حصی اور یا آبادی کے قریب قریب منہ بحيث یسمع الصوت منہ اذا وجہ فی الشئ منها قتیل یلہ اشرا یعلم من قتله یقول کل واحد بما ما قتلت ولا علمت لہ قاتلا

ایسا مقتول ایسا ہے جس پر قتل کے قضاے ہیں

اس کی قسم کھانڈا کی قسم میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے

ماں سے ہونے کی | کتب حدیث میں باب القسام کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے،
حدیث میں سزا | اور اس میں اس باب سے متعلق ساتھی حدیثیں جمع کی گئی ہیں عبداللہ بن عباسؓ
کا بیان حدیث میں مذکور ہے کہ قسام کا یہ طریقہ جاہلیت میں بھی رائج تھا۔ اور پھر حدیث

میں ایک انصاری صحابی کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی رکھا،

ومن رجل من الانصار ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اقر القسامه
ابن انصاری سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قسام کو اس طریقہ
صلی اللہ علیہ وسلم اقر القسامه
علی ما كانت فی الجاهلیۃ وقضی بها
پر برقرار رکھا جو جاہلیت میں تھا اور اسی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق انصاریوں میں اس منقول کے
بنی مائس من الانصار فی قتیل ادھو
تسلیم دیا، جس انھوں نے یہود پر
علی الیہود رواہ مسلم (مطبوع الملام) دعویٰ کیا۔

یہودی کا واقعہ | یہودی کا واقعہ مذکور ہے کہ عبداللہ بن سہل اور عجمیہ بن مسعودؓ خبر آئے یہاں آکر غلطی
میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، عبداللہ بن سہل کو کسی نے قتل کر ڈالا جب یہ مقدمہ عدالت نبوی میں پیش
ہوا، تو آپؐ نے فرمایا کہ قسم کھاؤ، ورنہ پھر یہودی خبر سے قسم لو، ان لوگوں نے کہا کہ ہم انہی آکھوں سے دیکھا نہیں
اور یہود سے قسم لینے کا کیا فائدہ، کہ یہ کافر ہیں چنانچہ اس کی دیت خود آپؐ نے ادا کی تاکہ خون رائگاں
نہ جائے، اسی سلسلہ کی ایک دوسری روایت میں ہے، ایک انصاری خبر میں مقتول پائے گئے، یہ کیس
جب آپؐ کی خدمت میں آیا، تو آپؐ نے فرمایا کہ دو گواہ ایسے ہیں جو قاتل کے باب میں شہادت پیش
کریں، ادینا مقتول نے جواب دیا،

قالوا یا رسول الله لو لیکن ثمنا احد
من المساکین وانا هو یهودی قد
یا رسول الله! وہاں کوئی مسلمان نہ تھا اور
وہ یہودی اس سے بڑی بات کی بھی جرأت
رکھتے ہیں۔

یہ دیکھتے ہیں انھوں نے اس وقت میرا یہود تھا۔

یہ شکرِ انصہرت علی الشریعہ وسلم نے فرمایا

فاختاروا منہم خمیسین فاستخلفوہم
ان میں سے پچاس کو منتخب کرو اور ان سے
خلفہ انتخاب کرو۔

ان لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ آپ نے اپنے پاس سے دس تاداک کی
جس آبادی میں زخمی لاش پائی گئی | اس روایت سے معلوم ہوا کہ انصہرت علی الشریعہ وسلم نے قسم اور دیت
دونوں کا فیصلہ کیا، چونکہ یہودی کی قسم پر اعتماد نہیں تھا، اس لئے اوپر دیا مقتول نے اس کا کوئی قمار نہیں
بکھا، دوسری روایتوں میں اس کی بھی ہر راحت ہے کہ دیت کا بھی اس آبادی کے باشندوں پر فیصلہ کیا،
ابن المہلب راوی ہیں

ان انہی صلی اللہ علیہ وسلم
مد ابالیہود فی القسامۃ وجعلوا لہ
علیہم لوجرد الفیل بین اظہرہو
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامت کی ابتدا
یہود سے فرمائی اور ان میں مقتول پائے جانے کی
وجہ سے ان پر دیت عائد کی۔

تکلیفِ اللہ پر کشوری معام قس

قسم اور دیت کا ثبوت | اسی طرح عبد اللہ بن عباس کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیر
کو کھانا پر مقتول تم میں پلایا گیا ہے کیا صورت اختیار کی جائے؟ انہوں نے کھا کر اس طرح کا واقعہ ہی امر کیا
میں نہیں آیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اس سلسلہ میں حکم نازل فرمایا تھا اگر آپ بھی نہیں تو
پروردگار کا عالم سے درخواست کیجئے، اس کے جواب میں آپ نے ان کو کھانا

ان اللہ تعالیٰ ارا فی ان اختار منکم
خمیسین رجلاً فیہم یوسف بنی اسرائیل
ولا حیلنا لہ ما ملکنا، لعلہ یقرین
الدینۃ قالوا اللہ تعالیٰ فیستنبی
بالاصحاب اس روایت کی ایک روایت
اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تم میں سے
پچاس آدمیوں کو چھ لدا، اور ان کو حلف
دوں کہ وہ کہیں کہ بخدا ہم نے اس کو قتل کیا
اور اس کے قاتل کا میں نہیں ہوں ہے یہودی پر دیت
عائد کی جائے، یہودیوں پر دیت عائد کی جائے

فی الکافی والبدائع وغیرہ

و تکملہ فتح القدیر جلد ہفتم

مسئلہ قسامت کے فوائد | مسئلہ قسامت کا فائدہ یہ ہے کہ قتل اور زبردستی کو لوگ پہچان سکیں اور خونِ مفت میں جالینہ ہونے پائے ساتھ ہی جس پر خون کی نسبت لگی ہے وہ قصاص سے بری الذمہ رہ جائے۔

والنکحۃ فیہا تعظیم الدما و صیانہا

عن الاحمد اس و خلاص المصنوع بالقل

عن القصاص یعنی شرح ہدایہ ص ۳۵۵

میزاب اتفاق | اسی وجہ سے اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے تفصیل میں البتہ تھوڑا اختلاف ہے حدیث ثابت نقل کرنے کے بعد علامہ شوکانی لکھتے ہیں

فیہ دلیل علی مشروعیۃ القسامۃ

ذهب جمہور العصابہ والتابعین والعلما

من المجاز والاشام والکوفۃ... و لہو مختلف

و لا یجوز فی الجملہ انما اختلاف فی التفصیل

اس حدیث میں قسامت کی مشروعیت پر دلیل ہے اور اسی طرف جمہور صحابہ اور تابعین ائمہ شام کو قتل اور جواز کے علماء گئے ہیں اور ان کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ تفصیل میں اختلاف ہے۔

رنیل الادوار جلد ۱ ص ۳۱۳

اہل نزع کی ذمہ داری | قسامت یعنی کسی مقتول کے پائے جانے پر عمل یا آبادی و سلعے سے قسم لینا اور پھر اس پر دیت عائد کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اہل عدل اور اہل قریب پر جان کی حفاظت ضروری ہے اور اگر کوئی کسی کو قتل کرے تو اس کو پکا نامہ اس کی ادا کرنا ان لوگوں کا دینی فریضہ ہے تاکہ پھر اس طرح کا کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پائے۔

قسامت کے چاروں طرف | قسامت میں جو الفاظ کہلے جاتے ہیں اس کا تعنا ہے کہ قاتل کو اگر کوئی جانتا ہو تو اس کی حمایت میں آکر اس کو چھپانے کی سعی نہ کرے بلکہ اس کو ملالہ و ملان ظاہر کرے تاکہ وہ اپنے جرم کی سزا پائے اور دوسرے لوگ اس نسبت سے محفوظ رہ جائیں۔

وَالْجِبِّ الْعَاقِمَةِ عَلَيْهِمْ رَجَاءُ ۝
يَنْظُرُ الْقَاتِلُ إِلَى الطَّرِيقِ ۝ نَعْمَ عَلَى
كُلِّ نَفْسٍ حَلَّتْ حُلُمُهَا مِنْ شَيْءٍ
هَذِهِ الْعَشَّةُ لَأَنَّ اللَّهَ بَدَّلَ فِيهَا مَقَهُو
الْيَوْمِ مَا نَهَذَ الْإِخَاءُ نَهْدَ وَقْتِ
لَتَقْرِبَ كَانَ مِنْهُوَ فِي الْحَفْظِ عَيْنِ
تَعَاوَلُوا عَنِ الْإِحْدَى عَلَى أَيْدِي السُّفَهَاءِ
مِنْهُمْ وَهُمْ غَيْرُهُمْ فَوَاجِبُ الشَّرْحِ
الْعَاقِمَةِ وَالْجِبِّ عَلَيْهِمْ لِلْأَلْفِ ۝

اور ان پر نساہت اس میں پر راجہ لگائی ہے کہ
اس طرح قاتل کا ہر جگہ سے ہر جگہ ہر جگہ
پر اس طرح کے مشورے سے اپنے ملک کی حفاظت ہو
ہے اس لئے کہ اپنے ملک کی تہذیب کی ذرا داری ہو
لوگوں پر ہے اور اس طرح کا ہادہ اس لئے نہیں کیا
کہ ان کی طرف سے حفاظت میں کوئی اسی ہوئی اور
انہوں نے اپنے بوجھوں یا دوسرے ایسے چیزوں کو
اتھ نہیں پکڑا، لہذا قرآن نے اسی وجہ سے ان پر
نساہت اور دیت دونوں واجب کر دیں۔

در مبسوط جلد ۲۷ ص ۱۴۸

اس مسئلہ کی اسی اہمیت اور اس کے گونا گوں فوائد کے پیش نظر قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

حدیث القسامة اصل من اصول الشریع
وقاعدۃ من احکام الدین وریک من
ارکان معنای العباد (امروۃ جلد ۱ ص ۱۴۸)
حدیث قسامة اصول شریع میں ایک اصل اور حکم
دین میں ایک حکم قاعدہ ہے اور ساتھ ہی بنیادیں
کے قاعدے کے ارکان میں ایک قاعدہ ہے۔

اسلامی قانون کا نتیجہ | آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے انسانی جان کے احترام اور امن و امان کے قیام کے لئے
کس قدر حکم قانون نافذ کیا ہے، کیا ان پر عمل پیرا ہونے کے بعد بھی کوئی اس طرح کا واقعہ پیش آ سکتا ہے جس سے
ملک کا امن و امان ختم ہو جائے، طاقتور کے گرد و کھل بڑھیں اور کوئی پارٹی فتنہ و فساد اور خون ریزی کو برپا کر
سکے؟ آپ یقین کریں ہرگز ایسی بات نہیں ہو سکتی ہے جب خون کسی گھل میں اسلام شائع نہیں ہوئے ہو، اس کا
تازان کسی نہ کسی پر یہ حال جاری کرنا ہے، نساہت کوئی کہا ہے اجتماعی جرمہ فریاد سے لینے، چاہے اس کی کشتی
بہر میں حکومت کی جانب سے ہوئی ہے اور قاتل کو چھپانے کی صورت میں تم کو جانے اور ہر دیت کی وصول
کہا ہے اس کے بعد کس کی جال ہے کہ غفلت کی زندگی گزارے اس کے خلاف کوئی قانون شائع ہو جائے

نہروں میں نہروں کی طرح کھلی لاش پائی جائے اور قاتل کا پتہ نہ مل سکے تو یہاں
 قسامت کشی سے جانداروں پر ملزوم ہوگی یعنی جو لوگ اس کے اندر سے خواہ مخواہ ہوں، غلام ہوں، یا غلام
 اگر جان سہرہ اور شہسوار مام پر اس طرح کی لاش پائی جائے تو چونکہ اس کی ہمدردی حکومت پر ہے اس لئے
 حکومت بیت المال سے دینے والا کوئی بھی اس طرح قید خانہ و جیل میں پائی جائے تو اس کی حکومت کے خزانے سے
 دیت ادا کی جائے گی مگر اس کی نگرانی بھی حکومت کے اوپر ہے۔ (ردیہ باب انصاف)

دعا آبادی کے در بیان اگر دعا آبادی کے در بیان کوئی ایسی نئی لاش پائی جائے اور قاتل کا علم نہ ہو سکے، تو
 زخمی لاش کا حکم ان دونوں آبادیوں میں جو آبادی قریب پڑے اس پر قسامت کی ذمہ داری عائد ہوگی۔

حضرت ابو سعید کا بیان ہے۔

وجد قاتل بین قریبتین فامروا بنی حلی علیہ السلام
 فذا ح ما بین القریبتین الی الیہما کان اقرب
 فوجد اقرب الی احدہما کتبہم زکا فی انظر الی
 منبر النجی صلی اللہ علیہ وسلم فعملہ علی الذی کان
 اقرب۔ (لاحمد رجمع الفوائد ۷۷۷)

ایک منقول دعا آبادیوں کے درمیان دیا گیا، تو حضرت علیؑ
 علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ دونوں کو اچانک کر کے ان میں سے کس
 قریب سے چنانچہ ان میں سے ایک آبادی بالشت بھر زرب
 پڑی، اور دوسری کا بیان ہے کہ گویا میں تپ کی بالشت کو ابھی کچھ
 باہر میں، پھر قریب تر آیا اور پھر اس کی ذمہ داری عائد ہوئی۔

کتبہ قدس میں یہ مسئلہ مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے، جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے انسانی جان کی
 مانت کس کس طرح کی ہے اور ملک میں امن و امان کی اس کی نظر میں کتنی قدر قیمت ہے۔

اس حدیث میں جب دنیا میں جسے انسان انسانی خون ہی ہے، اور جسے بے وقت انسان ہی ہے اسلام
 کے ان قوانین کی قدر قیمت کا اندازہ لگا یا جاسکتا ہے، کاش اسباب اقتدار اپنے اپنے گھروں میں ان قوانین
 کو نافذ کر کے ملک کو سکون کی دولت سے نوازنے کی سعی کرتے انسانان کی جان کی قدر قیمت دیکھ سکتے
 اور اس سے ملک کو کمال اسلام کے ان عالمگیر اصولوں میں قوانین پر غور کرتے۔

یہ حدیث میں مختلف گھروں میں اس مسئلہ کے قوانین، ان قدر میں، جس کی غرض یہ تھی کہ
 حضرت علیؑ کو علم و حکمت کے واسطے فرمایا۔

تايخ الروۋە

و غلبہ ڈاکٹر خورشید احمد فاروق صاحب استاد و ہیات عربی دہلی یونیورسٹی

(4)

رسول اللہ کے بعد دشمن خدا کی گمراہی اور بڑھی اور اس گمراہی میں چند اہل خرد کو چھوڑ کر سارے
 یوسف نے اس کا ساتھ دیا، ان کے لئے رجال بن عصفہ کی یہ شہادت تھی کہ بڑا فتنہ ثابت ہوئی کہ
 رسول اللہ نے میلہ کو خلافت میں شریک کر لیا ہے، رجال کا قصہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے ایک دھڑ
 کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، قرآن پر سعا اور سنت سے واقفیت حاصل کی، اب ہنقر
 ہاری نظریں وہ سارے وعدے سے غفل تھا اس نے سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھی اور اُنہی آیتوں میں کہا
 کہ اس تلاوت قرآن کے لئے جاتا تھا، وہ لوٹ کر آیا مگر اس بات کی جھوٹی شہادت دی کہ رسول اللہ
 نے میلہ کو خلافت میں شریک کر لیا ہے، رجال کی راست ہاری اور حق گوئی مسلم تھی اس لئے اس کی یہ
 گواہی یوسف کے لئے سب سے بڑا فتنہ ثابت ہوئی۔

رابع بن مہرچہ: رجال کا شروع و شروع پابندی سے قرآن خوانی اور مہلک کی طرف
 میلان جو دیکھتا حیرت میں رہا ہوتا ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاس آئے کہ رجال
 چند لوگوں کے ساتھ پاس بیٹھا تھا آپ نے فرمایا: "اس گروہ کا ایک فرد ہونے لگا ہے" میں نے
 آگے آٹھ کر دیکھا تو میرے سامنے ایسے مرد، بوڑھا، دوسرا، غفل بن عمرو دوسرا اور یہاں بن عمرو
 یہ چار آدمی تھے میں نے ان سے کہا اور دل میں کہتا: یہ پونہیب کون ہے؟ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ ان کے پاس سے مسافت کیا تو لوگوں نے نیلہ آمد کی گئی
 ہو گیا اور کہ اس نے پہلے کے حق میں شہادت دی کہ رسول اللہ نے اپنے ہمسایوں کو کھانا دیا

چاہا ہے یہ سن کر میں نے کہا کہ اسی رسول اللہ نے ٹھیک کہا تھا کہ میں جاؤں گا ایک فرد عذبی
 ہے اگر کوئی نے قتال کو کہتے سنا: وہ بیٹھے بیٹھوں سے لڑے یہ دیکھو اور سلیمہ ان میں ہیں
 اپنا بیٹہ طار زیادہ پند ہے۔

ابن شکر ہی پیام کے معزز اور ممتاز لوگوں میں تھا، وہ اسلام پر قائم تھا لیکن وہ بدلے ہوئے
 حالات میں اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھا، وہ رجال کا دوست تھا، اس نے ذیل کے شعر کہے جو ابیہام
 میں ایسا چرچا ہوا کہ عورت، بچہ، بچی سب کی زبان پر تھے۔

يا سعاد الفؤاد بنت اُخال طال لي بفتنة الر حال
 ساد بن اُخال، میرے دل کی ملکہ رحال کے فتنے میری راتیں و روز گزشتیں

انفا يا سعاد من فتنه الد هـ عليك حصنة الدجال
 سعاد یہ فتنہ تمہارے ایک بڑا عارضہ ہے و حبال کے فتنہ کی طرح

ابن دینار بن النبی و فی القوم رسا حال علی الہدی اُمتالی

جانشین میرا دین وہی ہے جو محمد کا ہے اور جو ضیف میں مجھ جیسے کافی مسلمان موجود ہیں

أهلک القوم محکم بن طفیل و مر حبال لیسوا لنا برجال

مکہ بن طفیل نے جو ضیف کو تباہ کر دیا اور ایسے لیڈر مل جو ہمارے لیڈر نہیں ہیں

بتر هو أمر هو مسيلة البو مر فلن يرجعوا أحرى الیالی

جیلہ نے ان کا اتھاروا اختیار چھین لیا اور وہ اگر کبھی اس کو واپس نہ لے سکیں گے

ابن مکتوم متقی علی خلق اللہ حنیفا فاعنی لا اُجبا علی

اگر میں فلا اللہ ایک بیٹے مسلمان کی طرح مروں تو مجھے روکنا کوئی قوی نہیں۔

ابن اشہد کا علم جب سیدہ عجم اور پیام کے مشرکوں کو ہوا تو انہوں نے اسے تنگ کرنا شروع کر دیا

چاہا لیکن وہ جاگ گیا اور غلامی دیکھ کر ہلا ہوا اور ان کو پیام کی صورت میں دیکھ کر ہنسنا لگا

کہ وہ ہیں جسے میں لکھا۔

صنف کچھ ہیں کہ ایک غنی جو اسلام لایا اور پھر کافی حصہ رسول اللہ کی محنت سے مستحق ہوا کہ
 سلطان ہو گیا تھا اس کو رسول اللہ نے سیدہ کو ہانک کے لیجا کر مہاجرین کو بتایا کہ اگر سیدہ نے
 کسی کی بات مانی تو میری ضرورت ملنے لگا وہ پھر جاکر سیدہ سے ملا اور کہا کہ تمہاری خواہش ہے کہ تم میں سے
 ملاقات کرو اگر تم گئے تو خوش خوش لوٹ کر آؤ گے غنی نے اے یحییٰ کتب کے لئے خوش ہوئی چہرہ
 اتیں کیں وہ سیدہ سے نہائی میں ملا کر آواہ اس کو دینے چلے کی ترغیب دیتا، جب وہ زیادہ بچے پڑا
 سیدہ نے کہا کہ میں سوچا ہوں اس کے بعد اس نے رسول بن موقوفہ اور اپنے دوسرے مشرف
 سے صلاح کی تو سب نے جانے سے منع کیا اور کہا اگر تم گئے تو محمد تم کو مار ڈالیں گے تم نے ان کی بات
 نہیں سنی پھر سیدہ نے غنی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے انکار کر دیا،
 لیکن اس کے ساتھ رسول اللہ سے گفتگو کے لئے اپنے دوست محمد بن جبریل یا یہ دونوں رسول اللہ کے پاس
 آئے ایک نے کلمہ شہادت پڑھا اور صرف رسول اللہ کا نام لیا اور اَشْهَدُ اَنْ لَا اُحَدُّثُ اَعْبُدُ اور رسول اللہ جو
 تین کرنا نہیں کیں جب وہ فارغ ہوا تو دوسرے نے کلمہ شہادت پڑھا اور رسول اللہ کے نام کے ساتھ
 سیدہ کا نام بھی لیا، اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ رسول اللہ نے کہا: تو مجھ کو سیدہ رسول نہیں
 اس کو پکڑ کر نسل کر دو، صحابہ اس کی طرف جھپٹے اور اس کا لڑکھا کر گھیسنے لگے اس کے ساتھی نے اس کا
 ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا: رسول اللہ میرے باپ آپ پر قربان اس کو صاف نہ کیے۔ صحابہ نے جب اس کو
 مجبور تو اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور صرف رسول اللہ کا نام لیا وہ اور اس کا ساتھی دونوں سلطان
 ہو گئے رسول اللہ کے انتقال کے بعد وہ اپنے بال بچوں کے پاس یا مہر چلے گئے مگر اور جب بات یہ ہے کہ
 نے غلط کلمہ شہادت پڑھنے والے کا پتہ پکڑا تھا وہ قندیں قبلا ہوا اور سیدہ کے ساتھ رات
 گزارا گیا اور وہیں کا پتہ پکڑا گیا تھا اسلام پر قائم رہا اور خاندان کو غریب کے مسکری راہ بتا تھا،
 دل اللہ کے سفینے ہے انہوں نے سیدہ کے پاس بیجا تھا ان کو اپنی چکی چڑی باتوں کا حال بتایا
 کہ اگر جہاں ان کو نہ دیکھا تو وہ دہانے کے لئے تیار ہو گیا تھا رسول اللہ نے فرمایا تھا سیدہ کو قتل
 جگہ اس کے ساتھ جاکر کھائے اور سیدہ کو قتل کیا اور اس کے ساتھ دونوں کے پاس سے بیجا ہوا اور کھانے

میلے آئی گراہی اور وہ درمیان تراشی میں سماج کی گراہی بھٹاں کر گئی، وہ ہونیم کی
ایک حرکت تھی اس کے قبل سے اس کی ہان پان تھا، اس کے دی کا دھڑکیا، ایک عودن اور
عاجب دعا دہا دہا مقرر کیا اور ایک سر بھی بنوایا، اس کے ہم چلے جاتے تھے تو کچھ سیاحت
و حکومت ان لوگوں کا حق ہے جو سماج کے رشتہ دار ہوں، عطاروں میں حاجب ہیں، زدارہ کہتے ہیں،
ہماری بنی ایک عودت ہے جس کا ہم حکم بجاتے ہیں جب کہ دوسرے لوگوں کے بنی مرد ہوتے
ہیں۔ دہی بنو تہ بننے کے کچھ مہر بعد سماج، میلہ سے لڑنے لگی، اور اپنے ساتھ ان بیویوں کو بھی لے لیا جو
اس کے ہم خیال تھے اور جن کی رائے تھی کہ سماج میلہ کی نسبت نبوت کا زیادہ سنی ہے جب سماج
میلہ کے پاس آئی تو میلہ اس سے تنہائی میں ملا اور کہا آؤ نبوت کے بارے میں تنہائی میں باہم گفتگو
کر لیں، اور دیکھیں ہم دونوں میں نبوت کا زیادہ اہل کون ہے۔ سماج نے اس تجویز کو خوش آمدید کہا،
اس کے بعد مورخوں نے میلہ کی سماج کے ساتھ ایسی باتیں بیان کی ہیں جو نظر انداز کرنے کے قابل ہیں
ایک روایت ہے کہ جب خالد بن ولید نے باغی عربوں کی گرشائی کی تو سماج یہ سوچا کہ ملک حب میں
میلہ کے زیادہ طاقتور سردار اور سب سے زیادہ محفوظ جگہ ہے، اس کے پاس پناہ لیے آئی، اس نے
مودن شہت بن ربیع کو ہدایت کر دی کہ اذان میں میلہ کے بنی جوئے کی شہادت دیا کرے، راہبدا ان
میلہ رسول الشراہب اس کی میلہ سے طعنت ہوئی تو اس نے کہا: میں نے سب کو چھوڑ کر صرف تم پر
غلط فہمی ہے اور تمہارا نام روشن کیا ہے حتیٰ کہ میرا مودن اذان میں بھی تمہارا نام پڑتا ہے، اس کے بعد
میلہ نے سماج سے نبوت کے بارے میں خفیہ بات چیت کی جب میلہ مارا گیا تو غلط فہمی نے سماج کو بکڑایا
سماج مسلمان ہو گئی اور اپنے وطن لوٹ کر حب سالانی زندگی گزارنے لگی۔

اپنے اس کو اب کے ہاتھوں جو خفیہ سخت آزمائش میں مبتلا ہوئے، وہ ان کے پیاروں کے لئے
شہادت کی اور ان کے فرمودہ میں اس کے لئے برکت و کامرانی کی دعا کرتا تھا، اور ان کو اپنی بلذخیر میں
تعماد رکھتا تھا، کچھ لوگ ایک نورانیہ پیر کو اس کے پاس لے کر آئے، اس نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا
اور کہہ دیا کہ تم میری اس کے سر پر گائیں، ایک شخص آیا اور کہا: بلذخیر میں اللہ عزوجل

تم کہ بات کی حد انشاء اللہ لکھتے ہو، اپنے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ باپ کی طرح لطف و شفقت سے پیش آؤ۔ خالد بن ولیدؓ بنو نضیر کی ملکیت سے بچے سنا میں نے نہیں سنا لڑنا کہ اس شخص کی بات بالوری ہے جس کی بات کبھی نہیں مانی زمین عمر بن خطابؓ جب بنو نضیر کے پاس گئے تو ان سے یہ کام لیا، تم اب تک ان جیسے دشمن سے مقابل نہیں ہوئے ہو، کیونکہ ان کا کل قبیلہ اول سے جو جنگ تھا اسے خلافت ہے، اور ان کا علاقہ بڑا بھی بہت ہے، جب تم وہاں پہنچو تو اس سے معاملات کا انتظام خود کرنا، انچہ بمنہ سیرہ اور دوسالوں پر شخص مقرر کرنا رسول اللہ کے قاتل محاسبہ مشورہ کرنا، اور ان کے احترام و منزلت کا پورا لحاظ رکھنا، جب بنو نضیر میں درست کر کے لڑنے کے لئے آمادہ ہوں تو جیسے وہ لڑیں اسی طرح تم لڑنا، اگر وہ تیر چلائیں تو تم بھی تیر چلانا، اگر وہ نیزہ بازی کریں تو تم بھی نیزہ بازی کرنا، اور جب وہ تلوار سے لڑیں جس کے منی ہیں یقینی موت، تو تم بھی تلوار سے لڑنا، اگر خدا تم کو فتح عطا کرے تو خبردار ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہ کرنا، ان کے زخموں کا کام تمام کرنا، ان میں جو جھاگ ہائیں ان کا تائب کرنا، اور جو تمہارے ساتھ آجائیں ان کو تلوار کے گھاٹ اتارنا، اور آگ میں جلا دینا، میری ان ہدایات کی خلاف ورزی نہ ہو، والسلام علیکم" یہ خط پڑھ کر خالد نے کہا: "سنا و عامرہ و بہت اچھا تمہیں حکم کروں گا"

ابن یاسر کو جب معلوم ہوا کہ خالد ان جیسے باغیوں کی سرکوبی کر کے دعا و سہارے ان کی طرف آرہے ہیں تو وہ بوکھلا گئے، ان کا ایک مقتدر سردار تھا گم بن طفیل و ساری رات بستر پر کھڑے رہتا اور کہتا

سافر ہیں بری خبریں لا کر سنا تے ہیں کیا سب سافر جھوٹ بولتے ہیں؟

أرى الله يكذب ما كرهنأ

نہیں سب جھوٹ نہیں بولتے

ألا لا یس حلوم حذوبا

انھوں نے یہ کہا ہماری آن سے

وہی لڑائی ہوگی۔

و قد صدقوا البصر منادونہم لانا ان حاد بل لرحم طویل
 یہ اشد تنکرا و ہیفنے سمجھا کہ حکم اپنی گمراہی پر قائم ہے، سبیلہ کو بھی اطمینان ہوا، حکم بن طفیل
 بارگاہ ملک چھ سہوار تھا اور صحاب زیا و بن لید انہادی کا دوست خاثر نے راستہ میں زیاد سے کہا کہ
 تم حکم کو کوئی ایسی بات کہلاؤ جو اس کا چہرہ بیت ہو، زیاد نے ایک سوار کی معرفت حکم کو شہر
 بھیجے اور ایک قول یہ چک دینے سے حسان بن ثابت شہر لیکر گئے تھے:

حکم بن طفیل ۱۱۱ و ۱۱۲: قدرت نے نہیں کیسا داوی کا سائب در و سبیلہ عطا کیا؟
 یا حکم بن طفیل مذا اجمع لکھو للہ دثا اُبیکو حیۃ الواد ی
 حکم بن طفیل تم لوگ ان بکریوں کی طرح ہو جنہیں گڑبے نے بھڑوں کے حوالہ کر دیا ہو
 یا حکم بن طفیل اُنکو نفسا کاشاد اُسلہا الزامی لا صا د
 کیا تم کو سبیلہ کا سب سے شہر لیکر اپنی قوم، اولاد اور دوستوں میں نہیں ملا۔
 حادہ سیلت لکننا ابعین حوض من دار قو و اُخوان و اُولاد
 ہمارے پریشانی کی طرف سے بے خوف نہ ہوا۔ غبار کے نیچے نکاری کتوں کی طرح چپت
 اور نڈبانا باز موجود ہیں۔

لا تاتوا حادہ الیہ و معتبرا تحت العجا حہ مثل الاخصف العاد
 بلکہ ہر ایک شہر تباہی کے لگے۔ اگر مالک کے سوار پر یا بے نزعے لے نہاں گس پڑ
 بولہ ایامہ لکھ لکھ لکھ ان جالت الغیل یفھا بالقتا الصا د
 نور ہود میں وقت تک شہر سے اپنے گھوڑے نہ تھائیں گے۔
 سبیلہ تم کو دیکھ کر طرح تباہ ہو جاؤ گے۔

حقی تنکو زاکا اهل الجی اوعاد
 ایک بار یہ شہر حکم بن طفیل کو حوالہ ہوئے، اور وہی طرفہ اس کے خبر لی کہ غار میں دیکھ
 شہر میں حکم لے گیا: غار کچھ پاتے ہیں اس کے پکھن۔ اور غار اس بات سے غار نہیں

کر سکے کہ جو عینہ میں ایسے فطس اور جان نثار لوگ ہیں جن کو میلہ نے اپنا شریک و مستقر بنا لیا ہے اگر خا
 یہاں آئے تو وہ دیکھ لیں گے کہ ان کے سامنے ان لوگوں سے مختلف لوگ ہیں جن سے اب تک ان کا سابقہ
 بڑا ہے، پھر اس نے اہل ہامہ کے سامنے ایک تقریر کی جس میں کہا: آپ کا مقابلہ ایسے لوگوں سے ہے
 جو اپنے لیڈر پر جان نثار کرتے ہیں، آپ بھی اپنے لیڈر پر جان نثار کر دیجئے، اسد اور فطان کی طرف
 خالہ نے تلوار کی دھار سے اشارہ کیا تو وہ بدکنے شرمزہ کی طرح سر پٹ بھاگ گئے اور آپ کو یہی
 یاد ہے کہ بڑا فہم میں جو لوگ خالہ کے ہاتھ آئے ان کو اس نے آگ میں جلادیا۔ پھر اس نے بنو عینہ
 کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کہا: آپ مسلمانوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں، (دبانی)

عصر حاضر کی جمہوریت اشتراکیت اور دیگر
 نظام ہائے زندگی کے مقابل میں مائس
 پاکیزہ نظام خلافت کا ذکر نہیں جس سے
 بہتر نظام چشم فلک نے نہیں دیکھا۔

خلافت کے راشدین رضوان اللہ علیہم کی تشریف رسیا صحت اور
 اسلوب کمرانی پر تحقیقی مقالات کا مجموعہ
 ایڈیٹر جنرل مولانا مامور عثمانی کامبس و مانتار (العثمانی)
 بھی شامس اشاعت ہے۔

آن جہی

اپنے یہاں کے بحیث سے اپنا پرچم لٹک کر لیجئے۔ براہ راست ہم سے
 1/4 روپیہ یا 1/10 روپیہ درج ذیل نمبر پر بھیجنا تو ایک روپیہ میں 1/10
 مفتی آزاد کریں،

پتہ: پیکر اسلام آباد، جنرل کریم خان کوٹلی، قریب قریب میں مل گیا۔

خلافت

بیمہ نمبر ۵۹ کو شامس اشاعت
 مکتبہ عثمانی دیوبند

تصنیف : ابوالکلام آزاد

ترتیب : مایہ مضامین

آزاد — ایک عظیم صحافی

الہلال اور ابلاغ : ہندوستانی اخبار نویسی کا کلیمہ آبا

۱ اخبار نویسی : بطور دیباچہ

۲ صحیفہ نگاری میں تقسیم کار اور میلاد کی اہمیت

۳ اخبار نویس کا منصب

۴ سلم گزٹ لکھنو : اخبار نویس کو قلم کی آزادی

۵ حادثہ زیندار پریس

۶ اردو پریس الہلال سے پہلے اور الہلال

۷ الہلال کی تحریک : مقصد

۸ الہلال کی تحریک : جماعت حزب اللہ

۹ الہلال کی تحریک : تشریح مقصد

۱۰ الہلال کی تحریک : دعوت

۱۱ الہلال ابی نظر میں

۱۲ الہلال کی انتشار : چند نکتے

مایہ مضامین : سیر و ادبی شاعری

اگر میری ترتیب پر غور کی جائے تو میں اس کا انتخاب کر اپنے ہر
 سب سے بڑے صحابی اور سب سے بڑے مسلمان سید ابوالاعلیٰ مودودی کے
 جس کی تحریک سے مجھے شدید اختلاف ہے مگر جس کے خطوط کی قسم
 کھائی جا سکتی ہے اور جس کے مضمون سے سودا کرنے کے کہا جاتا ہے
 اختلاف کرنے والوں کو بھی کچھ کر جانے کا وہملہ بخشا ہے۔

الہلال اور البلاغ کی اہمیت، ماہیت اور کیفیت اور اسلوب اور مواد کا تفصیلی تجزیہ اور اس کے
 ساتھ ان کی مشمولات کا ایک تفصیلی اشاریہ اس سے پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ اردو ادب "آر اور نمبر" میری
 بنیانی الہلال سے متعلق ہونے کے بعد، مہمانت، مستطعات، ممانت، ممانی کا منصب، مصحف نگاری
 کی تقسیم کا مادہ بنیاد اور موصفات میں الہلال کا مدول اور الہلال کی تحریک، دعوت اور مقصد و
 نہایت پر خود اثر الہلال کی بنیائی کہہ سکتے ہیں۔ میری تحریریں مولانا کے اپنے فہم سے ہیں۔ میں نے
 صرف اُن کا کیا ہے کہ غلط کجری ہوئی جگہوں سے جمع کر کے مناسب حوالوں کے تحت ترتیب
 دیا ہے۔ "میران" میں میری اس ترتیب کو اردو ادب "آر اور نمبر" کے اس نمبر کے دو سرے
 یا فیصے کے طور پر پڑھا جا سکتا ہے۔

موجودہ ترتیب کا سارا مواد میں نے الہلال و البلاغ ہی سے لیا ہے۔ مولانا کی انہی آراء
 میں ایک اہم خط کو دیکھ کر مجھے اس غول کو توڑ دینا پڑا خط کا متعلق حضرت میں نے موجودہ ترتیب
 کے دیا ہے کہ یہ پورا سنہال کر لیا ہے۔

مجھے امید ہے، میری اس ترتیب سے مولانا کے صحابی ذہن کو کچھ نیا ملے گی۔

(جی ایم)

(۱)

انتخاب کے بارے میں میری نظر سے گذرے، آپ نے فرمادہ ہے کہ جو کتاب لکھی گئی

یہ مسائل و حالات کے جنم و انفراسایسی زندگی پیدا کئے اور ایسی چیزیں ان کی سطوات میں لائی جائیں ہیں
ان کی حیثیت میں ہندی و سناٹ پیدا ہو گیا کی عام سیاسی و سائنس کی حالت، دنیا کی مختلف قومی تحریکات،
طبی و تمدنی تغیرات، مغرب و مشرق کی کشمکش کے لئے گرتے، مشرقی ممالک و اقوام کی نئی سرگرمیاں اور اسی طرح
کی ضروری سطوات سے اگر مسلمانوں کے اخبارات مالی رہی تو یہ ان کی دینی پسند پسند اور یہ ہو گا۔ اس سے
بھی بڑے کم ہزارہ اخبارات کے لئے کھٹے کی وجہ سے ہیں وہ ملک کی سیاسی حالت و نوعیت سے ہندوؤں کے
تعلق میں ہمیشہ جانتے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کڑائی یہ ہے کہ ان کے عوام ملک کی سیاسی حالت سے
جن نورد و اقلیت رکھتے ہیں اس قدر ہارے خواہی بھی نہیں رکھتے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اگر ہندوؤں کے مقابلے
میں شدہ ذیل بہت بڑا جاتا ہے، لیکن سیاسی مقابلہ و کشمکش کی یہ مسند اور پیدا کرنے کی کوئی فکر نہیں کرنا۔
ہندوستان جدید اور کائناتی ٹوشل زندگی اختیار کر چکا ہے۔ آئندہ جو کچھ بھی ہو گا، بیابانی اور انتخابی اموروں پر
ہو گا اور زندگی کے ہر میدان میں وہی جماعت کا سیلاب ہو گی، جو سیاسی زندگی کے لئے مع اور طاقتور رائے
اپنے ساتھ رکھے گی۔ نوکر ہیں اور فرقہ دارانہ حقوق کا بھی تاثر و رد و اس پر ہے۔ پس ضروری ہے کہ عام
مسلمانوں کی سیاسی تعلیم و ترقی کے لئے بہ کثرت مضامین لکھے جائیں۔ انھیں بتلایا جائے کہ ہندوستان کا
نظام حکومت کیا ہے، مستقبل کے تغیرات کیا کیا متوقع ہیں، دنیا کے موجودہ سیاسی اصول و ملک کس طرح
ہندوستان پر نطق ہو سکتے ہیں، بیابانی اور انتخابی اموروں سے کیا متصور ہے، اور مسلمان کیونکر ہندوستان
میں ایک طاقتور بیابانی زندگی حاصل کر سکتے ہیں یہ مباحث اس قدر سہل اور پیش پا افتادہ ہیں کہ بغیر کسی محنت
و کاوش کے لکھے جاسکتے ہیں۔ کم از کم دوسرے میسرے دن بھر غفلت سے کام لے کر کوئی پہلو واضح کرنا چاہیے۔
ہر فرد کی اور کشمکش کو پہنچنے دینے سے مسلمان طاقتور نہیں ہو جائیں گے۔

البتہ ضروری ہے کہ چیزیں اس طرح لکھی جائیں کہ لوگ سمجھ جائیں کہ یہ کیا ہے اور اس کے اثرات کیا ہیں
بلکہ بیرونی کاموں میں وہ سب کچھ لکھتے ہیں جو کچھ کہہ نہیں سکتے۔ لیکن گہرائی میں جاننا ہے اور اس کا
فریب دہی نہ ہو جاتی ہو اس میں گہرائی نہ ہو کہ کم از کم دین کے نام پر اس کے اثرات کو سمجھنے کی ضرورت ہے
یہ کتاب بنانے کا مقصد یہ ہے کہ ہر فرد کو اپنی زندگی میں اس کی فلاح و ترقی کے لئے اس کا استعمال کرے۔

یورپ میں اخبارات و رسائل اپنی نوعیت اور مقاصد کے لحاظ سے ایک عام تقسیم کے تحت ہیں اور ہر نوعیت کے رسائل اپنے دائرے میں محدود و مکرر تقسیم عمل کے اصول پر کاربند رہتا ہے۔ پہلی قسم روزانہ اخبارات کی ہے۔ دوسری قسم ہفتہ وار رسائل کی ہے جن کو ہم جرنل کہتے ہیں، اور تیسری قسم سہ ماہہ یا ماہوار یا چھ ماہہ یا سالانہ رسائل کی ہے جن کو گویا روزانہ اخبارات اور ماہوار رسائل میں ایک بین بین بند خفی قسم ہے جو اخبارات کے سیاسی مباحث اور ماہوار رسائل کے علمی مقالات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ... ترکی اور مصر کے پریس کا بھی یہ لحاظ تقسیم ہی حال ہے۔

مگر اردو پریس میں ابتداء سے عجیب طرح کی طوائف الملوک کی رہی۔ پریس کی مشکلات کے سبب دسب کی حالت حقیقی ٹاپ کار ایج نہ ہوا تھا اور روزانہ اخبارات بالکل نہیں نکلتے صرف ہفتہ وار رسائل نکلتے رہے، لیکن ان کے مضامین کی ترتیب ابتدا سے روزانہ اخبارات کی سی رہی اور سات سات دن پرانی خبروں سے کالم کے کالم سیاہ ہوتے رہے۔ پہلک بھی ملت قیمت کے سبب اس کی عادی ہو گئی، اور ہر اخبار سے دو دو سطروں کی خبروں سے لبریز صفحات کا مطالعہ کرتی رہی۔ بہت سے اخبارات نے ماہوار رسائل کی طرح علمی مضامین بھی شائع کرنا شروع کر دیے اور اس میدانِ مسابقت کا گوشے غرض کے ہاتھ رہا جس نے کسی ناول یا ضخیم کتاب کا ترجمہ بھی شائع کرنا شروع کر دیا۔ جن لوگوں سے ہفتہ وار اخبار کی وقتیں برداشت نہیں ہو سکیں انھوں نے ماہوار رسائل نکالے، لیکن جرنل کا مفہوم پیش نظر رکھ کر ایک ہفتہ وار رسالہ بھی آج تک شائع نہ ہوا۔

سب سے پہلی بات جو ہمیں منہ اجاب سے عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ابوالا سے اس کے غرائض کا مطالعہ کرنے ہوئے پیش نظر رکھیں کہ وہ اخبار نہیں بلکہ ہفتہ وار رسالہ ہے۔

موجودہ وقت صرف اس لئے جگہ کام کو پہنچائے ہر شعبے میں صرف اس کی ضرورت ہے۔ پس تلف مضامین کا مطالعہ کرنا ایک رسالہ کی شکل میں ہی کے لئے آسان ہو کر سنا سنی نہیں ہو سکتا۔

ابوالا سے پہلے کا مصر کا پریس۔ عربی و فارسی میں۔

اس کی ہے کہ آج کل نئے رسالے جو شائع ہوں وہ علاوہ جن مضامین و تحریروں کو نفاذ کے کوئی خاص مقصد ہی اپنے سامنے رکھتے ہوں۔ اردو زبان کی نظم و نثر میں ابھی کام کے تمام گوشے نکالے نہیں۔

بلکہ کاغذ ان اہباب صحافت و رسالے کے رحم کا طالب ہے اب کچھ نہ کچھ اور دوپریس کی سطح بلند ہونی چاہیے۔ بیشتر سے جو رسالے نکل رہے ہیں، ان کی محض تقلید کچھ بلند نظری کی بات نہیں، ہر شخص کو اپنے کاموں کے لئے کوئی نئی ہندسی ڈھونڈنی چاہیے۔ سلی اور بد مذاق مضامین کی اشاعت سے خود اہباب قلم کے سامنے بہت نمونے پیش ہوتے ہیں اور پبلک کا مذاق سلیم زخمی ہوتا ہے۔ رسالوں کی خدمات نصف کو ہی ہائے تو حرج نہیں لیکن ہر طرح کے مطلب و باب سے کیا فائدہ۔

نئے اجادات جو نظم میں پائائے ہوئے والے ہیں، بہتر ہے کہ ان میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے:

پہلے میں روزانہ، ہفتہ وار، جرنل، ماہوار اور سہ ماہی کی جو ترتیب اور مضامین و مقاصد کی تقسیم ہے، اس کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ایک وقت تک ملک میں اخباری کاغذ بہت کم تھا، اس لئے تقسیم عمل میں اسے میں ممکن نہ تھا اور ضرورت اس کی تھی کہ جیسے کچھ ہوں مگر اخبارات نکال دیے جائیں۔ مگر اب حالت بدل چکی ہے، اب ضرور ہے کہ رفتہ رفتہ اردو پریس کو صحیح اصول تقسیم کار اور ترتیب نظام عمل پر لایا جائے اور یہ طوائف الملوک نہ ہو کہ ہفتہ وار اخبار، روزانہ اخبار کا مواد فراہم کر رہے ہیں اور ہفتہ وار ماہوار رسالے کے مضامین کی تلاش میں ہیں نہ نتیجہ ہے کہ کوئی ایک صنف بھی موجود نہیں، نہ روزانہ، نہ روزانہ،

ہیں نہ ہفتہ وار، نہ ہفتہ وار!

تعداد پر اور کارٹون عمدہ اجزاء اور رسالے میں سے ہیں اور موجب ارتقاء و اثر و نفوذ اخباری و وسیلہ حسن تفہیم و تسہیل مطالب و مسائل۔ لیکن کسی کام کے کرنے کے لئے اس کے کوئی ایسا شرط نہیں ہے بلکہ اس طرح کے نامی طرح دنیا میں کیا جاتا ہے۔ لیکن کی چھپائی میں تعداد پر کا انتظام ممکن نہیں بلکہ اگر ممکن ہے تو اس تعداد میں درجے کا کام جس کے سہولت کا عمل ممکن نہیں۔ پھر اس سے کیا فائدہ کہ چھپائی

کے رشتوں سے غفلت نہ کر کے رقیق سلیم اور حسن نظر کو زخمی نہ کیا جائے۔
 البتہ کارٹون نگاری میں، لیکن یاد رہے کہ کارٹون کو وزن کرنا اور پھر ان کو بنانا ایک مستقل فن لطیف
 و دقیق ہے جس کے یورپ میں خاص خاص ماہرین فن ہوتے ہیں اور ان پر نر اہلار و پیر صرف کیا جاتا ہے۔
 اس کے لئے حقیقت خیال، نیراکت تخیل، سرمد فہم، سواد شناسی اور قوتِ مصوری کے ایک ہی دوانع میں
 ہونے کی ضرورت ہے؛ پھر ایسے قابلِ مہوروں کی، جن کے سامنے کارٹون کے تمام اجزاء و غلطیوں میں پیش کردہ
 بائیں اودودہ اس طرح انھیں جائزہ نہیں دینا دیں، گو یا اس کے سوا اور کوئی لباس ان کے لئے معذول نہ تھا۔
 بلکہ خود بار بار کارٹون کا خیال ہوا اور کئی بار انھیں لطیف و نازک خاکے ذہن میں آئے اس کا سامنا
 بھی اور تمام مقامات سے بہتر موجود تھا، مگر میں نے بہتر نہ سمجھا کہ کسی کام کو کیا جائے اور صاحبِ فن کی حیثیت
 سے نہ کیا جائے۔

پس اردو اخبارات یا تو کارٹون کا صیغہ بالکل چھوڑ دیں یا اس کی ذمہ داریوں کو پیشِ نظر رکھیں۔
 بغضِ شعر نہیں ہے، بلکہ موجودہ رقیق یا فہم پر پس کا ایک رقیق اور اہم کام ہے۔

(۳)

ایک قوم کے مشہور صاحبِ سیاست ادا جمل کی قومی خدمت میں سربراہ اور دوہزار گ اہلال کا پہلا
 دیکھ کر تمام فراتے ہیں:

... میری طبیعت ہے اعتبارِ ہمتی ہے کہ اہلال کی کچھ خدمت انجام دوں... کیا آپ کہاں تک
 روپے ٹائیں گے، اس لئے بالفعل... کچھ پروانہ خدمت ہے اور آئندہ بھی اتنی ہی رقم بطور اہمال
 سعادت کے پیشِ بخیر رہے گی...

ہم بزرگ و ہونٹ کی اس ریشہ داناخی کے نہایت شکر گزار ہیں، مگر غصوں کہ اپنے اہمالِ طبیعت
 سے مجبور ہونے کی وجہ سے متنبہ نہیں ہو سکے اور ان کے غیظ کو پوری مددِ ناشی کے ساتھ واپس کر دینا
 ... ہم اس بار بار اس سے بڑھ کر کہنے نہیں، بلکہ ناشی زبان و نعتان میں آئے ہیں اہمالِ طبیعت

اہلال کی مددِ صبر کا شکر ہے۔

کہ قیمت بدنام کے طلب گار ہیں ایسوں کی مدد کے آپ کا حق کیا خوش ہوگا۔
 میری بھی نہیں معلوم کہ عید کس منہ سے ہے اگر آپ چلو خریدنا چاہتے ہیں تو یہ ایک گراں قدر
 قیمت ہے میں تو اپنی قیمت میں گمانس کی ایک نوکری کو بھی گراں سمجھا ہوں شاید چاہئے اور سونے میں
 بے ہوشے و سادہ کو خریدنے کے لئے اتنا روپیہ مطلوب ہو اور نہ ہم ایسے خاک کشین درویشوں کو تو ایک پوری
 جماعت اٹھنے میں مل جائے لیکن ہاں اگر اس سے میری رائے اور میرا خمیر خریدنا مستحکم ہو تو با دہشت
 عرض ہے کہ ان خزانہ دیز ہائے طلائی کی تو کیا قیمت چاہے کہ وہ اور تخت ملاؤس کی دولت بھی جمع کر لیجئے جب
 بھی وہ صبح آپ کی پوری ریاست کے اس کی قیمت کے آگے پہنچے ہے یقین کیجئے کہ اس کو سوائے شہنشاہ حق کے
 اللہ کوئی نہیں خرید سکتا اور وہ ایک بار خرید چکا:

دو دن جہاں سے کہو سمجھئے خوش رہا یاں آپڑی یہ شرم کہ کراہ کیا کریں
 ہمارے عقیدے میں تو جو اخبار اپنی قیمت کے سوا کسی انسان یا جماعت سے کوئی رقم لینا جائز سمجھا ہے
 وہ اجل نہیں بلکہ اس فن کے لئے ایک وجہ ہے اور سراسر ہمارے ہم اخبار نویس کی سطح کو بہت بلندی پر
 دیکھیں اور امدادیا المعروف دخی عن المنکر کا فرض اور کرنے والی جماعت سمجھتے ہیں: وَلَنُكْفِّرَنَّ
 يَكْفُرُونَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَا مَرْوُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَقْفُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوَّلَ لَيْلٍ هُوَ الْمَقْلُوعُ
 (۱۰: ۳) پس اخبار نویس کے علم کو ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہونا چاہیئے اور چاندی سونے کا تو سایہ بھی اس
 کے لئے بہت مانس ہے جو اخبار نویس میسوں کی دنیا میں اور ایسوں کے عطیوں کو قومی اعانت، قومی علیہ
 اور اسی طرح کے فرضی ناموں سے قبول کر لیتے ہیں وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے خمیر اور ذریعہ امان کو بھیجیں بہتر ہے کہ
 دراندہ گری کی جھولی لگے میں ڈال کر اور قلندروں کی جگہ قلندران لے کر میسوں کی ذریعہ میں برگشت لگائیں
 اور — ہر گز کہے کام پڑے نہ کہ اس حد تک کہ خود اپنے میں فروخت کرتے رہیں۔

(۳)

مسلک گشت کے مساطات کی نسبت ... میں نے ... تاکہ سگ گشت ... تاکہ بروی بند
 لے اہل ان، ۱۰/۴، ۲۷ جولائی ۱۹۱۲ء

وید الدین صاحب سلیم کی طبعی استعداد اتنے تھیں کہ آپ کو یہ سمجھ جاتا تھا کہ
اس کے بعد مسلم گزٹ کا ایک پرچہ آیا جس کے پہلے صفحے پر مولوی صاحب کی طبعی استعداد کی خبر اور اس کی پرورش
خداوند کا احسان تھا اور جبکہ آخری صفحے پر مشہدات کے اندر چھاپا ہوا احقر اور مولوی صاحب کے متعلق بھی ایک
نوٹ تھا جس میں لکھا کہ مسلم گزٹ میں جس صفحہ میں قابل احقر اس محل کے ان کے متعلق انصاف اور
آئندہ کے لئے احتیاط۔۔۔۔۔

یہ سوال کسی شخص کو ایلیٹری سے برطرف کر دینے کا نہیں ہے، ہر شخص جو کسی کو اپنی غلطی کے لئے رکھتا
خداوند کے کہ جب چاہے طعہ وہی کر دے۔ یہ سوال مولوی سید وید الدین صاحب کی غفلت خاص کا بھی نہیں
ہے اگر کسی وجہ سے وہ طعہ کر دیے گئے یا ہر گز تو اس کا اثر مسلم گزٹ پر کیا پڑ سکتا ہے؟ یا ان باتوں پر کیا پڑ
سکتا ہے جن کی وجہ سے لوگ مسلم گزٹ کو پسند کرتے یا برا سمجھتے تھے؟ اس طرح کے تغیرات ہمیشہ کاموں میں ہوا
کرتے ہیں اور اگر کوئی کام نیک اور اچھا ہے، تو اس کی زندگی کسی شخص کی زندگی با دم موجودگی پر موقوف
نہیں۔ مولوی صاحب جب مسلم گزٹ کے دفتر میں آئے ہیں تو ان خیالات کو لے کر نہیں آئے تھے جن کی وجہ
سے مسلم گزٹ کو نہرت ہو گئی۔ ان کو مسلم لیگ کی مخالفت کا بالکل خیال نہ تھا۔ نہ تو سیاسی مباحث سے دلچسپی
رکھتے تھے اور نہ مسلمانوں کی پولیٹیکل روش کے متعلق کوئی انتظامی خیال ان کے پیش نظر تھا۔

تاہم مسلم گزٹ نکلا تو حالات جمع ہوئے اور اس کے صفحات پر سے اطلاع و تیر کی ہند باندھ دی اور مسلم لیگ
کی گڑبائی اور رائی میں سر آٹا جانے کے متعلق اس نے مخالفت اور گڑبچینی شروع کر دی اور مسلم لیگ
کے اس تیر میں پورا احتیاط جس کی وجہ سے اس کو اپنا نظام بدلتا پڑا۔

پس یہی طرح اب اگر وہ مسلم گزٹ سے طعہ کر دے گئے تو وہ لوگ مسلم گزٹ کے کام کو قائم نہ کر سکتے۔
ہیں اور آزادی کی تحریک میں زندگی ہے تو وہ خود اپنا سالانہ کھلے کوئی ایجنڈا کوئی پروگرام تک
ان کے سامنے نہ رکھ سکتے۔

سب پرچہ اب ایک ایسی کل ہوئی بات ہے جس کو ہر شخص تسلیم کرے گا، مگر اصل سوالات یہ ہیں۔
یہ تیز لگانا سبب دھماکے کے تحت ہمارا جو ہمیشہ کاروباری دنیا میں کرتے ہیں تو یہ کیا

حیدر افراسی دہلی، مگر شکل یہ ہے کہ

دوست نے ظاہر دشمن سے کیا ہو کہ ملک

یہ دو آفرنگ ہیں یہ حالات کے ساتھ وقوع میں آیا ہے جس نے مسلمانوں کے موجودہ احوال پر نئی حرکت بندی کے میں دو رجوع میں اہول کی جگہ برہمی توہمی کی ہے اور تانہ کہ لئے اجتہاد کا نام وضع فرمائے
وہ نزل افرام و عدم ثبات کا رد اہول و ملک ایک ایسی مثال شوم و ظہیر غمناک قائم کر دی ہے جس نے
ہمیشہ کے لئے پریس کی اندرونی آزادی علی کو خاک میں ملا دیا، اور ان ہلک نقصانات سے کہیں نیا نہ نکلتا
ہندوستان پر ہیں کہ نہایت جو پریس ایک کا حربہ بے امان پیچھا ہے۔

پریس ایکٹ کے بموجب پریس کی ضمانت لی جاسکتی ہے پہلی ضمانت ضبط کی جاسکتی ہے: پر پے ضبط
کر لے جاسکتے ہیں، انتہائی صورت ہو تو پریس کا سارا سامان بھی ضبط کیا جاسکتا ہے۔ تاہم یہ تمام زنجیریں ہمارے
خارجی احوال و قومی کے گرد و پیش میں اور خواہ ان کی آہنیں بند نہ ہوں کہ گھر سے باہر تباہی مینہ کر دے، لیکن
اپنے گھر کے اندر اپنے دفتر کی میز کے سامنے، اپنے قلمدان سے کام لیتے ہوئے، ہم بالکل آسنا نہیں لیکن مسلم گز
کا خفیف القلب ملک اس پر قانع نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہمارے اندرونی نظم و نسق کی آزادی بھی ہم سے
چھین لی جائے، اور جب کہ ہمارے دفاتر کے دروازے سی آئی وی کے غیر موثر اجنبی کا جو لگا رہے
ہوتے ہیں تو ہمارے کاروبار کی میز کے سامنے بھی ایک سخت موثر مداخلت کا پہرہ بٹھا دے!!

اس نے حکام کی اندرونی اور غیر باقاعدہ مداخلت کی سعی کو اپنے خفیف قلبی کے ہاتھوں کا بیاب کر دیا
اور اس طرح ہمیشہ کے لئے ایک بیاحریہ خود حال کر پریس کے حریفوں کو دیدیا۔
مسلم گزٹ غالباً آج کل میں نہر ہو چکے گا، مگر ان حالات کے بعد اس کا یہ ہو جانا ہی تیرے
بیان تک کہ چکا تھا کہ سلوم ہو، مسلم گزٹ بند ہو گیا ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو

وَمَا يَكْفُرُ بِمَا لَعَنَ سَائِرُ نَاكُلًا كَوْنًا مَعَ آمِينَ۔

مے لوگو! میں تمہیں اپنے پروردگار کا حکم سناتا ہوں، اولیٰ قین کرو کہ میں تمہارے لئے ایک دیانت دار
بلج میں ہیں کہیں اعلان حق میں خیانت نہیں کروں گا

زیندار پیش کا جو سے دوزخ کی ضمانت لی گئی تھی اس کے بعد دس ہزار کی طلب کی گئی۔ اب وہ
دس ہزار بھی ضبط کر لئے گئے اور پھر میں کا تمام سامان اور شیشیں بھی... بنیاد خدہ مخا میں قرار دیے گئے
ہیں جو اوجود حاکم واقعہ عید انھی پر لگے تھے اور ایک مہر مٹر ٹھہری تھاں کا جو انھوں نے مٹرن سے
کہ کر پھانسا تھا...

آج ہمارے اس جانب بننے والوں میں کون ہے جو جرم نہیں ہے۔

لکھن اور قوموں کی تاریخ میں ایک وقت آتا ہے جب کہ انسانوں کے لئے زندگی کی خواہش مسیت
بوجہ ہوتی ہے اور زندہ رہنے سے بڑھ کر اور کوئی جرم نہیں ہوتا۔

جب کہ اونچی اونچی دیواروں اور آہنی دروازوں کی آبادی بڑھ جاتی ہے... جب کہ فحش
کی شہینوں میں دسیاں لٹکائی جاتی ہیں، اور جب کہ کڑھسی کے تنھے تہائے جاتے ہیں، تاکہ فرزند ان آدم
ان پر کھڑے ہوں یہ وقت آتا ہے اور اخطاب الم کے ایک قانون کے ماتحت گزر جاتا ہے، اور پھر
ہاک کا ہر دہج جو زمین میں ڈالا گیا تھا اسے موسم کے شروع ہوتے ہی زندگی اور حیات قائم و دائم
کاپل پیدا کر دیتا ہے...

خدا کی یہ مہربانی معلوم ہوتی ہے کہ اب ہندوستان کے سلطان جاگیں اور اس طرح جاگیں کہ پھر
انہیں کوئی سلام سکے...

بلکہ ہر میں نے زمین ہمارے اور تقسیم ہے لیکن مسوئی نے اس میں یہاں والا اب ہائی کی صورت
فی جو سے اور انقلاب کی ضرورت تھی جو گری پہنائے۔ پس بلکہ جہان نے بارش غرض سے بیرون
کہ اور اس کے بعد ہی پہلی بار ہمارے ہمارے کے حق پر آنا ہے عالم نے سرخ کتاب اور ہمارے ہمارے

لوگوں دکھایا۔ یہ سب کچھ اس بچہ کی پرورش کے لئے کافی تھا، لیکن کیا کیجئے کہ وہ تھان کی خلعت بھی شہر چلی اور دزدانِ نہد امت سے کہیں گاہیں بھی نہ ملیں۔ میں ہنرمند تھا کہ خود خدمتِ الٰہی ہی ان کا سامان کرتی، اور میں پانی کے برہے بغیر بچہ بار آور نہیں ہو سکتا، اس کی آبپاشی نہ کرتی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور زندہ رہا۔ پس کی پہلی سے اس باریش نشوونمائی اختیار ہو گئی ہے۔۔۔۔۔
 ... میرے دوستوں کو معلوم ہے کہ میں غصہ، بغض، اور کینہ کی بہت سی کمزوریوں کا نہ صرف شاک، بلکہ واقعی طور پر متاثر و متاثری تھا۔ میں اس کی طرزِ تحریر و انشاء و مضامین کو پسند نہیں کرتا تھا۔ مجھے اس میں بہت زیادہ ملامت اور سبقت نظر آتی تھی۔۔۔۔۔ انشاس کی بحث کے ہواک کو میں پسند نہیں کرتا، اور جانتا ہوں کہ ہر شخص نکتہ چینی و احتساب کی بنیاد اہول کے دھڑ پر رکھے۔۔۔۔۔ زمیندار میں انشاس کا مسئلہ قدرِ اعتدال سے گزرنے لگا تھا اور بسا اوقات جس مایانہ و سو فیانہ انداز میں داؤدِ طرافت دی جاتی تھی اس سے مجاہدیں پبلک کے مذاق کو نقصان پہنچے گا اندیشہ تھا۔

بعض سائنس کے تعلق اس کی غلطیاں بھی شدید تھیں۔ مسئلہ کا پورے فیصلے پر جس طرح اس نے خوشی ظاہر کی، اور جو مضامین لکھے انہوں نے فیصلے کی ہورت اصل کے خلاف ایک دوسری ہورت لوگوں کے ذہن میں پیدا کر دی۔

اس کے معافی اور سامانِ زامات بھی ہمیشہ مجھ کے سینہ چاتے رہے۔
 تاہم اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اس کی نیکیاں اس کی غلطیوں سے نیا ہو تھیں۔۔۔۔۔
 وَإِنَّمَا الْإِنْسَانُ لِرَبِّهِ يُكْفِرَاتٍ ۖ وَإِنَّمَا الْإِنْسَانُ لِرَبِّهِ كَفَّارٌ ۖ

وہ نہ زہدِ رکی انعامت سے پہلے اجارِ بی طرفانہ غلام میں جھوڑ گیا، انعامِ بنداری و احساس کے پیدا ہونے میں یہ ایک ایسا مانعِ عظیم تھا جس کی وجہ سے کوئی تحریک اور کوئی آواز انعامِ قوت و اثر پیدا نہیں کر سکتی تھی جنگِ طرابلس نے قوم کے تمام طبقات کو زیرِ دل کا شاک و شکوک و شک و شبہ کی ماحولیت شروع ہو گئی۔ اس کی انعامت میں میں نے ہر مسئلہ و مسئلہ کی طرف سے اس کی ہر طرف سے انعامت نہیں دے سکا تھا اصل ایسا نہ کہ شیخہ ہوں تک پہنچا اور جس سے ہر مسئلہ و مسئلہ کی طرف سے

علی الصباح اس طرح چنداں خواہشمند نہ تھا گویا یورپ اور امریکا ایک طغیان برپا کرنا چاہتے تھے۔
 مطالعہ اخبار کے لئے بے قرار ہے اس نے گواہی دہستان کے معاملات کے متعلق کچھ نہ کہیں اور مسلمانوں
 کی سیاسی حالت پر بھی کوئی توجہ نہ کی تاہم اس نے جن جن معاملات کو کلمہ آزادی اور حجرات کے ساتھ لکھا اور
 اپنے پڑھنے والوں میں بے اختیار زندگی کی ایک روح پیدا کر دی۔

اس کے بعد حالات میں مزید تغیرات ہوئے اور زمینداروں نے بیرون ہند کے اسلامی مسلمانوں کے علاوہ
 ہندوستان کے سیاسی مسائل ... کے متعلق بھی لکنا شروع کیا، اگر اس سے بے اعتدالیاں ہوتی ہوں، لیکن
 اس میں شک نہیں کہ امولا اس نے ہمیشہ آزادی کے ساتھ اظہار خیال کی سہی کی۔

دور دراز تھا اور متفرق فروخت ہوتا تھا، ایک پسیرا دو پیسے دے کر ہر شخص اسے خرید سکتا تھا۔ گذشتہ
 دو سال کے تغیرات و حالات نے خود بخود اسے قبول مام بنادیا تھا، قوم سکھ پر لیتے ہیں، مذہب بڑھا جاتا تھا۔ ان
 نام اسباب کی وجہ سے وہ ایک بہت بڑی قوت تھی جو جن اتفاق سے پیدا ہو گئی تھی، اور ایک ایسا وسیلہ تھی
 جنہاں کے ذریعہ ہر روز ہزاروں مسلمانوں کے اندر بیک وقت زندگی پیدا کی جاسکتی تھی۔ اس قسم کے وسائل
 ہر وقت حاصل نہیں ہو سکتے اور تغیرات و حوادث کا موسم ہمیشہ رہا کرتا ہے۔

پس زمیندار کا بند بونانی الحقیقت مسلمانان ہند کے لئے ایک عظیم ضابطہ تھیہ میں سے ہے، امام
 قوم خدا اشرا اس غفلت کے لئے جو اب رہے جس نے حریف قوی بچہ کو ابا کرنے کی نصرت دی، اللہ پھر اس کے
 لئے بالکل ناپوش اور مردوں کی سی بے حسی گوارا کر لی۔

پھر کوئی ہے جو اس غفلت موت آوں اور میں سرشار کی مسموم، اس سکون حالت اور اس عملی انحراف
 باطل کے پرورے کو چاک کر دے؟ مہینہ شریف الہ آباد کا درویش محمد المسالین؟ حل نقد المسالین کل
 دولت؟ ام علی طلب اتفاقا؟

بال بکتا و غیر از تجربہ طوبی زنی جفا باشد چو تو مرتے کہ اخیر تھی
 میں آج پھر اپنی جہاد بند کرنا چاہتا ہوں، اللہ پھر تھی کہ دولت کا وہ زندگی کی تلاش میں تھا کہ وہ
 کے مہینے نہ ہونے کا خواہشمند ہے، اپنے دل کے درد اور دکھ کی آوازیں دھوت دیتا ہوں کہ غفلت و غفلت

کامیابی اور عظیم کامیابیوں کے لئے اس موقع پر زمیندار کے مسئلہ کو جو رد و تحریک کے لئے ہم نے پیش کیا ہے اس کے بارے میں سے
مجھے۔ اس پر مبنی قوت سے جو خدا نے دی ہے یہ ہے اگر آج کا مسئلہ لیا جائے۔۔۔ یہ کوئی دعا داری
یا غیر معمولی کامیابی کا سال نہیں ہے، یہ ایمان اور عجیب شین یا شور و غوغا کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ محض ایک قانونی مسئلہ ہے ایک
چاہرہ قانون کا خدا دو مل اور بعض گروہوں کے اعانت و پشت پناہی کے اقدامات کے خلاف قوت حق و عدل کے ساتھ
اتحاد کرنا ہے اور میں.....

(43)

ہندستان میں پریس کی اشاعت و ترویج پر ایک حدی سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔ ۱۸۴۸ء کی چھٹی ہونی
کتاب میرے پاس موجود ہے۔ اس جگہ میں جدا اخبارات و مسائل اردو زبان میں محمد اویسی قلیہ کی اشاعت
نے نئے قسم کے کاروں کا ذوق بھی ایک بڑے وسیع حلقہ میں پیدا کر دیا۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ پورے سو برس
کے اندر ایک چھوٹی سے چھوٹی مثال ہی اس کی نہیں ملتی کہ یہ سب کے ترقی یافتہ نمونے پر کوئی عمدہ رسالہ تخلیق ہوا
مگر یہی مصلوہیں نکالیں۔ اور اس کی ایک ناکام کوشش ہی چند دن کے لئے کی گئی ہو۔
مضافات اخبارات پر بھی مسلمانوں کو توجہ ہوئی۔ زیادہ تر وہی قسم کے اخبار نکالے گئے، اور انہی پر سب سے

نفاذ کر لی۔ یا تو ہمارے دینی مسائل کے لیے جس میں رسالہ من چند بابوں اور ہادی رجب کی کتاب
روبو کو شش کر دینے کے بعد اگر کسی نفاذ میں ہالیں منے سے زیادہ ہوتی تھی یا پھر ہفتہ وار اجلاس
نظم خود ماہہ تر پنجاب سے شائع ہوئے اور دو چار برسوں سے منہ میں جاری کرنے کی کوشش کی۔

پھر ان کا یہ حال تھا کہ روپ کے پریس کی طرح کوئی ریج تقسیم نہیں منظور تھی۔ کبھی ہفتہ وار سے
روزانہ کی تاریخوں اور دنیا بھر کی خبروں کے اکٹھا کر دینے کا کام یا جاتا تھا اور کبھی ان میں ہفتہ وار
جزوں اور میگزینوں کی تقلید کر کے چند یا نئی نمایاں لوگوں سے لکھوا کر شائع کر دے جاتے تھے خبریں اردوں
کی دلچسپی کے لئے کوئی ناول شروع کر دیا جاتا تھا جسے بڑی چیز خود ایڈیٹر یا ڈیٹوریل اشاف کی تلاش
وغت ہے۔ مگر چیز اردو پریس میں ہمیشہ سے مغفوری۔ ایڈیٹری کا مفہوم اس سے زیادہ نہ تھا کہ باہر کی
بھی ہوئی مراسلات کو ایک ترتیب خاص کے ساتھ کاتب کو دیتے جانا اور جب صفحات ختم ہوجائیں تو اہل
ایک دو کالم لکھ کر شائع کر دینا۔ یہی حال ہفتہ وار اخبارات کا تھا اور یہی ہمارے مسائل کے لیے ایسے اجلاس
اور سالوں کا حال بالکل نہیں معلوم جن میں خود ایڈیٹر یا ڈیٹوریل اشاف اول سے پہلے ایک نمایاں کتاب
ہو یا خاص اہتمام سے لکھوائے جاتے ہوں۔ اخبار اور قلم کے ایک ملے جلے اور اولیٰ سید اجلاس قائم کر کے
پھر ہفتہ اشیں چروں کو درج کرنا جو ان کے مطابق ہوں، اس کا تو شاید خیال بھی بہت کم لوگوں کو
ہوا ہوگا۔ (تہذیب الاخلاق اس بحث سے شش ہے).....

..... پس جو کام پوری ایک ہمدی کی جات طاعت و صحت میں کوئی بڑی چیز می طاعت اور
کپنی ذکر کی سے الہام نے تو کافی اندھ شخص ایک فرد وہہ کدول و صانع اور بھی اسباب و محال
کے ساتھ بیک شرواع کر دیا اور اس حالت میں شروع کیا کہ نہ تو سرمایہ کے لئے کوئی مشن نہ کچھ تھی،
نہ نظام و ادارہ کے لئے کوئی طاعت نہ تو ایڈیٹر یا ڈیٹوریل اشاف کے لئے اپنی فکر کی اسات و حیرت
نکلیں میں اسباب و صفت و صلیت کا کوئی کرو و جوں جو روپ کی طرح ان کے لئے نہ تھا
سے رویت کے لئے ہی جو..... ایک ہی نام ہے محمد بنی و محمد بنی و محمد بنی و محمد بنی
یہ کچھ ہفتہ وار مراسلات بھی نہ ہوتی تھی۔ یہی وہ مسائل تھے جن کی

تھے، مگر ادب و تراجم کی بھی فکر کی جاتی تھی اور ان سب میں اپنے انداز و نحو میں اور سید کا بھی تمام رنگا فرمائی تھا۔

پھر ایک خاص تصدیق اور دعوت اسلامی کا اعلان بھی اس کے پیش نظر تھا، اور اپنے سیاسی مقصدات کی وہم سے اس کے چند سہوں اس کے خفا میں دینی مقصدات تھے، طرح طرح کے موافق و موافق سے بھی ہر آن وہ ہر لمحہ زور پہناتا تھا.....

... جب کبھی اہل مال کے کاموں پر نظر ڈالی بھی گئی تو ہر دعوت و منہبہ کے ایجاد کی گاندہ کر دیا گیا۔ .. جہاں لاکھوں کی خلیتیں بند اور اس کے اثرات سے نثار تھے۔ وہ ایجادات و ہدایت ہادقہ اسلامیہ کا داعی تھا، اسلام کی سنت حریت کی تہذیب اور جہاد حق و عدالت کی طرف بلاتا تھا، علم و ادب اس کا منہبہ تھا، طرح طرح کی تحریروں، مقالات و رسائل میں وہ ایک اسلوب بہرید اور انداز نو رکھتا تھا، اس نے اردو کی صحافت کی ہر شاخ میں اپنی راہ چبکے، لکھی تھی، اور اہولی باتوں سے لے کر چھوٹی چھوٹی جزئیات تک میں وہ ہر سو کی تقلید کی جگہ وہ خود اپنا نمونہ دوسروں کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔ ..

(۷)

آج دنیا میں بڑے بڑے کام انجمنوں اور کمیٹیوں کی ہدایت میں انجام دئے جاتے ہیں۔ لیکن تجربہ شاہد ہے کہ مسلمانوں کو اب تک یہ اہلی طریقہ عمل رس نہ آیا۔ اس وقت تک علمی اور قومی خدمات کے لئے جس قدر کمیشن قائم ہوئے، تجارتی کاموں کے لئے جس قدر کمپنیاں بنائی گئیں، سب کا نتیجہ یا تو شکست کار اور پرہیز محبت تھا یا تو کسی نہ کسی طرح قائم رکھی گئیں۔ لیکن ان کا جو دعوم سے زیادہ مقصد نہ تھا.....

یہی اس بنا پر ایک سوچ سے اس عاجز کا یہ خیال ہے کہ بڑے بڑے اداروں کو ترک کر کے ہر دست و پاء سے اپنا کام لے کر شخص اپنے مقدر اور امکان کے مطابق اپنے لئے ایک دائرہ عمل بنا لے اور جس قدر شخص طویل کر سکا ہے، ہر اور لوگوں کے وقت اور سال کی ذمہ داری اپنے سر لے کر اپنے لئے مقصد چاہے اپنا سامان خود سے رکھے اور اپنی نیتوں کو درست رکھنے کے لئے شخص سے ہر سرکاری کام لے کر چھوٹی چھوٹی

اتناس کی کسی حاجت اور قوم کے عمومی طور پر عامی کاموں سے زیادہ منحصر ہو جائے اور وضعیت دنیا میں بڑے بڑے کام شخصوں ہی کے لئے ہیں، جماعتوں نے نہیں کئے ہیں۔

جس کام کو میں نے شروع کیا ہے یہ اسی خیال کی عملی صورت ہے۔ میرے پاس دولت نہیں ہے اور تدریسی اور طول عمر کے لئے کوئی ذریعہ علم بھی نہیں۔ نہیں جانتا کہ کل کیا ہو؟ تاہم اتحاد اور تنظیم پر تھوڑی سی امید اپنی نیت ہے، اور یہ وہوہ الہی برکت میں نظر ہے کہ: اِنَّا لَا اُصِیْعُ عَلٰی عَاقِلٍ مِّنْ حِکْمٍ وَدَانِقًا دِیْنِ کَیْ کام کرنے والے کے کام کو نہایت نہیں کرتا۔ (۱۹۳: ۲)

انسان کے طبے و ملن پر بہت سی باتیں ایسی گزرتی ہیں جن کو وہ ریات و قیامت اور یہ کی طرح دیکھا اور محسوس کرتا ہے، مگر اس کو وہ ان کی شناخت نہیں کر سکتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ دنیا میں غلوں و صداقت اور سچا توکل ایک ایسی طاقت ہے کہ جو کبھی ضائع اور برباد نہیں ہوتی، مگر اس کے لئے میں کوئی دلیل حتیٰ نہیں کر سکتا مگر میرا دل افغان اس کو ایک قانون الہی کی صورت میں دیکھتا ہے اور اس پر اس سے کم نہیں نہیں رکھتا جس قدر آپ کو آگ کے جلانے اور پانی کے ڈبانے پر ہے: وَلَئِنْ تَجِدَٰتُ لِسْتِیْدَ اللّٰہِ بَدِیْلًا کہ نہیں سکتا کہ جس دن سے میرا دل اپنی نیت اور معاہدہ کے تسلیٰ ملے ہو گیا ہے اس دن سے ایسی مطلوب نہ ہونے والی طاقت بخشنے والے نے مجھ کو بخش دی ہے البتہ مضطرب ہوں کہ میری نیتوں کو یہت کریم آزمائشوں میں بڑھنے کے بعد پاک و صاف رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پہلے نمبر کی اشاعت کو زمین ماہ سے زیادہ گزرا ہے۔... الحمد للہ کہ توفیق الہی کی امانت ہے اب دلت گیا ہے کہ ان کاموں کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ کام کون ہیں؟... مختصر نقطوں میں اگر اشارہ کرنا چاہوں تو عرض کر سکتا ہوں کہ: اپنے مکان اور شعبہ کے مطابق ایجاد و عیت الہی اور نہایت علم و حکمت کے لئے ایک باقاعدہ اور منظم دارالعلوم کا قیام: وَالسَّعٰی فِیْ رَاٰ اَتَمَّ مِّنْ اللّٰہِ عَالِی... میں اس عطا و نصرت کرتا ہوں کہ حسن النصار علی اللہ

مَنْ أَتَابَ بَرِيءٌ إِلَى اللَّهِ: الْحَرْبُ اللَّهُ: أَلَا إِنَّ حَرْبَ اللَّهِ هُمُ الْكَافِرُونَ

دستور العمل:

أَلَا يَسْتَوِي الْقَاتِلُونَ الْمُحْسِنُونَ وَالْمُكَافِرُونَ الْكَافِرُونَ
بِالْعُرُوفِ وَالْغُيُوبِ وَالْمُكَافِرُونَ الْكَافِرُونَ كَذِبًا وَدُخَانًا
وَالْمُكَافِرُونَ الْكَافِرُونَ كَذِبًا وَدُخَانًا

واللہ تعالیٰ اعلم ۲۳-۲۴ دسمبر ۱۹۱۳ء

وَالْقَوْمُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّابُونَ
وَالْقَوْمُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّابُونَ

تھیں وہ ایک ہی تحریک تھی ہمدانیت جو مسلمانوں کو ان کی حیات انفرادی و ملی کی ہر شے
میں مسلمان بننے کی دعوت دے ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ء

۱۔ حزب اللہ کے مختلف مدارج اور جماعتوں میں ایک جماعت السائحون العابدون کی ہے...

یہ مجلس و ملازمتی کی بنا پر تجارت بچانے والا کوئی گروہ نہ ہوگا... بلکہ جماعت دعا و سیاحت سے مشہور

ایک باب ہدف و غرض میں جو انشاء اللہ تعالیٰ اپنے کاموں اور اپنی جی اور راست بازانہ زندگی میں قوم

کے لئے ایک نمونہ ثابت ہوں گے۔ وہ جماعتین فی سبیل اللہ کا گروہ ہے جس نے اپنی تمام جہتوں سے ہیرا اور اعلیٰ سے

اعلیٰ دینیوں اور تعلقات سے کنارہ کش ہو کر اور لدا اور دنیا کی حیات کی انگلیوں اور خواہشوں

سے دل کو ہٹا کر اپنے پوری زندگی خدمت دین و ملت کے لئے وقف کر دی ہے۔ اللہ اللہ اور اس کے

حاکمین کو انہی خیرانی اور بے غرضی کے لئے دنیا کی لالچ اور فریب ہے۔ وہ یہ تو دنیا کے غالب ہو چکے

ہیں اللہ دنیوی عرفہ و دعا کے خواہنگار... وہ اللہ کی رضا اور اس کے لائق کی خدمت کے لئے اور بیوہ

کریں گے اور ہم دین اور جنتیں جو اس راہ میں آئیں انہیں خوشی و خوشی پرور دیتے ہیں گے

یہی وہ کلمہ ہے جس کی تلاش میں انہوں نے بیویوں کو چھوڑ دیا ہے اور یہی وہ کلمہ ہے جس کی کثرت

انہوں نے تمام دنیا کی زندگی کو اس کے شہنشاہ کی طرح منظم کیا ہے

اسلام دینوں وہ ہے جو اللہ کے رشتے کو کام دینا کے رشتوں پر ترجیح دے۔ پس کسی جتنی کئے یہ جائز نہیں کہ وہ اسلام کی مٹی جو اور ساتھ ہی خدا کو چھوڑ کر دوسرے رشتوں کی گرویدہ ہو جائے۔ خدا کا رشتہ اس کی سہیلی اور عدالت کی محبت میں ہے جو حق کو بپا کر کرنا ہے وہی خدا کو بھی بپا کر لینے والا ہے، وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ۔

اسلام نے توحید کا سبق پڑھایا۔ توحید کی تکمیل کے معنی یہ ہیں کہ انسان تمام انتہائی قوتوں اور طاقتوں اور فرائض و اربوں کو صرف اللہ کے لئے مخصوص کر دے اور ان میں کسی کو شریک نہ کرے۔ بس چند انسانوں کو اپنا بیڈر بنائے ان کے ہر کام کی بلا جوں و چرا تعمیل کرنا، یا گورنمنٹ اور حکام کی ہر خواہش کے آگے راگربہ وہ حق و عدالت اور مہدات و حریت کے منافی ہیں سرحد کا دینا، ایک ایسا شرک جلی ہے جو توحید کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا عقیدہ توحید انسانی حریت و آزادی کا سرچشمہ حقیقی ہے کیونکہ جو سرحد خدا کے آگے جھکے گا، مگر نہیں کہ وہ انسان اور انسانوں کے غرور و پادشاہت و حکومت کے آگے ذلت و عبودیت سے سر بسجود ہو۔ ان احکام کا لفظ اللہ بس مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے اندر عبودیت الہی کی اہل حقیقت پیدا کریں، اور کوئی روح خدا کے آگے ذفا دار نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ ان تمام قوتوں سے یکسر باغی نہ ہو جائے جو خدا کی مہدات اور اس کی مرضات کے خلاف ہیں۔

ملک و انسانیت کی خدمت، آزادانہ حیات سیاسی و ملی کا حصول، بعد و جد حریت، اور خود مختار اندہ حکومت کے اہل کرنے کے لئے باقاعدہ سامی — یہ تمام مقاصد حاصل اگر دوسری قوموں کو پر بنائے بعد بے قومیت و عزت ہیں، تو ہر قابل کا توحید کو مذہباً و دنیاً محبوب ہونا چاہئیں۔ پس عزت و مجد اسلامی کا معنی یہ ہے کہ ان تمام میدانوں میں مسلمان مسج آگے ہوں، نہ کہ کبھی پیچھے اور غیروں کے خوشہ چیں، وان العزۃ لله ولر مصلوہ وللمؤمن۔ ہاں ایک اہل الاصل ہے جو اس دھوکہ گاہے سیاسی و تمدنی سے الگ کرنا ہے یعنی ان تمام چیزوں کو صرف اللہ کے رشتے اور اس کی مرضات کی متابعت کے تعلق سے حاصل کیا جائے نہ کہ محض تغیر اقوام و جماعت۔ اور اس کے سب سے پہلے اسلام کے جس اتیس کو بکراؤ کہ اس کے شایع حقیقی ہے بکراؤ و دعا الحاجۃ للمؤمنین۔

ہمارے عقیدے میں تو ہر وہ خیال جو قرآن سے سوا کسی تعلیم گاہ سے ماہل کیا گیا ہو ایک کفر مہر ہے اور پائیکس بھی اسی میں داخل ہے۔۔۔ اہل اہل کا مقصد اہلی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے اعمال و مقصدات میں ہر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور خواہ تبلیغی مسائل ہوں، خواہ تمدنی، سیاسی ہوں خواہ اور کچھ، وہ ہر جگہ مسلمانوں کو ہر کتاب اللہ دیکھتا پاتا ہے اس کی ہمد اہر ہے کہ کہ تعالوٰ الٰہی کلمۃ صواع بیننا و بینکم (۲: ۱۵) اس کتاب اللہ کی طرف اذ جرم اور تم دونوں میں مشترک ہے۔

آپ پوچھتے ہیں کہ آجکل ہندوؤں کے دو پولیٹیکل گروہ موجود ہیں، ان میں سے آپ کس کے ساتھ ہیں گزارش ہے کہ ہم کسی کے ساتھ نہیں، بلکہ ہر ہندو کے ساتھ ہیں۔۔۔ مسلمانوں کے لئے اس سے بڑا کفر نہیں انگریز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹیکل تعلیموں کے آگے مجاہد کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔ گورنمنٹ کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ہم سچے مسلمان ہو جائیں تو جس قدر بچے نفس کے لئے مفید ہوں، اتنا ہی گورنمنٹ کے لئے نیز اسی قدر ہمایوں کے لئے۔ اس کو بھولنا نہیں چاہیے کہ جو اللہ قرآن سے رکھا ہوا ہو وہ ہم کا گویا رب اور نہیں بکڑا سکتا۔ البتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے ہم کو آزادی بخشے اور آزادی ماہل کرنے دو دونوں کی تعلیم دی ہے۔ ہم جب حاکم تھے تو ہم نے آزادی دی تھی اور اب جب محکوم ہیں تو وہی چیز طلب کرتے ہیں۔

اسلام خدا کی بخشی ہوئی انسانی آزادی کو قائم کرنے والا، اور شخصی استیلاء و جبر کا مخالف ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو جائز آزادی ماہل کرنے کے لئے ہر وقت حرکت میں دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ ایک جمہوریت اور مساوات کی راہ ہے اور اس حکومت کو خدا کی مرضی کے مطابق نہیں سمجھتا جو پارلیمنٹری اور دستوری نہ ہو۔

اہل اہل کی اور تمام چیزوں کی طرح پائیکس میں بھی یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ پر ہے نہ ہر کسی کے لئے ہندوؤں کے ساتھ مل کر دیکھیں شریک ہو جائیں اسی راہ پر چلے جو اسلام کی بنائی ہوئی ہے۔

اہل اہل۔۔۔ ترجمہ: ۱۵: ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱

”الہلال اپنے روزِ اول ہی سے ایک ہی ۱۵ اہتدار کر لی ہے... یسوی دعوت الی العزیز یا امر بالمعروف
نہی منکر“

الہلال کوئی سیاسی اخبار نہیں ہے بلکہ ایک دینی دعوتِ اصلاح کی تحریک ہے جو مسلمانوں کے مسائل
میں مذہبی تبدیلی چاہتی ہے... الہلال اپنے ہر خیال کو خواہ وہ کسی مضمون سے تعلق رکھتا ہو، محض اسلامی اصول
کے تحت ظاہر کرتا ہے۔“

میں نے ۱۹۸۲ء میں ایک اردو جرنل ”الہلال“ جاری کیا... یہ امر واقعہ ہے کہ الہلال نے تین سال کے
اند میں مسلمان ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں بالکل نئی حرکت پیدا کر دی... الہلال نے مسلمانوں کو تعداد
کے بہائے دیان پر اعتماد کرنے کی تلقین کی اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی۔
اس سے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا نتیجہ آج متحدہ خلافت و سوراج ہے۔ بیوروکریسی ایک ایسی تحریک
کو زیادہ موثر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے پہلے الہلال کی نہایت ضبط کی گئی، پھر جب الہلال کے نام
سے دوبارہ جاری کیا گیا تو ۱۹۸۲ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظر بند کر دیا۔ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ الہلال
تواسترازدی یا موت کی دعوت تھی۔ اسلام کی مذہبی تعلیمات کے تسلسل اس نے جس مسلک بحث و نظر کی بنیاد ڈالی
اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے، مہر ف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں آج جہاننا گاندھی مذہبی
زندگی کی جو روح بیدار کر رہے ہیں، الہلال اس کام سے ۱۹۸۲ء میں خارج ہو چکا تھا۔“

(۱۱)

تو اسے کہ جو سخن گسترانِ پیشینی بیاں شکر غالب کہ در زمانہ وقت

الہلال تمام عالمِ اسلامی میں پہلا ہفتہ وار پرچم ہے جو ایک ہی وقت میں دعوتِ دینیہ اسلامیہ کے
ایمان و رس قرآن و سنت کی تجدید، اقصاءِ جہل اللہ التین و وحدتِ کلمہ امتِ مرحومہ کی تحریک کا سانچہ
اور نیز مقالاتِ علمیہ و فصولِ ادبیہ و مضامینِ سیاسیہ و فطیہ کا مہر و مرجع ہے۔ اس کے
درس قرآن و تفسیر و بیانِ حقائق و معارف کتاب اللہ اگلیں کا اندازِ مضمون و محتاج تشریح نہیں۔ اس کے
لے الہلال، ۱۹ جولائی ۱۹۸۳ء، ایضاً اکتوبر ۱۹۸۳ء، سے قول میں، ۱۹ جولائی ۱۹۸۳ء۔

لذم فربہم کمال ذکوعے دوست نام رف و خاطر امیدوار بود
 بالآخر وہ ڈیپوٹیشن جس کا ذکر بعض اخبارات میں شروع ہو گیا تھا، مارچ کی سیر کرکڑا کیٹنسی
 لارڈ ہارڈنگ کے سامنے پیش ہوا؛
 تہوں کی دید کو جانا ہوں دیر کو قائم مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے
 ایک منہل ایڈریس کے ذریعہ مسلمانوں کی امن بندی اور وفاداری کے میناق قدیم کی، نہان مقرر
 اور سرطاعت کے ساتھ تجدید کی گئی؛

یقین بخش مکن وار سرگماں بر خیز
 ایڈریس میں اس کے سوا اور کچھ نہ تھا، اور ہونا بھی نہیں چاہیے تھا؛
 جز سجدہ سماع و گراؤ کس نہ پذیرفت خاک کے کزنقش قدم او اترے داشت
 مولانا فیض الحسن مرحوم عربی کے ادیب تھے، اردو کے شاعر نہ تھے، تاہم کبھی کبھی اچھے شعر کہہ جاتے تھے۔ ایک
 ان کا پرستار شعر مجھے نہیں بھوتا؛

پہلے ہی اپنی کون سی تہی تدر و منزلت پر شب کی منتیں نے ڈبودی رہی ہسی
 ایڈریس میں بنیاد کارہ قرار دی گئی تھی کہ سلطان اپنے کاموں میں معروف تھے، یا ایک ٹرکی کے مصائب
 پیش آگئے۔ اس سے ان کے حواس قتل اور دل بے قابو ہو گئے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا اور؛
 بہت اس قصہ مشہور و توہم ہی دانی

لیکن بایں ہمد اختلال حواس ... وفاداری اور اطاعت کیشی کی جبل المین ان کے ہاتھوں سے نہ چھوٹی
 ... جواب میں ارشاد ہوا کہ ہاں ہے ... البتہ جو کہیں کہیں سخت الفاظ بھی استعمال کئے گئے تو اس عوض نیاز اور
 قبولیت ضروری سے اسے مستثنیٰ کر دیجئے۔ ایسا نہ ہوتا تو بہتر تھا کہ آئینہ عبودیت کے لئے یہ حرف گراں ہی سخت تھے۔
 نسیم جج جو چھوہلے رنگ ہو سکا۔

یہ ایک واقعی بات تھی جو ایڈریس میں کہی گئی تھی۔ اگر آپ چاہتے تو دوسری پٹائیوں کو دیکھ کر پہچان لیں۔

ہی اسے پیش کر سکتے تھے یہ کہنا کہ مسلمانوں کی پہلی پہچانی کا سبب صرف باہر کے اسلامی مصائب تھے، بعض غلط اور اتنا غلط کہ درودِ بخیر صحت آمیز بھی نہیں ہے۔ ان کی پہچانی باہر کے مصائب سے بھی تھی اور اندرونی مصیبتوں سے بھی۔ وہ سربراہِ درود گئے کو اٹلی اور بلقان کے دھوے میں شریک پاتے تھے اور سٹر اٹھکوتہ لیک میلینی بجاہ کی طرح اس جنگ کو اسلام اور محبت کے رنگ میں ظاہر کر کے خوشیاں مناتے تھے۔۔۔۔۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کانپور کا خونیں واقعہ پیش آیا، ایک ایسی ظالمانہ غوربازی کی گئی جس کا سرخ وجہ کبھی بھی دامنِ حکومت سے جو نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا کانپور کی مسجد اور پیراؤن اسلام کی خونچکاں لاشوں کا نظارہ صرف باہر ہی کے مصائبِ اسلامی میں داخل ہے۔

ایڈریس کے جواب میں ہزار کیلسنی نے مرحوم سید احمد کی ایسی کا بھی ذکر کیا ہے، اور ہم خوش ہیں کہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے آدمی کا انھوں نے عمدہ مخاطب کے ساتھ ذکر کیا۔ لیکن اگر اس سے ان کا مقہود مرحوم کی پولیسکل ایسی ہے تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہلڈ اینکول دائرے کے ایک ایسی بات کی امید رکھنا ہے جس کے کہنے کا وقت گزر گیا۔ مسلمانوں کی اس سے پہلے بھی کوئی پولیسکل ایسی نہ تھی، اور اگر تھی تو الحمد للہ مر چکی ہے اور وہ جنتِ نعیم اب دوبارہ دنیا میں نہ آئے گی۔

نکل گئی ہے وہ، کوسوں دیا حراماں سے

جواب کا خاتمہ ان لفظوں پر ہوا:

”مجھے پوری امید ہے کہ خدا کی دہانیت اور مکران کی وفاداری کی بابت آپ کے پاک اور خالص ذریعہ کا جوشیدہ ہے وہ ہمیشہ ایک شیلے کی مانند روشن رہے گا۔“

ہم مسلمان ہیں اور نیرو سوبرس سے صرف اس لئے ہیں کہ خدا کی دہانیت کا حفظ کریں اور ہر طرح کی باطل برائیوں کو جو اس ماہ میں مانع ہوں، اپنی خدا پرستازہ طاقت سے مٹا دیں۔۔۔۔۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہزار کیلسنی کو اسلام کے بنیادی خاتمہ کی صحیح خبر نہیں دی گئی۔ انھوں نے عقیدہ توحید کے ساتھ مکران کی وفاداری کا بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ گراہ بھی شیل عقیدہ توحید کے اسلام کا کوئی اساسی عقائد بالکل صحیح نہیں اور بہت حد اس کی عقلی انجین محسوس فرمائی جاتی ہے۔۔۔۔۔ بے شک خدا دوسری دنیا کی

جس پر اسلام کی حرمت قائم کی گئی ہے، مگر خدائے داد کی دغا داری نہ کہ کسی اور کی، البتہ مسلمانوں کو امن پرستی اور حق کے غمخ کے ساتھ اطاعت کی شکی کا حکم غرض اور خدا جزئی اور عام اخلاقی احکام کے حیا گیا ہے مگر نہ تو یہ اسلام کا کوئی بنیادی عقیدہ ہے اور نہ عقیدہ توحید کی حرمت اس کو گوارا کر سکتی ہے کہ خدا کی دغا داری کے ساتھ اس کے بندوں کی دغا داری کا ذکر کیا جائے۔

میں نے مدخل مایافتہ راہ۔

نَحْنُ لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ ۝

الہجاء! الہجاء! — الہجاء فی سبیل الحرۃ — الفروا خفا واثقلا

دغا داری اور بغاوت، دونوں کا وقت آگیا — دغا داری گورنمنٹ سے اور بغاوت مفید لڈروں
فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۰: ۳)
کسی سے مت ڈرو، اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

اس وقت ہے دغا و اہانت کا وقت بتر اک نالہ تو بھی پیشکش جی گا، اگر

یٰہٰ اَحِبِّی الرَّبِّیْنَ : اَوْ رَبِّیَّابْ مَتَفَرِّقُوْنَ	اسے یا رہن جیسے؛ بہت سے ایک اور آنا بنا لینا
خَیْرًا اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّاسُ، مَا	اچھا ہے یا ایک ہی خدا کے تہا رکے آگے جھکنا، تم
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِلَّا اَسْمَاءُ سَمَوٰتٍ	جو اللہ کو چھوڑ کر اور سبوروں کو پوج رہے ہیں تو
اَتَمُّ وَاَبَادٌ مِّمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِہَا مِنْ	یہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ جہذا نام میں جو تم نے اور
سُلْطٰنٍ، اِنْ اَحْكَمُوا اِلَّا اللّٰہُ، اَمْرًا اَلَا	تھارے پیش روؤں نے گھڑے ہیں، ہالا کہ خدا
تَعْبُدُوْا اِلَّا اَیَّاهُ، ذٰلِکَ الَّذِیْنَ اَلِیْمٌ	توان کے لئے کوئی سنجیدگی نہیں، اسے مگر ہوتے ہیں کہ
وَلٰکِنْ اَکْثَرُ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔	کہ نام جہاں میں حکومت صرف اس ایک خدا کے لئے
	ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کے لئے جھکنا ہی

(۱۱: ۱۳)

دین اسلام کا یہ دعوات ہے، لیکن اسے دیکھ کر اکثر لوگ میں جڑیں جانتے ہیں

۱۰۰: ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰

جو ہندو لاجہ اس کو کوئی قدم اپنی خواست سے نہیں دیکھ سکتی۔ یقیناً ایک دن آئے گا جبکہ ہندوستان کیساکا انقلاب ہو چکا ہوگا۔ غلامی کی وہ پڑیاں جو اس نے خود اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں، بیسویں صدی کی ہوئے حریت کی تیغ سے کٹ کر گر چکی ہوں گی، اور وہ سب کچھ جو چکے گا جس کا ہونا ضروری ہے غرض کیجئے کہ اس وقت ہندوستان کی ترقی کی ایک تباہ کاری لکھی گئی، تو آپ کو معلوم ہے کہ اس میں سات کربد انسانوں کی نسبت کیا لکھا جائے گا؟ اس میں لکھا جائے گا کہ ایک بخت اور زبوں طالع قوم جو ہمیشہ ملکی ترقی کے لئے روک، ملک کی فلاح کے لئے ایک بد قسمتی، راہ آزادی میں ایک سنگ گراں، ہمارا طبع کا کلونا، دستِ اجانب میں بازیچہ لعب، ہندوستان کی پیشانی پر ایک گہرا زخم، اور گورنمنٹ کے ہاتھ میں ملک کی انگلیوں کو پامال کرنے کے لئے ایک پتھر بن کر رہی۔

اس میں لکھا جائے گا کہ ایک قابلِ رحم مگر سوراٹا ہوا انسانوں کا گٹہ جس کے ہر فرد کو کسی زبردست کام میں نے اپنے نعرے جانور بنا دیا تھا، جو اپنے چلنے والے آفاقی ہاتھ میں اپنی گردن کی رسی دیکھتی تھی، جس میں کوئی انسانی ارادہ کوئی انسانی دماغ کوئی انسانی حرکت، اور کوئی انسانی زندگی کا ثبوت نہ تھا۔ جو نہ اپنے دماغ سے سوچ سکتی تھی نہ اپنی آواز سے بول سکتی تھی۔۔۔

اگر تم کہو کہ تاریخ ہند میں ہمارے لئے بھی شرف و عظمت کا باب ہو گا تو تم خاموش رہو، اور مجھے کہہ دو کہ میں ہے ہندوؤں۔ بیشک ایک باب ہو گا، مگر جلتے ہو کہ اس میں کیا ہو گا، اس میں لکھا ہو گا کہ ہندوستان کی ترقی اور ملکی آزادی کی راہ میں بڑے بڑے ہندوؤں نے اس کے لئے اپنے سب کچھ قربان کر رکھا، مگر سلطانِ فاعوں میں چھپ گئے انھوں نے پکارا مگر انھوں نے اپنے منہ اندھان پر قفل چڑھا لئے، ملک غیر منصفانہ قوانین کا شکار تھا، ہندوؤں نے اس کے لئے جلائے شروع کیا، پر اس قوم مجاہد نے بھی نہیں کیا کہ ہر منہ چپ ہے، بلکہ مجبوراً نہ چنچ اٹھے کہ نامِ کام کرنے والے باغی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے لاٹوٹ۔۔۔ لکھے گا کہ بالآخر وہ سب کچھ ہوا جو ہونا تھا، بیسویں صدی میں کوئی ملک غلام نہیں رہ سکتا تھا اور نہیں رہا۔۔۔ لیکن دنیا بھر کے لگے لگے جو کچھ ہوا اس قوم کی سرفرازی سے ہوا جو مسلم نہ تھی۔۔۔ اہلِ اہل، ۱۳۱۱ء۔ بیشک ہندوستان اپنے دروازے پر بڑے بڑے ناہداروں کو دیکھ چکا ہے، جو اس کے عروج و اقبال کی بھاری دیکھتے تھے، لیکن شاید یہ عمر نہ دیکھ سکیا، کیا اس کے عروج و اقبال کی بھاری دیکھ سکے؟ نہیں بلکہ اب بار بار تل لگتا ہے اس پر قائم کرنے کے لئے آیا تھا جس عمر میں یہ سکندر و تیمور قدم رکھ چکے ہوں وہاں اس تعمیرِ نو کا کیا

ذکر مصحفی

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی۔ یونیورسٹی لائبریری۔ دہلی)

(۶)

مصحفی نے زماں کا یہ مطلع لکھا ہے:

مارض ہے گل کا صاف دیکھن جھلک نہیں
نرگس کی ختم ہے پہ کٹیلی پلک نہیں

لے مصحفی: تذکرہ ہندی/۱۱۔ لیکن قدرت الشعر شوق نے تذکرہ "طبقات الشعراء" (نئی میں لکھا ہے:

"خلیقہ چندا ساکن بلوہ امر وہ، امر وہ است درویش سیرت، مسکین صوبت، خوش اخلاق، شعر فارسی دہندی بطور ہونیانہ می گوید۔ چند ابیات ہز بانئ اور وسیع رسیدہ از دست:

مارض تو گل کے صاف ہیں لیکن جھلک نہیں
نرگس کے ختم ہے پہ کٹیلی پلک نہیں

(طبقات الشعراء، نئی) غزوة کتب خانہ اصفیہ حیدر آباد دکن، بہار دہلہ، ۱۲۴۰ھ۔ فن تذکرہ نمبر ۴۰۔ مکتوبہ درج

شعر / ورق ۲۴۵۔ ب)

زماں کے واسے میں شوق لکھا ہے دہیتہ محمد زماں ساکن بلوہ امر وہ، شاعریست فارسی گو، بیار خوش فکر خوش

گفتگو، گاہے ہنر ہے یک دوزد و رختہ از دھادری شود۔ ہز بانئ... میان فیض علی کہ بہار دہلہ از دست چندا شعرا

نفرۃ وسیع رسیدہ۔ یک مطلع از دہتہ محمدی آید۔

دل تھمے ہوا کریمہ انوں کے پڑا اس میں
اب کیوں نہ پریشان ہو، ہر گلے دہر کے

اگرچہ دریں مطلع دہتہ محمدیان ہر ریخ است (ورق ۲۶۱۔ الف) مآپاچوں محاورہ درست بہتہ ازیں سبب معاف

دانشہ تذکرہ: (طبقات الشعراء، ورق ۲۶۰۔ ب ۱۲۶۱۔ الف) (باقی حاشیہ صفحہ ۷۱ پر)

انی یا امانی

محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں لکھا ہے:

”یشخ مہرہون نے لکھنویں مہد ہا شاگرد کیے، مگر اب تک یہ کسی تذکرے میں ثابت ہوا کہ وہ خود کس کے شاگرد تھے؟“

رہنہ ماضیہ (۲۲) (۱) فانی ہی قیس علی ہیں جنھوں نے بتایا یہ ہم رجب بروز پچنبہ وقت سر پہر سترہ طبعات اشرف کا نام لے کر نقل کیا ہے۔ وہ موقف تذکرے سے اختصا ہی تعلقات رکھتے تھے۔ جو شہر تذکرہ ہندی میں زمان کے نام سے درج ہے وہ طبعات میں جدا سے منسوب کیا گیا ہے اگر وہ زمان ہی کی تصنیف ہوتا تو وہ شوق کو ضرور اس کی طرف توجہ دلاتے۔ میرا خیال ہے کہ شہر پر بحث طرزِ گس کے آگے ہے۔ ان زمان کا نہیں، اس کا مصنف حلیف پیدا ہی ہو سکتا ہے۔ شوق نے اس نوال کا دوسرا شعر بھی لکھا ہے ۵

نسبت نہ دو گہر کو مرے آنسوؤں کے ساتھ ہر خند آبدار ہے، ایسی ڈلک نہیں

(ورق ۲۶۶- الف)

زمان کے دو فارسی شعر، نسبت حضرت علیؑ میں یہاں درج کرنے کے قابل ہیں۔ مولانا محمد عبادت علیؒ اور مولانا کا بیان ہے کہ ان کا مصنف زمان ہے ۵

اے برصاحت، دے بر سخاوت، دے بر شجاعت نام تو افسر
بر سر سبز، بر لب کوثر، بر در خیر، در ہمہ دفتر
از تو بلرز، از تو بلرز، از تو بلرز، از تو بلرز
قصر فریدوں، گنبد گردوں، خیم غلاطوں، ستر سکندر

زمان کے لیے ملاحظہ ہوں: (۱) اسپرنگر: یادگار شہر (اردو ترجمہ از طبع احمد شائع کردہ ہند) ۱

ایڈیٹیو الہ آباد۔ ۱۹۳۳ء / ۱۰۴۔

(۲) قدرت اللہ قاسم: محمود نفیر ترجمہ محمود شیرانی لاہور۔ ۱۹۳۲ء۔ جلد اول / ۲۸۵۔

(۳) شیخہ: گوشت بے خار نو لکھنؤ ۱۹۱۵ء / ۹۳

۵ آزاد آبِ حیات / ۳۱۱۔

اس کے بعد چالیس میں اضافہ کرتے ہیں :

”سرا باغ میں لکھا ہے کہ امانی کے شاگرد تھے“

بعد میں ان کی تقلید کرنے والوں نے ہر جگہ امانی ہی لکھ دیا ہے اور اب یہ غلطی مام ہو چکی ہے حتیٰ کہ مولوی امیر احمد علوی مرحوم نے اس میں اپنی طرف سے ”میر“ کا اضافہ کر کے اُسے خلعتِ سیادت بھی عطا کر دیا اور پھر قیاس آرائی کے جوہر لیں دکھائے ہیں :

تذکرہ سرا باغ میں ہے کہ مہنفی میر امانی کے شاگرد تھے (۱) لیکن یہ روایت بھی باپہ اعتبار سے ساتھ ہے (۲) امانی قلع، ”میر امانی“ نام، خواجہ آغی ثمر نیہ گرو کے فرزند ۱۱۸۱ھ تک رہے۔ اس کے بعد مرشد آباد چلے گئے اور وہیں ۱۱۸۲ھ میں انتقال کیا (۳)۔ مہنفی کم سن میں تحصیل علم کیلئے دلی آ گئے تھے (۴) اس لیے ممکن ہے کہ انھوں نے میر امانی کو دیکھا ہو۔ شاہجاں آباد میں ایک امانی ادب بھی تھے جن کا ایک شعر تینفہ نے گشتِ بے خار میں نقل کیا ہے وہ / مگر ان امانی کا نام تک

لانا کار : مہنفی نمبر ۱۳، ۱۱۸۱ھ میر نے ان کا نام خواجہ برہان الدین اور قلع مامی لکھا ہے ملاحظہ ہو : نکات الشعرا راجستانی ۱/۱۸۰ : تذکرہ مسرت افزا (متمولہ معاصر) میں میر برہان الدین آغی (ص ۲۳) اور دوسری جگہ خواجہ برہان الدین مامی (عامی ۹) درج ہے (ص ۱۳۲)۔ گلزار ابرہیم مرتبہ ڈاکٹر زور (۱۳۲۳/۲۰) میں بھی خواجہ برہان الدین آغی لکھا گیا ہے۔ مولف تذکرہ کو ان کے اشعار ”میر مامی خلیف خواجہ مذکور سے ملے تھے۔ فتح علی حسینی (تذکرہ رنجشہ گویاں ۱۱۰۵) اور محمد قاسم (غزن نکات ۲۶۱) میں مامی ہی لکھتے ہیں۔

شاہ محمد کمال (مجمع الانتخاب ملی) بھی لکھا ہے مگر میر حسن دہلوی (تذکرہ شعرائے اردو ۱۱۴) قلع آغی بننے میں شیعین اورنگ آبادی نے راجستان ۱۳۲۳/۲۴ میر اور گردیزی کی تقلید کی ہے۔ اسپر اگلہ ایک جگہ ذکا مفتی کے حوالے سے ”میر برہان الدین آغی“ لکھا ہے (یاد محمد شعرا ۱۱۳) دوسری جگہ کہتا ہے ”مامی“۔ خواجہ برہان الدین دہلوی نے بہت سے مرتبے کیے اور ۱۱۹۲ھ میں انتقال کیا (قائم و گردیزی)۔ خواجہ عبد اللہ احرار کی سن ۱۱۹۲ھ (مردودہ) مورخین ان کو مامی لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تاریخ خوب لکھتے تھے“ (دہلی ۱۳۸)۔

برہان اتنے مختلف بیانات کی موجودگی میں فیصلہ کرنا بہت دشوار ہوتا ہے کہ ان کا (باقی ماشیہ ۲۵۱)

معلوم نہیں بمعنی نے اپنے تذکرہ شعرا میں کسی آمانی کا نہ حال لکھا نہ کوئی شعر نقل کیا اگر ان سے کچھ فیض پایا ہوتا تو ذکر کرے میں ان کا نام ضرور دے سکتے۔ دلی کے ایک اور شاہ، میرا مانی نام اسد تخلص سے جن کا حذیل شعر دکن (غالب کی طرف ناہمی سے منسوب کیا گیا تو انھوں نے رعایتِ نفعی سے نفرت ظاہر کی۔ درود ہند)

اسد اس جابر تیرہ سے وفا کی مرے شیر شاہ شامت رحمت ہند کی

میرا مانی اسد کچھ کلام بمعنی نے تذکرہ ہندی میں نقل کیا ہے اور ان کو جو ان ظریف مزاج لکھا ہے۔ وہ

معنی کے ہم عمر تھے (۶) اور اس لائق مذہب تھے کہ بمعنی کے ادنیٰ شاگردوں کے بھی استاد ہو سکتے جو نبی

معنی کا کسی استاد سے باقاعدہ اصلاح لینا ثابت نہیں ہوتا۔۔۔

لیکن یہ سارا اقریب اور قیاس باطل ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بمعنی کو ”شاگردِ دیاں مانی“ لکھنے والا پہلا تذکرہ نگار حسن علی حسن (فرزند شاہ حسین حقیقت) مولفِ سراپا سخن ہے اور اس نے بغیر کسی سند یا حوالے کے غالباً کسی سنی سنائی روایت پر بھروسہ کر کے لکھا ہے۔ اگر حسن کا یہ قول درست بھی ہو تو اس نے ”میرا مانی“ یا ”آمانی“ کہیں نہیں لکھا۔ مہرؔ ”بیانِ مانی“ لکھا ہے۔ سراپا سخن میں متعدد مقامات پر بمعنی کا نام آیا ہے اور ہر جگہ ”یاں مانی“ ہی ان کے استاد کا نام بتایا گیا ہے۔ اس پر الف کا اضافہ محمد حسین آزاد کے ”محا طاعلم“ نے کی ہے۔ اس ہجرت میں ملوی صاحب مرحوم کی سند بہر بالا تادیلوں کے قبول کرنے کے لیے معمولی سا تائبہ ہجرا بھی باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ (باقی)

دقیقہ ہاشمہ ص ۱۵۱، تخلص ”مامی“ تھا یا ”اشمی“۔ میر نے یہ مشہور قطعہ ان سے منسوب کیا ہے اور دوسرے تذکرہ نگار ان کی تقلید یا تائید کرتے ہیں۔

میں کے تخت پر جس دن شیر گل کا جھمکتا تھا ہزاروں بلبوں کی فوج تھی اور شور تھا غل غل تھا
خزناں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز ہمار گشتن میں بتایا یا اجناں درود کے یہاں عجز و ہاں گل تھا

(نکات الشعر ۱۱۸)

یہ قطعہ دوسرے تذکرہ میں نفعی اختلافات کے ساتھ ملتا ہے جن کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔

منہ نگار: معنی نمبر (جلد ۲ شمارہ ۱) ۱۳۷۵ ع: سراپا سخن درو کشور۔ ۱۹۶۱/۱۲/۱۲ وغیرہ

اشک

غزل

(جناب الم منظر نگر سی)

پھر دل میں مرے نازہ لگن پیدا ہوئی ہے شاید کہ کوئی بگڑی ہوئی بات ہی ہے
 ہر لمحہ جو سرگشتہ عشرت طلبی ہے واللہ یہاں سب سے زیادہ وہ دکھی ہے
 یہ بیخودی عشق کہاں لے کے گئی ہے اب مجھ کو نہ احساس غمی ہے نہ خوشی ہے
 یہ حسنِ عقیدت ہے کہ یہ بے ادبی ہے ہر برگ گلِ تر کو صبا چوم رہی ہے
 اسے پیرنماں بننے پلانے کی گھڑی ہے ہیں دھند میں افلاک زمیں جھوم رہی ہے
 ہر غمزہ تھا پیغامِ جنوں جس کا ازل میں وہ آنکھ مجھے اب بھی کہیں دیکھ رہی ہے
 اب دور سے ناب میں کیا دیر ہے ساقی پہلے ہی موجود ہر حاجی بھی دھری ہے
 ہر شورشِ طوفان کو جو دیتی ہے سہارا وہ موج ہیں دامنِ ساحل میں چھپی ہے
 یہ راز کھلے گا نہ کبھی اہلِ چین پر شبنم کے ہر آنسو میں کسی گل کی ہنسی ہے
 گلشن بھی نہ محفوظ رہا میری نغاں سے مینا و قفس ہی میں نہیں آگ لگی ہے
 پیہم یہ تڑپے کا سبب وقتِ شہادت پیکاں نہیں دل کی مرے پکائی ہوئی ہے
 اے انجمنِ عیش کے آرام پرستو! بے گور و کفن میت پر وہ نہ پڑی ہے

تبلیغِ حقیقت ہے الم تیرے بیاں میں

ہر شعر ترا اہلِ پینا مہری ہے

تبصرے

دین و شریعت۔ از:- مولانا محمد منظور نعمانی۔ تقطیع خورد۔ ضخامت ۲۸۸ صفحات۔ کتابت و طباعت بہتر قیمت جلد تین روپیہ۔ پتہ: کتب خانہ الفرقان پکھری روڈ۔ لکھنؤ۔

یہ کتاب دراصل ان چھ تقریروں کا مجموعہ ہے جو ناظم مہضف نے لکھنؤ کے بعض دینی اجتماعات میں سلسلہ کی ہیں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ان تقریروں میں کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مختلف شعبوں پر عام فہم انداز بیان اور سلیس زبان میں گفتگو کی جائے۔ چنانچہ دین و شریعت کی بنیادینی عقیدہ اور عمل کو متعین کرنے کے لئے پہلے توحید و عقیدہ آخرت اور رسالت اور ان سے متعلقہ کلامی مباحث پر پھر نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج پر گفتگو کی ہے اس کے بعد اخلاق، سیاست و حکومت، معاملات و معاشرت۔ اور احسان و تقویٰ پر کلام کیلئے۔ اس طرح یہ کتاب اگرچہ قیامت بہتر ہے لیکن اس اعتبار سے اس کے بقیت بہتر ہونے میں شبہ نہیں ہے کہ اردو زبان کی متوسط استعداد رکھنے والا بھی اس کے ذریعہ دین و شریعت کی اہم اور بنیادی تعلیمات سے مع ان کی تشریحات و توضیحات اور دلائل و براہین کے واقف ہو جائے۔ ناظم مہضف نے کوشش کی ہے کہ ہر عنوان بحث کے مختلف پہلو اس طرح سامنے آجائیں کہ اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق اہل اہل مکہ صاف اور واضح شکل میں سامنے آجائے اور اس پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کا بھی رد ہو جائے۔ اس لئے یہ کتاب عوام کے علاوہ طلباء کے بھی مطالعہ کے لائق ہے۔

۱۸۵۶ء کی دلی۔ از جناب مہیشور دیال صاحب:- تقطیع خورد۔ ضخامت ۱۰، صفحات۔ کتابت و طباعت اعلیٰ۔ قیمت جلد تین روپیہ۔ پتہ:- دفتر رسالہ سپریم ہدی دہلی۔

۱۸۵۶ء میں دلی والوں پر کیا چٹا گزری۔ ایٹ انڈیا کینی کے خلاف جو طوفان اٹھا۔ اس کے بابت کیا تھے؟ اور ان اسباب کی وجہ سے ہندو اور مسلمان۔ عالم اور جاہل۔ عوام اور خواص ان سب کے

دلوں میں انگریزوں کے خلاف جوش اور دلولہ اور منلیہ سلطنت کی آخری بادشاہ شاہ ظفر کے ساتھ ان کی والہانہ محبت اور عقیدت کا کیا عالم تھا؟ اس کتاب میں ڈرامہ کی شکل میں ان سب چیزوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملک کے مشہور فاضل اور ادیب ڈاکٹر ساراجند جنھوں نے اس کتاب کا پیش لفظ لکھا ہے ان بقول اس ڈرامہ کی یہ ایک خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اگرچہ اس کا پس منظر لال قلعہ ہے لیکن اس کے تمام کردار دلی کے شہری ہیں اور اس میں عوام کی ہذبائی کیفیتوں کا مظاہرہ ہے۔ ڈرامہ فن کی حیثیت سے جیسا کچھ بھی ہے اس کا فیصلہ تو ارباب فن ہی کر سکتے ہیں لیکن زبانِ خالص دلی کی نگالی زبان ہے جس کے سننے کو اب کان ترستے ہیں اور کیوں نہ ہو جب کہ فاضل مصنف دلی کے ایک دیرینہ اور معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور اس لئے قدیم دلی کی تہذیبی روایات اور سانی خصوصیات ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہیں اس زبان کو بولنے اور لکھنے والے نوکیلا اب اس کو پورے طور پر سمجھنے اور اس سے مزہ لینے والے بھی ممتا ہوتے ہمارے ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس دور میں جناب ہمشہور دیال صاحب جیسے فوجی اس زبان کا چراغ روشن کئے بیٹھیں۔ امید ہے کہ وہ اپنی کاروباری مصروفیتوں کے باوجود اپنی اس پیاری اور سیلی زبان کی خدمت کے لئے بھی وقت نکالتے رہیں گے۔ اردو کے تمام اربابِ ذوق کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اردو نشر کار نیخی سفرد۔ از جناب محمد زبیر صاحب۔ لاہوری اسٹنٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

تعلیق خورد و حکامت ۹۶ صفحات۔ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۷/- تہہ ۱۔ ۱ بچہ کیشل

بک ہاؤس۔ سول لائن۔ حامد بلڈنگ۔ علی گڑھ۔

جناب محمد زبیر صاحب نے کم دیش تین برس پہلے ایک مضمون ”اردو نثر کی چھ سو سالہ تاریخ ایک نظر“ کے عنوان سے لکھا تھا جو اس وقت بہت مقبول ہوا تھا۔ اب اسی مضمون کو مزید اضافوں کے ساتھ زیر تبصرہ کتاب کی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ اس میں پہلے اردو زبان کا آغاز کیونکر ہوا؟ اس پر گفتگو کی ہے اور پھر مسیحا مہدی تک مہر بعد اردو نثر نے جو ترقی کی ہے اور ہر جہد میں اردو کے جو نامور اربابِ شریعت اچھوتے ہیں ان کا اور ان کی مشہور تصنیفات اوسان کی خصوصیات کا سنہ و اذکرہ کیلئے اس طرح یہ کتاب اردو زبان و ادب کے

باب ملوں کے لئے ایک ہینڈ بک کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ان کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔
زبان و بیان :- از جناب ڈاٹھاری، قلیع خورد، ضخامت ۲۹۹ صفحات، کتابت و طباعت بہتر قیمت
 جلد تین روپیہ پچترہ پیسے، تہ :- آزاد کتاب گھر، کلاں محل دہلی۔

جناب ڈاٹھاری اردو کے مشہور ادیب اور نقاد ہیں ہندوپاک کے ادبی رسالوں میں ان کے منہا میں
 نکلے رہتے ہیں اور دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ان کے آٹھ منہا میں کا مجموعہ ہے جن میں شعور و ادب کے
 مختلف مسائل پر تنقیدی اور سرگئی گفتگو کی گئی ہے۔ اگرچہ موصوف کی ہر رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا لیکن
 اس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ لکھا ہے کافی مطالعہ اور غور و خوض کے بعد بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ لکھا ہے۔ ان مقالات
 معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی ادب کے ساتھ ان کا مغربی لٹریچر کا مطالعہ بھی وسیع ہے لیکن وہ مغربی ادب کے اتنے مغرب نہیں
 ہیں کہ مشرق کی دیرینہ ادبی روایات سے نفرت یا ان کی تحقیر کرنے لگیں۔ چنانچہ اس مجموعہ کے دو مقالات اکبر الہ آبادی
 اور غزل باقی رہے گی، اس بات کی روشن دلیل ہیں۔ یہ صحیح تنقید کے لئے جس ذرت نگاہی اور اس کے ساتھ واضح
 انداز بیان کی ضرورت ہے ڈاٹھاری صاحب میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ امید ہے کہ ان کے منہا میں کا یہ بلا
 مجموعہ ادبی حلقوں میں دلچسپی اور شوق سے پڑھا جائے گا۔

نکبت و نغمہ :- از جناب ناظر بخشی صاحب، ایڈیٹر روزنامہ اخوت کلکتہ۔ قلیع خورد، ضخامت ۴۴ صفحات۔

کتابت و طباعت بہتر قیمت مہ :- تہ :- اردو ایکڈمی، ۲۰ کیلاں بنگان لین کلکتہ - ۱۶

جناب ناظر بخشی اردو زبان کے نوجوان صحافی ہونے کے ساتھ بڑے خوش گو، پر گو اور شیوہ بیان شاعر ہیں۔ اگر
 حضرت دشت مرحوم کے شاگرد ہیں لیکن شوق و مہارت اور طبعی ذوق و صلاحیت کے باعث انھوں نے اپنے رنگ میں انفراد
 پیدا کی ہے حضرت دشت ہر فن نزل کے شاعر گرامی مرتبت تھے لیکن ناظر صاحب غزل اور نظم دونوں کے شاعر ہیں اور
 مزاج و جھجکاؤ کشتی کے بقول بخود بلند پایہ شاعر اور استاد فن ہیں ناظر صاحب کی غزلوں میں نظم کا اور نظموں میں غزل کا لطف
 حاصل ہوتا ہے اور ایک شاعر کی انفرادیت کیلئے یہی وصف کافی ہے۔ اس مجموعہ میں موصوف کی چند غزلیں اور چند رباعی
 تو نہیں شامل ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں۔ مگر انہوں پر کہ اسی بھی غزلیں اور نظمیں اور ان کی اشاعت میں زبردست
 کے ساتھ اگرچہ جن جن میں کثیف میں کسی باہمت پبلشر کو ادھر تو یہ کرنی چاہیے۔ (رس)

تاریخ اسلام مکمل کو ریں

تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ جو تاریخِ ملت کے نام سے مشہور ہے اور مقبول عوام و خواص پر چکا ہے۔ مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے۔ زبان کی سلاست، ترتیب کی دل نشینی اور جامعیت اس کی ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپ کو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملیں گی۔ خلفاء اور سلاطین کی شخصی زندگی کے سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد تاریخ اسلام کے تمام ضروری اور مستند حالات سامنے آجاتے ہیں۔

اسکولوں اور کالجوں کے نعصاب میں داخل ہونے کے لائق کتاب

جلد ہفتم	خلافت عباسیہ و عظمیٰ پانچویں بارہ تہ
جلد ہفتم	تاریخ مصر تین بیسے چا آئے
جلد ہفتم	خلافت عثمانیہ تین بیسے چار آئے
جلد ہفتم	تاریخ صقلیہ ایک دویسہ بارہ تہ
جلد ہفتم	سلاطین ہند تین بیسے آٹھ آئے
جلد ہفتم	سلاطین ہند دوم تین بیسے آٹھ آئے

قیمت تکمل سیٹ غیر مجلہ اکتیس روپے آٹھ آنے مجلہ چونتیس روپے

مکتبہ برہان جامعہ مجدیہ ۶



برہان

المصنفین دہلی کا علمی مذہبی اور ادبی ماہنامہ

”برہان“ کا شمار اول درجے کے علمی مذہبی اور ادبی رسالوں میں ہوتا ہے اس کے نگاشتے میں نفیس اور بہترین مضمونوں کے پھول بڑے سلیقے سے سجائے جاتے ہیں۔ نو نہالان قوم کی ذہنی تربیت کا قالب درست کرنے میں ”برہان“ کی قلم کاریوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس کے مقالات سنجیدگی، متانت اور زور قلم کا جواب نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر آپ مذہب و تازنہ کی فہریم حقیقتوں کو علم و تحقیق کی جدید روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے برہان کے مطالعے کی سفارش کرتے ہیں، یہ علمی اور تحقیقی ماہنامہ اکیس سال سے پابندی وقت کے ساتھ اس طرح شائع ہوتا ہے کہ آج تک ایک دن کی تاخیر نہیں ہوئی۔

”برہان“ کے مطالعہ سے آپ کو ”مدوۃ المصنفین“ اور اُس کی مطبوعات کی تفصیل بھی معلوم ہوتی رہے گی، آپ اگر اس ادارے کے حلقہ معاونین میں شامل ہو جائیں گے تو برہان کے علاوہ اُس کی مطبوعات بھی آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔

صرف برہان کی سالانہ قیمت چھ روپے - دوسرے ملکوں سے گیارہ شلنگ
حلقہ معاونین کی کم سے کم سالانہ فیس تیس روپے
مزید تفصیل دفتر سے معلوم کیجئے

برہان آفس اردو بازار جامع مسجد دہلی

حکیم موسیٰ محمد ظفر احمد پٹروا پبلشر نے، الجمعۃ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر برہان دہلی سے شائع کیا۔

برکات

مکمل لغت القرآن

(بہار جلدوں میں)

قرآن کریم کے الفاظ کی شرح اور اس کے معانی و مطالبہ کی حل کرنے اور
مجھے کے لئے اردو میں اس سے بہتر اور جامع کوئی لغت آج تک شائع
نہیں ہوئی۔ اس علم الشان کتاب میں الفاظ قرآن کی مکمل اور بول پیر شرح کے
ساتھ تمام متعلقہ چیزوں کی تفصیل بھی ہے۔ ایک گمراہ اس کتاب کو جو محکمہ
قرآن مجید کا بہترین درس ہے سکتا ہے اور ایک عام اردو خواں اس کے مطالعہ
سے نہ صرف قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی طرح کر سکتا ہے بلکہ اس کے معانی میں
کو بھی بخوبی گہر کر سکتا ہے اور اپنی علم و تحقیق کے لئے اس کے علمی مباحث کا بھی
مطالعہ جس "لغات قرآن" کے ساتھ الفاظ قرآن کی مکمل اور آسان
فہرست بھی دی گئی ہے جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام لفظوں کے جوڑے پڑی
سہولت سے نکالے جاسکتے ہیں۔ مکمل لغات قرآن اپنے انداز کی وجہ سے
کتاب ہے جس کے بعد اس موضوع پر کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جلد اول	صفحات ۳۷۳	پڑی تھیں	فہرست جاری رہے آٹھ آنے
جلد دوم	۳۳۶	فہرست جاری رہے آٹھ آنے	فہرست جاری رہے آٹھ آنے
جلد سوم	۳۳۲	فہرست جاری رہے آٹھ آنے	فہرست جاری رہے آٹھ آنے
جلد چہارم	۳۸۶	فہرست جاری رہے آٹھ آنے	فہرست جاری رہے آٹھ آنے
جلد پنجم	۵۰۰	فہرست جاری رہے آٹھ آنے	فہرست جاری رہے آٹھ آنے
جلد ششم	۳۲۳	فہرست جاری رہے آٹھ آنے	فہرست جاری رہے آٹھ آنے

(دوسری کتاب بھی ملاحظہ فرمائیے)

کتابہ برہان اردو بازار جامع مسجد دیوبند

برہان

جلد ۳۳ نومبر ۱۹۵۹ء مطابق جماد الاول ۱۳۷۹ء شمارہ ۵

فہرست مضامین

۲۵۸	سید احمد اکبر آبادی	نظرات
۲۶۱	جناب ڈاکٹر میرولی الدین صاحب دہا مستغانیہ	حقیقت نفس
	جناب شبیر احمد خاں صاحب عموری ایم۔ اے۔ ایل	زبانی علوم کا مسلمانوں میں دائرہ
۲۷۴	ایل۔ بی۔ بی۔ ٹی۔ ایک رجسٹرڈ امتحانات عربی و اسلامیات	
	دنداری اتر پردیش	
۲۹۶	مولانا محمد تقی صاحب ایمنی صدر مدرس دارالعلوم	فقہی احکام میں معیض و مہولہ کے چند اسباب
	میں نے اجیر شریف	
۳۰۹	جناب شاعر احمد صاحب فاروقی دہلی پونیوٹری	ذکر معنی
	لابریری دہلی	
۳۱۳	جناب الم منظر نگری	ادبیات - غزل
۳۱۴	جناب فضا بن فیضی	بریں نظری
۳۱۴	جناب سعادت نظیر ایم۔ اے۔	غزل
۳۱۵	جناب رحمتا جی	نکلت
۳۱۶-۳۱۷	جناب ڈاکٹر میرولی الدین صاحب - و (س)	تہمہ

نظرات

آج کل خلافت یزید و معاویہ نامی کتاب گھر گھر موجود بحث و گفتگو بنی ہوئی ہے اور ملک میں متعدد مقامات پر اس سلسلہ میں اجتماعی مظاہرے بھی ہو چکے ہیں یہ کتاب دفتر برہان میں وصول نہیں ہوئی اور ہم نے اس کا مطالعہ کیا ہے بس ابھی چار پانچ دن ہوئے اُس کو ادھر ادھر سے الٹ پلٹ کر صرف سرسری طور پر دیکھنے کا موقع ملا ہے اس لئے ظاہر ہے کتاب کی علمی حیثیت پر تو کوئی تبصرہ کیا نہیں جاسکتا۔ البتہ مسلمانوں جو یہ جان ہے اُس کے پیش نظر چند امور کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔

(۱) اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمؐ محبت تھی اور آپؐ نے ان دونوں شہزادوں کو گود میں اٹھا کر دعا کی تھی کہ اے اللہ! تو اس سے محبت کر جو انؑ کرتا ہے اور ان سے نفی رکھ جو ان سے نفی رکھتا ہے پھر حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کو سب چیزوں سے زیادہ محبوب نہیں ہوں گا۔ اور یہ مسلم ہے محبوب کا محبوب خود اپنا محبوب ہوتا ہے اس بنا پر ان دونوں کی شایاں اہل الجنت سے محبت کرنا میں ایمان اسلام کا مقتضا ہے۔

نہضتہ بنو ہاشم بنو عبدالمطلب

(۲) لیکن کہ بلا میں جو واقعہ پیش آیا۔ اس کی اہل نوعیت کیا تھی؟ وہ کیونکر پیش آیا؟ اور واقعہ کے متعلق میں سے ہر شخص نے اُس میں کیا رول ادا کیا؟ واقعہ کے داخلی اور خارجی اسباب کیا تھے؟ اس کا جواب ملے گا اور ان کا جواب صرف تاریخ ہی دے سکتی ہے۔ ہم کسی واقعہ کو سنکر اس کے اشخاص متعلقہ کی تائید اور رائے قائم کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ہمارے دل میں مختلف اشخاص و افراد کے متعلق جو جذبات و ہمدردی پیدا ہوتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ہم کو واقعہ کی جو صورت و نوعیت معلوم ہو جائے۔

مطلبی طور پر یہ ہو سکتا تھا۔ اب اگر فرض کیجئے کسی اور ذریعہ سے واقعہ کی کسی اور صورت کا علم ہو تب بھی تو ظاہر ہے پہلے ہم کو جو ثبات ہوا تھا وہ بدل جائے گا اور اب ہم کو اپنی پہلی رائے پر نظر ثانی کرنی ہوگی لیکن یہ ہر کچھ چھوڑ کر علمی محض اثر ہو گا۔ اس صورت میں مفقویت پسندی اور علمی رواداری کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ یا تو واقعہ دوسری شکل و صورت اور اس کی مخصوص نوعیت کی صحت کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل و براہین پیش کئے گئے ہیں ان کی رکاکت اور کمزوری ثابت کی جائے۔ اور یا اگر دلائل قوی ہوں تو ان کو تسلیم کر لیا جائے۔ یہ واقعہ کی اصل صورت کی نسبت جو خیال پہلے سے قائم تھا اس پر نظر ثانی کی جائے۔ ان دونوں راہوں کو ہرگز بغض اس بات پر ہنگامہ آرائی کرنا اور شور مچانا کہ ایک شخص واقعہ کی صورت وہ نہیں مانتا جس کو ہم پہلے مانتے چلے آئے تھے انصاف سے بعید ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ ہم خیر انخاص کی نسبت پہلے سے بہ رائے قائم کر لیتے ہیں اور پھر پورے واقعہ کو اُسی کے قالب میں ڈھال لیتے ہیں حالانکہ رائے واقعہ سے پیدا ہوتی ہے واقعہ رائے سے پیدا نہیں ہوتا۔ اعتقاد کا سرچشمہ تاریخ ہے۔ تاریخ اعتقاد سے نہیں بنتی۔ اس بنا پر ہونا یہ چاہئے تھا کہ زیر بحث کتاب میں واقعہ کو بلا کی جو نوعیت بیان کی گئی ہے علمی طور پر اس کا جائزہ لیا جاتا اور اگر وہ غلط ہے تو اس کے لئے جو دلائل و براہین پیش کئے گئے ہیں ان کی نکتہ کا پردہ چاک کیا جاتا۔ یہ ایک خالص تاریخی بحث ہے اور اس کو اسی طرح طے ہونا چاہیے۔

بہارِ تاریخ و جغرافیہ، ج ۱، ص ۱۰۰

(۳) ایک صاحب نظر جانتا ہے کہ واقعہ کو بلا سے متعلق جو روایات تاریخ کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں یا عام طور پر متداول ہیں ان میں افسانہ اور حقیقت کی آمیزش کس درجہ ہے اور جرح و تنقید کے بعد ان میں صحیح و سقم کا امتیاز کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ اس بنا پر اس میں شک نہیں کہ صرف یہ ایک اندہ نہیں بلکہ اس عہد کی پوری تاریخ پر ہی ریسرچ کے لئے میدان بڑا وسیع ہے۔ لیکن ایک مسلمان فقیر جو خاص واقعہ کو بلا پر دستِ تحقیق دینا چاہتا ہے اس کو سب سے پہلے اپنے ضمیر کے گریبان میں مہذبِ ڈال کے فیصلہ کرنا چاہیے کہ کسی کی صدیا پر فاش کے باعث اس کی کاوش کے پس منظر میں تریب کا جذبہ حمایتِ ہمدردی تو نہیں ہے اگر واقعی ایسا ہے تو پھر اسے معلوم ہونا چاہئے کہ داستانِ ادا نہ سیدنا

امام حسینؑ کی شان میں ایک لفظ بھی گستاخی یا بے ادبی کا نخل گیا تو اس کے لئے آخرت کی رسوائی کا سبب ہو سکتا ہے۔ ریسرچ بڑی اچھی چیز ہے لیکن آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ حضورؐ نے صاف ممانعت کر دی ہے کہ میرے والدین کے متعلق گفتگو نہ کرو۔

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب

(۴) جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہم نے کتاب بہت رد و ردی میں سرسری طور پر دیکھی ہے تاہم ہمارا تاثر یہ ہے کہ مصنف کا انداز فکر اور انداز تحریر دونوں جارحانہ ہیں۔ نبو امیت کے دور حکومت کو اسلام کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک عہد کہنا۔ حضرت امیر معاویہ اور یزید کی حکومت کو جمہور پرستی کے مسلک کے خلاف خلافت کہنا۔ یزید کے درج و تقویٰ کا دعویٰ کرنا۔ حدیث الملائکہ عضو پر کلام کرنا۔ یہ سب چیزیں اس بات کی غمازی کر رہی ہیں کہ مصنف کسی خاص داخلی تحریک کے زیر اثر پہلے سے ایک خاص خیال قائم کر چکا ہے اور پھر اس کی تائید کے لئے مواد تلاش کر رہا ہے۔ یعنی اس نے تحقیق کے میدان میں قدم بالکل غیر جانبدار (UNBIASED) ہو کر نہیں رکھا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے بین السطور میں مصنف کے ذہن کی جو جھلکیاں نظر آتی ہیں ان کا ہی یہ اثر ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ایک صاحب نے عربی زبان میں یزید کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر برہان میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے جس میں یزید کو امیر المومنین سے خطاب کر کے اس کو دنیا کا سب سے بڑا مظلوم انسان کہا گیا ہے حالانکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ امام عالی مقام کی شہادت برحق مگر یزید کے بارہیں کف لسان کیا جلتے۔ کیونکہ اب اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ لیکن اس کی مدح کرنا تو حد درجہ دلیری اور میاکی ہے۔

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب

حقیقتِ نفس

اور:

جانبِ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب۔ (جامعہ عثمانیہ)

باسن بودی منت نمی دانستم یاسن بودی منت نمی دانستم
چوں من ندوم از میان ترا دانستم تاسن بودم منت نمی دانستم
ذیفن کاشانی

انا من اھوی ومن اھوی انا لیس فی المرآۃ شئی غیرنا
لا انا دیۃ ولا اذکرہا ان ذکری وندائی یا انا

شیخ ابو محمد الدین کرمانی

نفس کی حقیقت کو سمجھنا ہو تو خلق کا تعلق حق سے جدا کرنا ضروری ہے۔ جبکہ رابطہ رب سے بندہ کا تعلق خدا سے سمجھنا ضروری ہے۔ اس رابطہ و تعلق کی توضیح تفصیل کے ساتھ ہم نے قرآن اور تصوف لٹریچر کی ہے۔ یہاں حقیقتِ نفس کو واضح کرنے کے لئے اجمالاً اس کو پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اس پر نظر رہے اور مسئلہ کامل سمجھ میں آجائے۔
وجود حقیقی حق تعالیٰ ہی کا ہے ع

موجود بحق واحد اول باشد

وہ قائم بالذات ہیں اور مشہور بالذات وہ ازل سے علیم بھی ہیں۔ ہفت علم سے متصف ہیں۔ صفتِ علم ذاتِ حق میں ع

ماوداں ہست بود و خواہد بود

لہ قرآن و تصوف، مطبوعہ دارالمتین دہلی ۱۹۵۶ء

اب ظاہر ہے کہ علم غیر معلومات کے ممکن نہیں۔ کیونکہ عالم کو کسی معلوم ہی کا علم ہو سکتا ہے اور معلوم ہی کو جاننے کی وجہ سے وہ عالم کہلاتا ہے۔ لہذا حق تعالیٰ کے ان تین اعتبارات عالم، علم، معلوم میں ابتدا ہی سے تیز عالم کی جا سکتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ معلومات الہیہ کیا ہیں؟ حق تعالیٰ ازل سے عالم ہیں تو کس چیز کے عالم ہیں؟

معلومات الہیہ ذواتِ اشیا یا حقائقِ ممکنات کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا اپنی چیزیں ہیں سب ان کی مخلوق ہیں اللہ خالق کل شئی سے قرآن اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ مخلوقات کو وہ جان کر پیدا کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ پیدا کر کے جانتے ہوں ورنہ تخلیق کے قبل جہل لازم آئے گا، جو ان کی شان کے منافی ہے۔ الا یعلم من خلق وهو اللطیف الخفیہ رب ۲۹۔ ع ۱ سے قرآن اس جہل کی تردید کر رہا ہے اور ظاہر کر دیتا ہے کہ کبریا ثابت کر رہا ہے کہ ہوا الخلاق العظیم رب ۲۳ ع ۲ مخلوقات کو وہ جس طرح جان کر پیدا کرتے ہیں اس طرح تخلیق کے بعد بھی وہ حق تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہیں، ان کو معلوم ہوتی ہیں۔ ہر ایک شئی علیم رب ۱ ع ۱۲ سے قرآن اس چیز کو واضح کر رہا ہے۔ لہذا تمام اشیا حق تعالیٰ کے ”معلومات“ ہیں۔ ان کی ماہیت ہی معلوم ہونا ہے یہ ازل سے علم الہی میں ثابت اور ان کی ذات پر عارض یا ان کی ذات میں مندرج ہیں۔

مخلوقات کو جو ازل سے حق تعالیٰ کے علم میں ہیں بالفاظِ دیگر جو ازل سے معلوماتِ حق میں اور انیسائے مخلوق کی ذوات یا حقائق ہیں جن کے مطابق اشیا کی تخلیق ہوتی ہے ہونیدہ کرام نے ”ایمانِ ثابتہ“ سے تعبیر کیا ہے ”ظہورِ علیہ“ بھی کہلاتے ہیں۔ یہ علم الہی کے تعینات ہیں۔ ان کو ”اعداد“ یا ”معدوماتِ حق“ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ محض علم حق کی صورتیں ہیں۔ خارج میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔ خارجی وجود کے لحاظ سے گویا معدوم ہیں۔ ان کو محض وجودِ علمی یا نسبتِ ثبوتی ماحصل ہے ان ہی کے مطابق خارج میں تخلیق ہوتی ہے خود یہ حق تعالیٰ کے علم میں ثابت ہیں ان کو کبھی وجود خارجی نہیں ہوتا۔ اسی لئے ”سبح اکبر“ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ ”الاعیان الثابتہ ما ثبتت بسا ائحتہ الوجود اصلاً“ انھوں نے وجود کی بوجہ نہیں سوچھی۔ انھیں فنا نہیں، کیونکہ ان کا فنا ہونا علم حق کا فنا ہونا ہے۔ ازل میں ہوا

مخلوق و ملامت کی اصطلاح میں ان کو ”ماہیات“ اشیاء کہا جاتا ہے۔ معزز کے یہاں ان کے لئے ”شأن“ اصطلاح ہے اور مکملین نے انہیں ”مردوم معلوم“ سے یاد کیا ہے۔

ایمانِ ثابہ میں سے ہر مین کا ایک اقتضائے ذاتی ہو رہے جس کو استعدادِ قابلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مین کی گویا ماہیت یا فطرت یا خصوصیتِ خاصہ یا لازمہ ذاتی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے ایمان سے میسر کیا جاسکتا ہے۔

ہر مین اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے ایک متین صورت ہے، اس تین و تیز کی وجہ سے اس کے خاص اقتضات و قابلیت ہیں جو بعینہ کسی دوسرے مین کے نہیں ہو سکتے۔ ہر مین اس معنی میں ایک تعین ذاتی رکھتا ہے، پس سے ایک باریک نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ علم الہی میں شروع سے ایک طرح کی تعین پائی جاتی ہے، فہم قدر، اس تعین کو ابتدا میں نہ مین تو خارجی کائنات میں اشیاء کی تعین کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔

مین کی اس قابلیت و اقتضار کو قرآن کی زبان میں ”شاکلہ“ کہا گیا ہے: قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَأْنِهِ (دپ ۱۵۔ ۱۶) یعنی ہر شے اپنی ذاتی قابلیت یا اقتضار کے مطابق عمل کرتی ہے اور اس کی اس قابلیت و وسعت سے زیادہ اس پر بار بھی نہیں ڈالا جاتا۔ لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَعْسًا أَلَا تَتَذَكَّرُ (دپ ۳۰)۔

ایمانِ ثابہ یا ذاتِ خلق غیر مخلوق، یا غیر محمول ہیں، اور ان کے اقتضات و شکلات بھی، جو ان کے لازم ذاتیہ میں غیر مخلوق و غیر محمول ہیں۔ ایمان کے غیر مخلوق ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی علم کی ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ کا علم ازلی اور غیر مخلوق ہے۔ اس لئے ایمان بھی لازماً غیر مخلوق اور ازلی ہوں گے۔ اور یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ ایمان کا وجود خارجی نہیں، وہ محض ثبوتِ علمی رکھتے ہیں، یعنی علم حق جس کو وجود خارجی نہ ہو وہ محمول یا مخلوق کیسے کہلایا جاسکتا ہے۔ اس دلیل کو مولانا جامی نے اس طرح ادا فرمایا ہے۔

ایمانِ یحییٰ میں ناکردہ نزول ہوتا کہ بود بچیں ہاں عمل محمول

جہں جہں بودا فاضلہ نور وجود توصیف مردم بآن بنائند معقول

ایمان ثابتہ یا مہوَر علیہ یا ذواتِ خلق ذاتِ حق (یا علمِ حق) میں مندرج ہیں لہذا ان میں سے
حیث اللہ درجِ عُینیت پائی جاتی ہے۔ من الازل الی الابد لیکن یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیے کہ ذاتِ
حق اور ذواتِ خلق میں اس حیثِ الذاتِ غیریت ہے، من الازل الی الابد اس لئے کہ ذاتِ خلق میں ہوت
ہے یہ تعین و تخیّر، عدد و مقدار رکھتی ہے اور ذاتِ حق بے ہوت ہے۔ غیر متعّد ہے۔ مطلق ہے۔ ہوت
کے تمام لوازم سے منزّہ ہے۔ ذاتِ خلق وجود ذاتی نہیں رکھتی۔ علمِ حق میں ثابت ہے۔ معدوم انہائی ہے۔
ذاتِ حق وجود ذاتی رکھتی ہے۔ ہر میت سے منزّہ ہے۔ ذاتِ خلق صفاتِ عدیمہ سے موهوف ہے، ہوت
جہں۔ اضطراب۔ عجز۔ کم۔ کمی سے متصف ہے اور ذاتِ حق صفاتِ وجودیہ سے موهوف ہے یعنی جہاں
علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سماعت۔ بصارت کلام سے متصف ہے ذاتِ خلق قابلیتِ امکانیہ و فعلیہ رکھتی
ہے فعل نہیں۔ ذاتِ حق۔ ذاتِ خلق کے قابلیتِ امکانیہ سے منزّہ ہے۔ کیونکہ اس میں فعل ذاتی ہے
وہ فعل حقیقی ہے۔

مختصر یہ کہ ذاتِ حق موجود اور ذواتِ خلق معدوم رہے مردم انہائی اُن لہذا ان دونوں میں سے حیثِ لُزّات
غیریت پائی جاتی ہے اور من حیث الوجود عُینیت حقیقی کیونکہ وجودِ حق میں وجودِ خلق ہے یعنی وجود
واحد بصورتِ ایمانِ خلق موجود و ظاہر ہے اس کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے۔
ایمان ثابتہ یا مہوَر علیہ حق یا ذواتِ خلق کی حقیقت کو اس طرح واضح طور پر سمجھ لینے کے بعد با تخلیق کا
راز آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔ ع

ہش وار کہ راہِ وجودِ بنجو دگم نکنی

سوال یہ ہے کہ ذواتِ اشیاء جو معلوماتِ حق ہیں، مہوَر علیہ حق ہیں، جو از قبیلِ اعراض ہیں؛ البتہ علمائے ثابت
ہیں ان کا نمود وجود خارجی میں کس طرح ہوا؟ کن میكون؟ کار از کیا ہے؟
ذواتِ اشیاء یا مہوَر علیہ کے نمود خارجی کے متعلق تین احتمالات ہو سکتے ہیں۔

۱۔ انہوں نے قرآنی سے اس کی تائید کے لئے دیکھو قرآن اور تعریف بابِ قرب و معیت۔

(۱) مہرِ علیہ کا نمودار بھی بغیر کسی ذات مقوم یا معروض کے ہو گیا یہ احتمال قطعاً محال ہے۔ کیونکہ مہرِ علیہ اعراض میں اور بغیر وجود (معروض) کے اعراض کا ظاہر ہونا ناقابلِ تصور ہے۔ قبل تخلیق وہ عارضِ ذاتِ حق تھے۔ بعد از خلق بھی بغیر کسی معروض کے ان کا نمودار نہیں ہو سکتا۔ ہذا مہرِ الظاہر۔

(۲) مہرِ علیہ کسی ذات مقوم یا معروض کے اعراض میں لیکن یہ معروض (وجود) غیر ذاتِ حق ہے۔ یہ احتمال بھی باطل ہے کیونکہ وجود صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

ع الا کل شی ما خلا اللہ باطل!

(۳) مہرِ علیہ کس ذات مقوم یا معروض کے اعراض میں اور یہ معروض وجودِ مطلق ہے جو غیر ذاتِ حق نہیں۔ یہی ذاتِ مقوم مہرِ علیہ کی معروض ہے جس سے ان کی نماندگی ہو رہی ہے۔ یہی گویا ان کی حقیقت ہولاتی ہے جس پر یہ عارض ہیں۔ یہی مفہوم اس آیت کریمہ سے تعبیر ہو رہا ہے: خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ رپ ۱۳ ع ۴۴ کیونکہ تعالیٰ حق کی صفت واقع ہوئی ہے اور لغت واجب الوجود کا نام حق ہے۔ آیت کریمہ تَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَيُّ رپ ۱۲ ع ۱۰ پر بھی اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ایک اور جگہ بطور حصر ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْنَا لَهَا إِلَّا بِحَقِّهِ اسی طرح ایک اور جگہ مومنوں کو خاص طور پر علم عطا کیا جا رہا ہے: خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ رپ ۲۰ ع ۱۱ اہل علم سے خطاب فرمایا گیا ہے: مَا خَلَقَ اللَّهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يَفْهَمُ الْاٰيَاتِ يَقُوْمُ يَعْلَمُوْنَ رپ ۱۱ ع ۶۸

لہذا دُشمرِ مادی وجودِ مطلق کا نام ہی حق ہے۔ حق ہی حقیقتِ ہولاتی کا مادہ ہے۔ باعتبار استعناقِ حق و حقیقت کا مادہ بھی ایک ہے۔ ساری مہرِ علیہ یا ذواتِ اشیاء بالحق ظاہر ہیں لہذا تخلیق و تکوینِ عالم میں ذاتِ حق وجودِ حق ہی کار فرما ہے۔ یہی سرِ مہرِ الظاہر ہے جس کی تفسیر اِنَّ اللہَ هُوَ الْحَيُّ الْقَیُّوْمُ سے ہوتی ہے یعنی الشریٰ ظاہر ہیں۔ یا الشریٰ حق میں جو ظاہر ہیں۔ اللہ نورِ السموات والارضین ہے ۱۱ ع ۱۸ سے اس بیان کی مزید تائید ہو رہی ہے۔ فافہم و تدبر۔

نہ اکتھول کر اس واد کو اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے حق تعالیٰ بجا و بھڑاتا جیسے کے ویسے

رو کر بلا تبدیل و تغیر با تعدد و بلا کثرت صفت نور کے دریدہ بصورت معلوم خود ظاہر ہو رہے ہیں تو معلوم کے مطابق خلق کا نمود وجود ظاہر میں بطور وجود غلطی ہوا اور اعتبارات الہیہ خلق سے وابستہ ہو گئے۔

وہی وجود متنزہ کہ بانزاشت خود ہوا ہے جلوہ نما بانزاشت ہر شے
ہو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بكل شیء علیم۔

خوب سمجھ لو کہ تخلیق انشیا کا

(۱) عدم محض سے پیدا ہونا نہیں ہے۔ کیونکہ عدم سے عدم ہی پیدا ہوتا ہے۔
(۲) نہ ہی عدم محض کا انشیا کی صورت میں نمایاں ہونا ہے کیونکہ عدم محض تعریف ہی کی رو سے کوئی شے نہیں کہ ہستی کا مادہ بن سکے یا اس کو کسی ہستی کی صورت میں ڈھالا جاسکے۔ عدم یو جدا اور
(۳) نہ ہی حق تعالیٰ کا خود مہورتوں میں تقسیم ہو جانا ہے کیونکہ وہ بعض و تجزی سے متزہب
تخلیق حق تعالیٰ کا مع بقائے علی الملو علیہ کان بصور معلومات مہور علیہ بمعہ حق ہوا الظاہر تجلی فرما رہا ہے۔ یہ
تجلی یا مثل ان مہور علیہ ذروات انشیا و حقانی کیا نہ کے مطابق ہو رہی ہے جو ذات حق میں غفی اور
علم حق میں مندرج ہیں۔ اس تجلی و تشکات نتیجہ ہے کہ انشیا کا نمود با حکام و آثار خود بالتفصیل ان کی
قابلیت ذاتی کے مطابق خارج ہیں جو وجود ظاہر ہے ہو رہا ہے صاحب گلشن زار نے اپنے الفاظ میں
اس راز کو اس طرح ادا کیا ہے :-

عدم آئینہ ہستی است مطلق کز وید است عکس تابش حق

(صور علیہ ۱۲)

عدم چون گشت ہستی را مقابل	در و عکس اندر حال شد حاصل
شد آں وحدت اندر کثرت پیداوار	یکے اچون ثمری گشت بسیار
عدم در ذات خود چون بوضائی	از بظاہر آمد گنج مخفی !
حدیث گنج کثر از افزو خوال	کہ تا پیدا رہی ستر نہاں

جب تم پر یہ راز آشکارا ہو چکا کہ حق تعالیٰ ہی صفتِ نور سے بہ صورتِ معلوم خود ظاہر ہو رہے ہیں، تو تم کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ ذاتِ مطلق کے مرتبہ وحدت میں چار اعتبارات ہوتے ہیں۔ وجودِ علم۔ نورِ شہود و یقین صلاحتِ ذات میں۔ تعدد وجودی نہیں رکھتے، ملحوظ ہوتے ہیں حق تعالیٰ موجود ہیں وجودِ انہی ذات وحدت و افعال پر اجمالاً مطلع ہیں، علم، اپنے پر ظاہر و روشن ہیں، نور اور انہی ذات کے اس طرح آپ شاہد ہیں و شہود، ان اعتبارات کو ذاتی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کو صفات نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ان چاروں اعتبارات میں تمام صفات اسماء الہی، اسمائے کیانی مندرج ہیں، لاندراج اکل فی بطون الذات کا لفصل فی الجمل و کما یجوز فی النواہ بخار مطلق اس مرتبہ کے لئے لازمی ہے کیونکہ ذات مطلق اس اجمالی مشاہدہ کی وجہ سے تمام تفصیلات سے مستثنیٰ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَغَفِیُّ الْعَالَمِیْنَ اس جانب اشارہ ہے۔

دماںِ غنائے مطلق پاک آبدیاک ز آلودگی نیازِ مانتے خاک
چوں جلوہ گر و نظارگی خودِ راست گویا تو در میانِ بنائیم چہ پاک
(جامی)

جب حق تعالیٰ صفتِ نور کے زیرِ بحالہ بعد ذاتہ جیسے کہ ویسے رہ کر بلا تغیر و تبدل و حلول و اتحاد صورتِ معلوم سے ظاہر ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ کا نور معلوم سے متعلق ہو کر روح، ان کا علم معلوم سے متعلق ہو کر قلب ان کا وجود معلوم سے متعلق ہو کر جسم، اور ان کا انا معلوم سے متعلق ہو تو نفس کہلاتا ہے۔ ان سب کا مرکز ہوتی مطلقہ ہے۔ فافہم تدبیر۔ اس کی وضاحت اس نقشہ سے ہو سکتی ہے۔

الشر (ہوتی مطلقہ)

انا

شہود	نور	علم (معلوم) ہوتی مقدرہ انا (نفس)	وجود
ضمیمہ	روح	قلب	جسم

لہ اس کی دلیل قرآن و تہفوت، ص ۱۱۱ پر دیکھو۔

خوب سمجھ لو ہمارا نفس یعنی ہماری ذات حقیقت وہی صورتِ علیہ دینِ ثابہ ہے جو علمِ حق میں ثابت ہے جس کوئی نفسہ وجود نہیں۔ معدوم فی الخارج ہے نہ انتہی راکتہ الوجود اصلاً اور چونکہ قلبِ حقائق محال ہے معدوم کبھی موجود ہو نہیں سکتا پس جو موجود ہے فی الحقیقت وہی واجب الوجود ہے۔ لا موجود الا الله وحدہ لا شریک لہ "حق تعالیٰ ہی کا نام صورتِ معلوم میں نفسِ انسانی کہلاتا ہے اور زبانِ قوم میں "ہویت" مفیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس حقیقت کو کسی عارف نے سوالیہ طرز میں کیا خوب پیش کیا ہے۔

از حق جز حق دیگر چه روید بابا ؟ از حق جز حق دیگر چه گوید بابا ؟
در شدت این ظهور مجھو صفت حق را جز حق دیگر کہ جوید بابا ؟
شیخ اومد الدین کرمانی جو شیخ اکبر کے مہر تھے صاف صاف کہہ آئے ہیں:
دو اتم زور رائے حرف بیرون زہد است وز چشمہ لطف آب جیہا تم مدد است
(حقیقت)

علت ز احد بہ او مدد آمد حرفے علت بگذار کاینک او مدد است
ابوہاتم عطار استاد البوسیدہ قرآن نے اس یا نت کے بعد فرمایا تھا "کے ماندہ کدی گوید اللہ" حضرت بجا
اہل بغداد سے فرمایا کرتے تھے شامی گوید اللہ نفساً بنفیس ومن می گویم حقاً بحق "قل اللہ تھو در صو"
شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کا ارشاد ہے

ادباً جو نیدہ خود ہمراہ است دست جو نیدہ خود گرفتہ در طلب
خود می ناز اندا ہوا کل بالکل "کسی صوفی کا مشہور قول ہے۔ "ہمہ خلق می گویند یکے و از ہزار در می
آویند و ایس قوم می گویند یکے و از نشان خود می گریزند"

اکلا کل شی ما خلا اللہ باطل وکل نعیم لا محالہ ذایل
اس حقیقتِ باطنی سے واقف ہونے کے بعد ہی اہل حق پر یہ امر متحقق ہو گیا کہ اپنے نفس کی معرفت
معرفتِ حق ہے، چونکہ ہر نفس اس حقیقتِ حقائق کی صورت ہے اس کی طرف اشارہ اس صورت

بھی ہوتا ہے جس کی روایت بخاری و مسلم نے کی ہے کہ ”خلق آدم علی صورتہ“
اس حدیث کی توضیح سے ہمارے مقالہ کی مزید تائید ہوتی ہے اس لئے ہم اپنے طریقہ سے اس کی مختصر
دہناحت پیش کرتے ہیں۔

دیکھو ”خلق آدم علی صورتہ“ میں ”صورت“ سے مراد صورتِ ظاہری نہیں ہو سکتی جو آنکھ، ناک، دُعا
دیگر کی خاص ترکیب کا نام ہے ورنہ اس صورت میں ہیں ضمیر صورتِ آدم ہی کی طرف پھرنی پڑے گی،
کیونکہ یہ صورت جسم و ہیئت کی صورت ہے اور حق تعالیٰ جو جسموں کے خالق ہیں، مشابہتِ جسمی سے منزہ ہیں۔
صورت سے مراد صورتِ ظاہری لے کر اور صورتِ ضمیرِ آدم کی طرف پھیر کر خلقِ آدم علی صورتہ سے لازماً
مطلب یہ ہوگا کہ آدم کو آدم ہی کی صورت پر پیدا کیا جو آدم ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور جو تمام مخلوقات سے
بیز ہے۔ اس میں جو تکلف ہے وہ ظاہر ہے۔

صورت سے مراد ”صورتِ معنوی“ بھی ہوتی ہے۔ اس کا اطلاق ترتیب و ترکیبِ معنوی پر ہوتا ہے
یہ صورت امورِ معقولیہ سے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ”صورتِ واقعہ یہ ہے“ یا ”صورتِ مسئلہ یوں ہے“ یعنی اسکی
کیفیت یہ ہے تو صورت سے مراد ”کیفیتِ معنوی“ ہوئی۔ اس طرح اگر صورت سے مراد صورتِ معنوی لی
جائے تو ضمیر کو آدم کی طرف راجع کرنے میں کسی تکلف کی حاجت نہ رہے گی اور لامحالہ اس کو حق تعالیٰ
ہی کی طرف پھیرنا پڑے گا۔ اس کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جو زیادہ صریح ہے ”ان
صورتہ الا حسن علی صورتہ الرحمن“ رواً قطنی فی الصفات عن ابی ہریرۃؓ اب حدیث خلقِ آدم
علی صورتہ کے صحیح معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، اور صورت سے مراد صورتِ
فقلیہ معنویہ ہے نہ کہ صورتِ مادّیہ جسمیہ۔

صورتِ عقلیہ کے اعتبارات ذاتِ صفات و افعال کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں۔ اب ذاتِ پرغور کرو
اس سلسلے میں امام غزالیؒ کی تحقیقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو راہ المضمون بہ علی غیر اہلہ میں تفصلاً اور
قبیلے سادات و غیرو میں اجمالاً موجود ہیں، روحِ انسانی کی ذاتِ پرغور کرو کہ وہ کوئی جسمانی شے نہیں جو بدن
میں اسی طرح داخل ہو گئی ہو جس طرح پانی برتن میں اور نہ ہی اس کو غرض قرار دیا جاسکتا ہے جو کسی دوسری

نئے کے ساتھ قائم ہو جیسے سیاہی کسی سیانے کے ساتھ قائم ہے یا علم عالم کی ذات سے قائم سمجھا جاسکتا اس کو متغیر بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یعنی وہ کوئی جگہ نہیں گھبراتی کیونکہ جسم متغیر قابل تقسیم ہوتا ہے اور روح کسی طرح قابل تقسیم نہیں بھی جاسکتی۔

اسی طرح روح نہ انسان کے بدن میں داخل ہے اور نہ خارج نہ اس سے متصل ہے اور نہ منفصل۔ کیونکہ یہ سب باتیں ایسی چیز کے متعلق کہی جاسکتی ہیں جس کا جسم ہو اور وہ متغیر ہو۔ اور روح میں ان میں سے کوئی بات نہیں۔

روح کو کسی جہت میں بھی نہیں مانا جاسکتا۔ اور نہ کبھی جگہ میں حلول کئے ہوئے سمجھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ متین بھی یا جسمانی شے ہی کے متعلق صحیح ہو سکتی ہیں یا اعراض کے متعلق اور روح نہ جسم ہے اور نہ عرض اس طرح روح ہے چون وہ مگر وہ۔ بے کیف و نمونہ ہے۔ اور یہ بعینہ ذات حق تعالیٰ کے صفات ہیں۔ اسی طرح ذات آدم ذات الہی کے شاہد ہوئی۔ فافہم و تدبر۔

اب صفات روح انسانی پر غور کر دے صفات علم۔ ارادہ۔ قدرت۔ سمیع بصیر و کلام ہیں اور یہی صفات حق تعالیٰ کے بھی ہیں۔ اس مہورت میں بھی آدم کے صفات حق تعالیٰ کے صفات سے شاہد ہوئے۔ فافہم و تدبر۔

آخر میں افعال روح انسانی پر غور کرو۔ امام غزالیؒ نے کیمائے سعادت میں اس کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے فعل کا آغاز خواہش اور ارادہ سے ہوتا ہے پہلے اس کا اثر قلب میں ظاہر ہوتا ہے پھر اس کا اثر دماغ پر ہوتا ہے اس سے اعصاب متاثر ہوتے ہیں۔ جن کا منبع دماغ ہے۔ پھر ان سے اوتار اور باطالت متاثر ہوتے ہیں جو ہر جڑ سے لگے ہوئے ہیں ان سے انگلیاں حرکت کرتی ہیں اور ان سے درشل آتلم میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور وہ مہورت جس کو انسان کا فذ پر لکھنا چاہتا ہے نہضت ظہور میں آتی ہے۔

افعال انسانی کی ان تفصیلات پر غور کرنے سے افعال الہی کی کیفیت بھی سمجھ میں آسکتی ہے، جس طرح انسان کا تعریف اپنے بدن پر ہوتا ہے جس کو ”عالم صغیر“ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اسی طرح عالم

کا تصرف ”عالم کبیر“ کائنات پر جاری ہے دیکھو ارادہ انسانی کو قلب انسانی سے جو نسبت ہے وہی ”امر کو عرش“ سے سمجھی جاسکتی ہے اور قلب کو دماغ سے جو نسبت ہے وہی ”عرش“ کو ”کرسی“ مانی جاسکتی ہے۔ جو اس انسانی کو ذات انسانی سے جو نسبت ہے وہی فرشتوں کو ذات الہی سے قرار دی جاسکتی ہے جس طرح حواس انسان کے مطیع و منقاد ہیں اسی طرح ملائکہ حق تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور و مجبول ہیں۔

اس مختصر توضیح سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ ذات و صفات و افعال انسانی ذات و صفات و افعال الہی سے مشابہ ہیں۔ اور یہی مشابہت معنوی صورت حقیقی ہے جس کا ”خلق آدم علی صورتہ“ میں ذکر آیا ہے۔ آدم مطہر ذات و جامع جمیع صفات الہیہ ہے۔ اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو ”اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے“ تہ وہا تہ جلال و جمال الہی ہیں، یعنی انسان حق تعالیٰ کی ذات کا منظر تیار ہے۔ اور جمیع صفات الہیہ کا جامع ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ ”خلق آدم علی صورتہ و وجہہ رطبانی عن ابی ہریرۃ“ یعنی اس کی تخلیق صفات اللہ و ذات اللہ پر ہوئی ہے۔

اس سلسلہ میں اگر تم اللہ تعالیٰ کے اس قول پر کہ ”بصورتہ یوحا یا متانی الکافاق و فی النفس مخری یتبتین لہو اندھ الحق“ (پ ۷۵ ر ۵۱) تفتن کی نظر ڈالو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ نفس کو آفاق پر عطف فرمایا ہے (حرف ن کے ساتھ) یعنی جو آیات یا صفات اللہ آفاق کائنات خارجی میں ظاہر ہیں وہی آیات یا صفات نفس آدم میں بھی موجود ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ کائنات خارجی میں یہ حیث التفریق ہیں اور نفس انسانی میں یہ حیث الجمع ہیں۔ اس لئے انسان جس کو عالم صغیر سے تعبیر کیا جاتا ہے، غلامِ عالم کبیر قرار دیا جاتا ہے اس جا سمیت صفات کے اعتبار سے انسان کو اپنی صورت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور ظہور صفات کی صورت کا نام آدم (یا انسان) رکھا گیا ہے۔

صورت در اہل نام ہے اس محل کا جس میں حقیقت مخفی و مستتر ہوتی ہے لیکن اپنا اظہار اس کے نزدیک کرتی ہے۔ نور کی مثال سے اس اجمال کی وجہ احت ہو سکتی ہے۔ دیکھو نور ظہور الوان کی حقیقت یہ کہ نور کے بغیر ظہور الوان ممکن نہیں۔ الوان ظہور نور کا محل ہیں۔ ہا لفاظ دیگر نور ہی مہرورت الوان ظاہر

لکھنؤ کے لئے دیکھو کھیلے مساوت فارسی ص ۷۵ مطبوعہ نول نئور پریس۔

ہوتا ہے۔ لیکن نورِ صورتِ الوان بھی مخفی و مستتر ہوتا ہے 'ادب' اور 'جوڑ' بطور کے باطنِ الوان کہلاتا ہے۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ نورِ ظہورِ الوان کی حقیقت ہے اور مختلف الوان کی یہ صورتیں ماضی میں ان عوارضات کو صفاتِ نور قرار دیا جاسکتا ہے۔ یا صفاتِ صورتِ نورِ صورتِ الوان کے ظہور سے حقیقتِ نور مستور ہوتی ہے۔

نور کی اس مثال سے تمہیں یہ صاف طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ کس طرح آدم کو حق تعالیٰ کا آئینہ صورت قرار دیا جاسکتا ہے جو خود بے صورت ہیں، اہلِ ہلالہ و عظم شانہ :

جز کیے نیست نقدِ ایں عالم	بازین وہ مالش مغروش
گلِ ایں باغ را توئی غنچہ	سزای گنج را توئی سر بوش
پردہ بردار تا بہ مبنی خویش	دوست بادوست شد ہم آئوش
آن شاد صدفِ ایں دلِ است	ہر کہ ایں باد کہ وہ باشد نوش

ہند امارتِ نامِ المعرفت اس صورت میں بے صورت ہی کا مشاہدہ کرنا ہے اور ہر جہت اٹھا ہے۔

نہاں بہ صورتِ اغیار یار پیدا شد	جہاں بہ نقش و نگار ان نگار پیدا شد
پیر گشت از کثرتِ جمالِ وحدتِ او	یکے بکسرتِ خدیں ہزار پیدا شد

نیرنگیوں سے یار کی حیران نہ ہو جو ہر رنگ میں تم اہل کو نمودار دیکھنا
عارف جانتا ہے کہ یہ صورت اس معنی مطلق ہی کی صورت ہے۔ یہ تشبیہ تنزیہ حق ہی کی تشبیہ ہے۔ لہذا وہ اپنی ذات میں ذاتِ مطلق کا اپنے صفات میں صفاتِ حق کا اور اپنے افعال میں افعالِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور حقِ انفسک و اندر متبہرون کی تشبیہ سے پوری طرح فائدہ حاصل کرتا ہے تاکہ حق معرفت نفسہ نقداً عرف سجدہ کا قول پوری طرح صادق آئے۔

یہ اس غفلت کو اہلِ عمر کی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول قرار دیا ہے لیکن دینی نے اس کو ہدایت قرار دیا ہے اور فرمائی ہے
محمد بن عبد اللہ نے بھی اس کا ہدایت ہونا مانا ہے۔ اس مخبر کو دوسرے انطاکیہ میں ابو سعید نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ہمارے اس طویل مقالے کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہونا چاہیے کہ ہم حیثیتِ محضہ کی تعلیم پیش کر رہے ہیں اور طول و اتحاد کے فائل میں۔ ہم قطعاً اس کے قائل ہیں کہ حق ظاہر بعورتِ حقیقی اشیاء، اشیاء موجودہ و بوجہ وجود حقیقی حق، لیکن منظر کے مظاہر میں ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے منظر میں تغیر و تبدل، تجزی و تقسیم، حلول و اتحاد نہیں ہوتا، ظاہر و منظر رُبوب و بعد حق حقیقی میں جو نسبت ظہور ہے اس کا حکم دوسری تمام نسبتوں مختلف ہے چونکہ ظاہر تمام اعتبارات سے منظر کا مین نہیں اور نہ جمیع اعتبارات سے اس کا غیر لا مین و لا غیر نہ ہن غینتِ محضہ اور نہ صرف غیرتِ محضہ، اس کی تفصیل و تشریح کے لئے قرآن و تہوہ کے باب سوم و چارم کا مطالعہ ضروری ہے۔

سارے مقالہ کا خلاصہ ابوالوفا خوارزمی کے ان اشعار میں ادا کیا جاتا ہے فافہم و تدبر۔

من از تو جدا بنودہ ام تا بودم ایں است دلیل طالع مسودم
ورزات تو نا پیدار معدوم زرنویر تو ظاہرم اگر موجودم
وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

زیرِ حاشیہ ۱: اسے اس طرح بیان کیا ہے: "اذا قال یا رسول اللہ من یعرف الانسان ربہ؟ قال اذلیت نفسہ"۔ مولانا عبد الرحمن صوفی فرماتے ہیں کہ اگر لفظ اس کے ہریت ہونے میں اخلاص ہو سکتا ہے لیکن سنا پہل الاہول طریقہ ہے۔ اور کتاب و سنت کے موافق ہے۔ لکھا قال اللہ تعالیٰ فی انفسکم افلا تبصرون؟" (پہل ۱۱۱) دینِ ہریت قدسی یا آدم اعرف نفسک تعریفِ سادہ، "بھی اس کی تائید کرتی ہے مگر مولانا نے اس ہریت برتوں کی سند نہیں بیان فرمائی لیکن غور و تدبر سے کام لینے والوں کے لئے "وفی انفسکم افلا تبصرون؟" کمالی اشارہ مل سکتا ہے اور اگر اس سلسلہ میں "سنر لہو آیا تنافی الکافاق فی انفسہم حتی یتبین ہوانہ الحق" کے اوشا و بارسی پر غور کیا جائے تو جیسا کہ اوپر میں بتلایا گیا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آیات و مضامین پر حوالہ لائے ظاہر میں وہ حق کے منظر میں اور ہر نفسِ منظر اسرار و صفات حق ہے لہذا معرفتِ نفس معرفتِ حق ہے۔ فافہم و تدبر۔

یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ

شامی عیسائیوں کی دسات کا منظر

از :

جناب شبیر احمد خان صاحب غوری ایم۔ اے۔ ایل ایل بی۔ بی ٹی۔ رجسٹرڈ امتحانات عربی و فارسی
(رائی پور ڈپٹی)

اسلامی ثقافت میں علوم عقلیہ کے آغاز و ارتقاء بالخصوص ان کے قبل از اسلامی مآخذ و مہادر کا سلسلہ
بڑا اہم اور دلچسپ ہے۔ مان کریم کی تقلید میں نگلن نے تو صرف اتنا ہی لکھا تھا :-

It is Probable that the latter (Mutazilites) at any rate arose, as von Kremer has suggested, under the influence of Greek Theologians especially John of Damascus and his pupil, Theodore Abuqara (Aduarra) the Bishop of Harran. (Nicholson: Literary History of Arabs, pp 220-221)

اس بات کا احتمال ہے کہ فرقہ معتزلہ یونانی ملاوئی غیات بالخصوص یوحنا کے دشمنی اور اس کے
شاگرد ابو قرقہ اسقف حراں کے زیر اثر پیدا ہوا جیسا کہ مان کریم کا خیال ہے لیکن مستشرقین کے مشرق
مقدس مندوں نے اس محدود منظر و منہ کو درجہ صرف اقل قرار اور علم کلام کے آغاز تک سے متعلق قرار نہیں
دے کر اسلامی فکر کے علم عقلی علوم کو شام کے فاضل علمونی ملا وید غیات میں منسلک قرار دیا۔ انکار

”کہندہ لے کہتے ہیں کہ شام کے نو ظالموں نے مسیحیوں کے گناہوں کے خیالات نے یہ مسلمانوں کی عقلی موشگافیوں کے لئے سنگ میل کا کام دیا ہے۔“

لیکن خان کریمر کا محدود و مضبوط رویہ اس کے مشرقی حقیقت مندوں کی تعمیم دونوں عقلی نظریوں۔
 اعتراضات کے اصول اور پر خانے دشمنی کی تعلیمات میں کوئی بنیادی مماثلت نہیں ہے۔ اس کے برعکس
 فرقہ سوار کے تاریخی ارتقا کی تھابیل بڑی حد تک محفوظ ہیں اور ان میں یونانی و نیات کے سخی علماء کا کوئی
 اثر نہیں نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ بطور ذیل میں یونانی حکمت
 اور مسلمانوں کی عقلی موشگافیوں کے مابین شامی نو ظالموں کے وسیط ہونے نہ ہونے کے مسئلہ پر تبصرو کیا گیا ہے۔
 عام طور پر مسلمانوں کی عقلی موشگافی کا جو بنیاد سمجھا جاتا ہے اُس کا آغاز عباسی خلافت کی ابتدا سے ہوتا
 ہے۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کی سرپرستی میں اُس دیر پا اور مسلسل فکری تحریک کا افتتاح ہوا جو
 آج کے دن تک کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے چنانچہ قاضی صاعدان لسی نے عباسی دور سے پہلے مسلمانوں میں
 عقلی علوم سے بے اعتنائی کے سلسلے میں لکھا ہے:

وكانت العرب في صدر الاسلام	ابتدائے اسلام میں اہل عرب سوائے انہی بنا
لا تفتي بشي من العلم الا بلفظها ومعناها	اور احکام شریعت کے علم کے کسی دوسرے علم کے
احكامها شديده حاجاتها شاصلة الطب	ساتھ اعتناء کرتے تھے الاطباء کے ساتھ کیونکہ
فانها كانت موجودة عند افراد	بعض عرب اس میں کچھ شدید بدگمانتھے تھے نیز عام
من العرب غير منكر قد خلد جماعته	لوگوں میں یہ ناپسندیدہ نہیں سمجھا جاتا تھا کیونکہ
هو الحاجة للناس طرأ اليها	انہیں اس کی ضرورت رہتی تھی۔

(طبقات الامم ص ۷۲)

قاضی صاعدان نے اس بات کی مہرحت کی ہے کہ ابو جعفر منصور (۱۳۶ - ۱۷۸) سے پہلے مسلمانوں نے
 طبعی عقیدہ کے ساتھ کوئی اختیار نہیں کیا وہ لکھا ہے:

فقد كانت جملة العرب في الدولة

یہی عرب کی دفاعی حالت اموی حکومت

لاکھویہ فلما اдал الله تعالى ثالث الدلو
 لها شمیہ فكان اول من
 عنما منهم العلوم الخليفة الثاني ابو جعفر
 المنصور فكان رحمه الله تعالى
 مع براعتة في الفقه ولقد مر في علم
 الفلسفة وخاصة في علم صناعة النجوم
 كفا بها وباهلها ۱۵
 اور یہ تحریک خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں اپنے ادراج کمال پر پہنچی چنانچہ قاضی صاعد آگے چل کر لکھتا ہے
 ثم لما افضت الخلافة الى الخليفة
 السابع منه عبد الله المأمون بن
 هارون الرشيد ... بهم ما بين
 جدك المنصور ۱۶
 میں جس جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے اس
 خلافت کو ہاشمی دجاسی ہخاندان میں منتقل کیا
 تو ان میں سے جس شخص نے سب سے پہلے
 علم و حکمت کے ساتھ امت کا یہ وہ دوسرا خلیفہ ابو
 جعفر منصور تھا ... نفع میں دہشگاہ عالی اور علم
 فلسفہ بالخصوص علم نجوم میں کمال کے ساتھ ان
 علوم اور ان کے ماہرین پر جس کی خاص غایت تھی

انوی دور میں حتی کہ خلافت راشدہ کے آغاز تک عہد نبوی میں ایسے منتشر واقعات ملتے ہیں جو عقلی مزگیوں
 سے یک گونہ شاہد ہیں لیکن نہ تو انہوں نے مسلمانوں کے علوم عقلیہ کے آغاز و ارتقا میں کوئی حصہ لیا ہے اور
 نہ شامی نو فلاطونیت نے اسلام میں عقلیت کے تسلسل کا افتتاح کیا ہے مگر اس کی تفصیل سے بیشتر ان حضرات
 کی توجہات پر ایک نظر ڈالنا سمن ہوگا جو مسلمانوں کی عقلی مزگیوں کو شامی نو فلاطونیوں کا مہمون منت
 سمجھتے ہیں :-

قائم یہ ہے کہ یوں تو مسلمانوں کے تمام ہی بڑے بڑے شہروں میں ہر جنس و ملت کے لوگ آنے جانے اور رہنے
 لگے تھے اور ان میں اور مسلمانوں میں علمی و ادبی کی بنیادیں بھی پڑ گئی تھیں جہاں مسلمان انہیں متاثر کر رہے
 تھے وہاں ان کے افکار و خیالات سے مناسبت ظروف اثر لے رہے تھے لیکن عام طور سے غیر منظم و

ملہ لطعات الامم سے ۱۷ ایضاً ص ۱۷۰

”منہضہ فکر میں تھیں۔ جہاں تک منہضہ اور منظم فکر کا تعلق ہے وہ ان کو شامی اہل علم سے ہی حاصل ہوئی اور مسلمانوں کو فلسفے کا چکا فالباں ہی سے لگا دیا۔ یہ ہے کہ فلسفے کو مسلمانوں سے متعارف کرنے اور اُس کو اُن میں ہر دلعزیز بنانے میں شامی اہل علم نے خاصا حصہ لیا۔ یوگ، طب اور فلسفے میں چلی دامن کا ساتھ تھا۔ فلسفہ طب کی تعلیم کے لئے تہذیبی مضمون تھا اور یہ روایت طب یونانی کی تعلیم میں ابھی تک چلی آ رہی تھی۔ یہ اہل مسلمانوں کی پھیلتی مہریت کی ناگزیر ضرورت تھی۔ پھر امر اور دوسا کی غلوت و جلوت کے ذریعہ چنانچہ مسلمان طب میں ان ہی شام کے سیھی اور غیر سیھی اہل علم کے شاگرد ہیں اور یونانی طب کو اسلامی طب بنا دینے کا سہرا انھیں کے سر ہے۔“

اس توجیہ کی جزئیات کی تائید میں منشر و اوقات ملتے ہیں، البتہ اُن سے جو نتائج مستنبط کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ اوقات حوصلہ افزائی کے بجائے ان کی تردید ہی کرتے ہیں، چنانچہ

۱۔ یہ فلاسفہ و اہل امر اور دوسا کی غلوت و جلوت کے ذریعہ ہوں تو ہوں (جیسے کئی نحوی اور ابن سنا) مگر فلسفہ کو مسلمانوں میں مقبول نہ بنا سکے۔

ب۔ شامی اہل مسلمانوں کی پھیلتی مہریت کی ناگزیر ضرورت تھی۔ مگر مسلمان طب میں شام کے ان سیھی اور غیر سیھی اہل علم کے شاگرد نہیں ہیں۔

ج۔ فلسفہ کو مسلمانوں سے متعارف کرانے اور اُس کو اُن میں ہر دلعزیز بنانے میں شامی اہل علم کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔ اور آخر میں

د۔ جہاں تک منہضہ اور منظم فکر کا تعلق ہے وہ مسلمانوں کو شامی اہل علم سے نہیں ملی اور نہ مسلمانوں کو فلسفہ کا چکا ان سے لگا۔

ذیل میں ان منشر و اوقات کا تاریخی طور پر جائزہ دیا گیا ہے:-

مہربانی میں ہر دلی افکار	مہربانی میں ہر دلی افکار
اور یونانی طب	کہا جاسکتا ہے۔ لیکن نہ تو غالباً یہ شامی مدارس طبع سے تعلق رکھتے تھے اور نہ فلسفے

۱۔ اہل علم کی نحوی اور فاضلہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی علامات میں ایک افسانہ ہے۔

یونانی طب کو مسلمانوں میں مقبول بنانے کے اندر کوئی کامیابی مل سکی۔

ان میں قدیم ترین نام حرث بن کلدۃ الشقی کا ہے۔ وہ طائف کا رہنے والا تھا اور اُس نے ایران میں

طب و موسیقی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ابن ابی اُصیبہ لکھا ہے :-

الحراث بن کلدۃ الشقی کان من الطائفت
حرث بن کلدۃ الشقی طائف کا رہنے والا تھا۔ مختلف

وہاں سا البلاد و تعلّم الطب بنا حیة
شہروں کا سفر کیا تھا اور ایران میں طب کا علم

فلانس و تمان هناك و عرف الداء
سیکھا تھا۔ وہیں اس نے طب کیا۔ تشخیص امراض

والد و لہ و کان یضرب بالعود تعلّم
اور معالجہ سے واقف تھا۔ وہ عود اچھا بجاتا تھا۔

ذلك ایضا بفارس و الیمین و بقی ایامہ
موسیقی کا فن بھی اُس نے ایران اور یمین میں سیکھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ایامہ
تھا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابی بکر و عمر و عثمان و علی بن ابی طالب
ابو بکر، عمر، عثمان، علی بن ابی طالب اور امیر مہم

و معاویہ رضی اللہ عنہم
نھوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں بغیر حیات

ابن ابی اُصیبہ کا مؤرخ غالباً قاضی صاعد کی طبقات الامم ہے چنانچہ مؤرخ الذکر نے لکھا ہے :-

فکان من الابطاء علی عهد النبی صلی اللہ
جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل

علیہ وسلم من العرب الحراث بن کلدۃ
عرب میں سے شہرہ رطب حرث بن کلدۃ الشقی تھا

الشقی : کان تعلّم الطب بفارس و الیمین
اس نے طب کی تعلیم ایران اور یمین میں ماہل کے

و کان یضرب بالعود و بقی الی ایام
تھی۔ عود اچھا بجاتا تھا۔ امیر معاویہ کے زمانہ تک

معاویہ بن ابی سفیان
بغیر حیات تھا۔

ان تہریکات سے ظاہر ہے کہ حرث بن کلدۃ الشقی شامی مدارس کا تخریج نہیں تھا بلکہ ایران کے مدرسہ طب

کا مہذب و تحصیل تھا۔ زمانہ قبل از اسلام میں مہر و شام طب اور عراقی فلسفہ و تصوف کے اہل ایران و نصیبین (نسطر)

اور دیگر عقلی علوم (EXACT SCIENCES) کے گہوارے تھے لیکن ان کا سرواخص و شہسوار کی علی

لے طبقات الامم ص ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰

سرپرستیوں نے جندی ساہور میں بھی نہیں کے نسطوری مدرسہ کے متقابل ایک درسگاہ قائم کر دی تھی جو مشرق
میں منطقی طب کا گہوارہ تھی۔ اسی جندی ساہور کے مدرسہ طب نے جس پر آخرو زمانہ میں ناسطروہ چھا گئے تھے جیسا
مہدیہ اسلامی طب کا افتتاح کیا جس کی تفصیل اس مقالے کے موزع سے خارج ہے۔

بہر حال حرث بن کلفہ اشعفی شام کے نو فلاطونی یا یعقوبی مدارسِ طب کا حریج نہیں تھا بلکہ ایران کے
موسیٰ یا نسطوری رکیونکہ بعد میں جندی ساہور کے طبی مدرسہ کی قیادت بھی ناسطروہ کے ہاتھ میں آگئی تھی امد
طب کا فاضل تھا۔ اس کے علاوہ عرب کے ویسی طب کا بھی ماہر تھا چنانچہ ابن ابی اُصیبہ لکھتا ہے :-

وكانت للحث معالجات كثيره ومفله حرث كعوب کے طریق مالوف اور ان کی مخصوص
بما كانت العرب تتادك وتحتاج اليه وادارہ سے واقفیت تھی۔ اور اس نے اس
من المداوۃ ^۱

اور غالباً عرب کے اسی ویسی طب کے ذریعے اس نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کیا چنانچہ
اُس نے حضرت سعد بن وقاصؓ کا علاج کجور اور دودھ کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن حرث بن کلفہ سلاہوں میں یونانی
طب کو مقبول بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور یہ انا مشہور واقعہ ہے کہ اُس نے طب و معقولات کی تواریخ
سے بڑھ کر عربی و فارسی ادب میں بھی ایک امر واقعی کی حیثیت حاصل کر لی ہے جیسا کہ سعدی نے گلستاں میں
لکھا ہے :-

بیکے از لکوک عجم طیبہ حاذق را بخدمت مصطفیٰ اہل الشریعہ وسلم فرستاد۔ سارے دنیا عرب بود کہ
تجربہ پیش او نیاورد و معالجتے از دے نخواست پیش پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آمد و گلہ کرد کہ مرا ہی بندہ را
بسبب حاجت اصحاب بخدمت فرستادہ اند۔ و میں مدت کہے اتنا تے نہ کرو تا ہمدے کہ بر بنیہ معین
است بجا آورد۔ رسول علیہ السلام گفت ایس طائفہ را طریقے بہت کہ تا انتہا غالب نشود و نوز رنزد و نپزد
انتہا باقی بود و مت از طعام پر ازند و حکم گفت ایس است موجب تندرستی زمین بر سید و رفت ۔

گلستاں باب سوم و طبیعت تفاوت

دوسرا مشہور طبیب نضر بن حرث بن کلثوم الشافعی تھا۔ وہ سابق الذکر حرث بن کلثوم کا بیٹا اور اس کے برہنہ
طب کے علاوہ علوم فلسفہ کی مختلف شاخوں سے واقف تھا۔ ابن ابی حبیبہ لکھا ہے :-

النضر بن الحرث بن كلثوم الشافعي هو	نضر بن الحرث بن كلثوم الشافعي جاب بنی کریم رضی اللہ
ابن خاله النبی صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم کے مائیں کا ارہم تھا اس نے ہی اپنے
وكان النضر قد سافر البلاد ايضا	باپ کی طرح بہت سے شہروں کا سفر کیا تھا اور
كاتبه واجتمع مع الافاضل والعلماء	مکہ معظمہ نیز دوسرے شہروں کے علماء و فضلاء کے
بلکہ وغيره و عاشا الاحياء والكهنة	پاس رہا تھا نیز یہودی علماء اور کابھنوں کی صحبت
واشتغل وحصل من العلوم القديمة	میں بیٹھا تھا۔ حکیم علوم میں سے بہت سی جلیل القدر
اشياء جليله القدر و اطلع على	باتیں سیکھی تھیں۔ فلسفہ اور حکمت سے بھی واقف
علوم الفلسفة و اجزاء الحكمة و علم	تھا۔ اس نے اپنے باپ سے بھی طب اور دیگر
من ابیه ايضا ما كان يعلم من الطب	علوم جو وہ جانتا تھا سیکھے تھے۔

وغیرہ۔

مکمل ہے تلاش علم و حکمت میں نضر بن الحرث ایمان کے منطوری مدارس کے علاوہ شام کے یعقوبی اور
نوفلاطونی مکتبوں میں بھی پہنچا ہوا۔ اگرچہ اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی لیکن اتنا یقینی ہے کہ نہ تو اس کی طبابت
مسلمانوں میں مقبول ہو سکی اور نہ وہ اپنے فلسفیانہ خیالات کو جنھیں علوم نبوت کا متبادل سمجھتا تھا اور جنھیں
مکمل ہے اس نے شام کے یعقوبی و نوفلاطونی مدارس میں اخذ کیا ہو، مسلمانوں تک پہنچا سکا کیونکہ
وہ مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور جناب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید بغض و حسد رکھتا تھا اور اپنی
فلسفیانہ معلومات کی بناء پر خود کو مسیح و مہدی کا حریف سمجھتا تھا۔ چنانچہ ابن ابی حبیبہ نے لکھا ہے :-

وكان النضر كثير الاذى والحسد للنبي	نضر جناب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت
صلى الله عليه وسلم و يكلمه باشيء	زیادہ حسد رکھتا تھا اور آپ کو بڑی زبردستی پہنچاتا

طبيب بد معنی اعلیٰ محققان
 رافیق والطیب اللہ علیہ
 میں طبیب ہوں مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا
 علاج کروں تو حضور نے ارشاد فرمایا تو بعض رفیق
 ہے اور طبیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

ابن جلیل نے تو اس ارشاد نبوی کے یہ معنی بتائے ہیں کہ ابن ابی رشتہ کو نظری طب میں کوئی دستگاہ نہیں
 تھی وہ صرف عملی طب میں جہالت رکھتا تھا جیسا کہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے :-

كان طبیباً علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزاولاً لعمال الید
 و صناعة الجراح
 وہ عہد رسالت میں طبیب تھا اور عمل بائید اور
 جراحی میں جہالت رکھتا تھا۔
 ابن جلیل کے الفاظ یہ ہیں

قال سلیمان بن حسان علم رسول اللہ
 انه رافیق الید ولم یکن فائلاً
 فان ذلك من قوله والطیب اللہ
 سلیمان بن حسان (ابن جلیل) نے لکھا ہے کہ جناب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ کچھ بات
 کا ہے عمل جراحی میں باہر ہے لیکن علم طب نظری
 طب میں کوئی دستگاہ نہیں رکھتا یہ بات ارشاد فرمائی
 ”والطیب اللہ“ سے ظاہر ہوتی ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابن ابی رشتہ جس تجربی طب (EMPIRICAL MEDICINE) میں کمال رکھتا تھا
 اس کی نگاہ نبوت میں کوئی وقعت نہ تھی۔ اور جب معلم کتاب کے حضور میں اسے کوئی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی
 تو اصحاب رسول میں اسے کیا قبول عام نصیب ہوا۔

غرض اولاً تو اس عہد کے اطباء شامی نو فلاطونیت کے بجائے ایرانی نظوریت کے خوشہ میں تھے اور
 ثانیاً خواہ وہ نو فلاطونیت کے خوشہ میں ہو یا ایرانی نظوریت کے ان کے طبی کمالات کو اسلامی سماج میں کوئی
 مقبولیت نصیب نہ ہو سکی۔ رہے شامی نو فلاطونیت کے فلسفیانہ افکار مجھے طب کے سادگی کے ضمن میں کسی

یہ حکمت عام ص ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳

بکھا ہوا تو انھیں تو انتہائی غیر مقبولیت کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ ان کے حاکمین کو اس کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا اور پھر بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔

ہفانتِ راشدہ اور یونانی	کہا جاتا ہے کہ یونانی فلسفہ کے سلسلے میں مسلمانوں کا سب سے پہلے مہری حکماء سے سابقہ
تلففے	ہوا۔ مہر شہ (مطابق ۱۲۴۸ء) میں حضرت عمر دین العاص کے ہاتھوں فتح ہوا
اور میں مبتدئ سابقہ	منقولین میں سے جو لوگ فتح کی مبارکباد دینے آئے ان میں بیان کیا جاتا ہے کہ

شہر فلسفی بھی انھوں ہی تھا۔ ابنِ تغفلے لکھا ہے :-

یجی النجومی ... عاشق الی ان فتح	یجی النجومی ... حضرت عمر دین العاص کے فتح
عمر بن العاص مصداق الا سکندریۃ	مہر د اسکندریہ گنبدہ تھادہ ان کی خدمت
و دخل علی عمر و قد عرف موضوعہ	میں حاضر ہوا اور انھیں اس کے علمی مرتبہ اور
من العلم و اعتقادہ و ماجری بہ مع	مستندات کاظم ہوا نیز اس واقعہ کا جو اسے اپنے
النصارى فاکرمہ عمر و زانی لہ	ہم مذہب عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا تھا لہذا
موضعا و سمع کلامہ فی ابطل اثبیت	انھوں نے اس کی عزت و تکریم کی اور اسے ایک
فاجبہ و سمع کلامہ الیہ فی انقضائہ	نمایاں مقام پایا انھوں نے ابطل اثبیت میں
الادھار ففتن بہ و شاہدہ بھجہ	اس کی تقریر سن کر انھیں بہت پسند آئی نیز
المنطقیۃ و سمع من الفاطمہ الفلسیۃ	انقضائے ہر مسئلے بحث پر اس کا کام سنا جس سے
اتی لہ تکن العرب بھا انہ ما ہا	وہ اس کے گرد دیبہ ہو گئے۔ انھوں نے اس کے منطقی
و کان عمر و عاقلان حسن الاجتماع	دلائل کو دیکھا اور طبعاً الفاطمہ سے
صح الفكر فلا منہ و کان لایکا د	اہل عرب انوس نہیں تھے۔ اس طرح وہ اس کی
یفا رتہ یہ	علمی قابلیت سے مرعوب ہوئے۔ اور عربوں کا
.....	مرد عاقل اور دوسروں کی بات اچھی طرح سمجھنے والے

لما تلافی فی الحرف کو جس کا قصہ اب ذکر ہے تھے انجا را علماء را بجلد انکار دے

اور مع غرور ذکر کرنے دیکھتے تھے۔ لہذا انھوں نے
اس کی صحبت کو لازم پکڑا اور کسی وقت بھی اس کی
جہاں کی گوارا نہ کرتے تھے۔

ابن النفلی کے اس چلے سے کہ "علازمہ دکان کا دیکھا دیکھا تھا" اتنا ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکیم احمد رضا
دعمر دین العاصی کی جلوت و جلوت کا مذہب تھا۔ لیکن اس سے جو تہمید لوگ دشامی سچوں کی وساطت کے
تاکلین (نکالنا) ہوتے ہیں نہیں نکلتا۔

۱) اولاً تو یہ سینہ والہ عربی تاریخ سے زیادہ افسانہ ہے۔ دو باتیں قابل غور ہیں۔
۲۔ قدیم تاریخ اس واقعہ کے ذکر سے خاموش ہیں۔ فتح مہر کے قدیم ترین ناقد ابن عہد الحکم کی "فتح
مہر و مغرب" اور البلاذری کی "فتوح البلدان" میں مگردونوں نہ تو اس ملاقات کا ذکر کرتے ہیں اور نہ حضرت
عمر دین العاصی کے کتب خانہ اسکندریہ کو جلائے کا ذکر جو اس افسانے کا نقطہ گمال ہے، حالانکہ کم از کم بلاذری
نوحی ہموں کے علاوہ دوسرے دلچسپ واقعات کو بھی کبھی کبھی استطراداً بیان کر دیتا ہے۔ قدیم مورخین کی
خاموشی اسے مشکوک بناتی ہے۔

ب۔ عمر دین العاصی کی فتح مہر و اسکندریہ سے بہت پہلے یحییٰ النخوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے
یہ سینہ ملاقات ادعا کیے بغیر ہے۔ خود مورخین، بعد کی تصدیقات کے مطابق یحییٰ النخوی کا قابل یقین حد تک
طویل العمر ہو جاتا ہے۔ ابن ابی اصیبعہ نے ابوسلمان سجستانی سے نقل کیا ہے:

کاہ یحییٰ النخوی فی ایاہ عمر بن العاصی	یحییٰ النخوی حضرت عمر دین العاصی کے زمانہ میں
و دخل الیہ و افقہ قرأ علی	تھا اور وہ ان کی خدمت میں بھی داخل ہوا تھا
امرونیس و قیرا مرونیس علی جرقلس اس نے امرونیس سے تعلیم پائی تھی اور انہوں
قال و یحییٰ النخوی یقول انہ ہونک	نے بزرگوں سے۔ اور یحییٰ النخوی نے یہ بھی کہا ہے کہ
جرقلس	اس نے بزرگوں کا زمانہ پایا تھا۔

برقلس (PROCLUS) کا سال وفات ۴۶۵ء ہے اور اسکندریہ کو حضرت عمرو بن العاصؓ نے ۶۴۲ء میں فتح کیا تھا یعنی برقلس کی وفات کے ۱۷۷ سال بعد۔ پھر ان مؤرخین نے جو دیکھی تھی کاقول نقل کیا ہے کہ میں نے کچھ اور چالیس سال کی عمر تک ہر ملامحی کی اس کے بعد کھنا پڑنا سیکھا۔

و قال قد بلغت سبعا و اربعين سنة من العمر و ما ارتفعت بشئ و ما عرفت غير تصاعده الملاححة

دیکھی تھی نے کھانے کو میری عمر کچھ اور چالیس سال ہو گئی تھی اور میں نے کچھ نہیں سیکھا تھا اور سونے ملاحی کے اور کوئی کام نہیں جانتا تھا)

پتتالیس سال کی عمر میں اُس نے پڑھنا کھنا سیکھا پھر نحو لغت اور منطق میں تجربا حاصل کیا۔ ظاہر ہے اُس کے بعد ہی اُس نے برقلس کے سامنے زمانہ نئے طرزتہ کرنے کا ارادہ کیا ہوگا جو اب بہت زیادہ بڑھا ہو چکا تھا۔ اس طرح ۴۴۲ء میں اس کی عمر دو سو سال سے کہیں زیادہ ہوگی۔ پھر ابن ابی اصیہ بعض ایسی تواریخ کے حوالے سے لکھتا ہے :-

وحدثني بعض توارىخ النصارى	میں نے نصاریٰ کی بعض تواریخ میں دیکھا ہے
ان عجل النحوى كان في الجمع الوابع	کہ عجل النحوی کا معاملہ جو تھی کونسل میں تھا
الذی اجمع في مدينة يقال لها	جو شہر فلقد و نیہ میں منعقد ہوئی تھی اور یہ
خلكد و نیہ ... و انهم لما احرزوا	بادریوں نے اسے خارج از کیسا قرار دیا تو نڈر
لو نیفوا كما اتوا المحن و مین ...	لوگوں کی طرح اُسے شہر بدر نہیں کیا و
... و تراث في مدينة القسطنطينية	شہر قسطنطنیہ میں جمع ہو گیا جہاں قیصر مر قیان
یزل بعلقیا حتمات مرقیان الملك	کی موت تک رہا۔

فلقد و نیہ کی کونسل ۴۵۱ء میں ہوئی تھی اور مر قیان کا انتقال ۴۵۳ء میں ہوا۔ ظاہر ہے ۴۵۱ء میں جس سال فلقد و نیہ کی کونسل نے عجل النحوی کو ملعون اور خارج از مذہب قرار دیا اس کی عمر پچاس سال

کے قریب ہوگی۔ اس طرح حضرت عمرو بن العاص سے مینہ ملاقات کے وقت اس کی عمر تقریباً ڈھائی سو سال ہوتی ہے اور اس وقت بھی حسب تصریح ابن القفطی اس کی ذہنی حالت بہت صحیح اور تندرست تھی کہ اس نے اپنی منطقی گفتگو سے حضرت عمرو بن العاص کو اپنا گرویدہ بنالیا یہ امور اس مینہ ملاقات کو شکوک بنادینے کے لئے کافی ہیں۔

ماتعدیہ ہے کہ یحییٰ النخوی کی شخصیت اسلامی ادب میں تاریخی سے زیادہ افسانوی رہی ہے۔ یحییٰ نے صوان الحکمہ میں اسے اسکندریہ کے بجائے ایران میں دکھایا ہے اور حضرت علیؑ کو م اللہ وجہہ کے عہد تک زندہ بتایا ہے :-

یحییٰ النخوی الملقب بالطریق والنسب	یحییٰ النخوی جو بطریق کے لقب سے لقب ہے اور دینم کی طرف منسوب ہے۔
الی الدیلم	
کاین یحییٰ الدیلمی من قداماء الحکماء	یحییٰ دلمی قدیم حکماء میں سے ہے وہ نہروانی فلسفی تھا۔ اسے امیر المومنین حضرت علیؑ کے عامل نے ایران سے نکالا اور اس کی فائزہ کو تیار کرنا چاہا تو یحییٰ نے پورا معاملہ کھڑے کر امیر المومنین حضرت علیؑ کی خدمت میں روانہ کیا اور ان سے امان چاہی پس حضرت محمد بن الحنفیہ نے حضرت علیؑ کے حکم سے اس کے لئے امان نامہ لکھا۔ یہی کہل ہے کہ میں نے اس نامہ اللہ کی نقل کو کے نہروانی حکیم ابو الفتوح مستوفی کے پاس کی تھی۔
دیور فکتب یحییٰ قعنتہ الی امیر المومنین	
وطلب منه الامان فکتب محمد بن الحنفیہ	
له کتاب الامان بما مر	
امیر المومنین۔ وقد رأیت نسخه	
هذا الکتاب فی ید یدی الحکیم ابی الفتوح	
المستوفی النصرانی الطوسی	

اس حساب سے اس کی عمر ڈھائی سو سال سے بھی زائد ہوتی ہے اور غیر معمولی طول عمر تک تاریخی

انجو بہ ہے جس کا تاریخ قدیم کی نظروں سے اوجھل ہو جانا بجائے خود ایک انحرافِ حاجت ہے۔ اور جب متاخرین کو اس کے استبعاد کا احساس ہوا تو انھوں نے اس کے ازالہ کے لئے ایک جلد بڑھا دیا کہ یحییٰ نخوی نے عمر طویل پائی چنانچہ ابن ابی امیہ نے لکھا ہے کہ اسکندر یہ میں جالینوس کی کتابوں کو سات شخصوں نے ایڑٹ کیا اور

عمر بن عبد العزیز اور الامسکند سانیعی اور اسکندر یہ کے ان علماء میں سے یحییٰ نخوی
یحییٰ النخوی الامسکند سانی الاصلی اسکندرانی نے عمر طویل پائی یہاں تک کہ تاریخ
حتی تحت اوائل الاسلام اسلام کے ابتدائی زمانہ تک تھا

ابن الندیم کے زمانہ میں بھی یہ افسانہ دیکھی نخوی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی مبینہ ملاقات ایک حقیقت سمجھا جاتا تھا مگر وہ اسے برقلس اور امرونیوس کے بجائے ساداری (SEVERUS) کا شاگرد بتاتا ہے یا نہ یہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ اس کی ملاقات پر اسے بھی اصرار ہے۔

اجناس یحییٰ النخوی..... وعاش یحییٰ النخوی.... وہ اس وقت تک بقیرجہا
الی ای تحت مصاعلی میدی عشتا تھا جب کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کو فتح
بن العاص۔ قد خل الیہ واکھہ کیا وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں
درای لہ موصعاً..... نے اُس کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور ہنر ہا
..... ایک مناسب مقام دیا۔

فالباب ابن الندیم کو یا جن لوگوں سے اُس نے اس ملاقات کو روایت کیا ہے یحییٰ النخوی کی ایک عبارت کو غلط پڑھنے سے ہوئی ہے جس سے ان لوگوں نے یہ حساب لگایا ہے کہ تصنیفِ نہرست کے وقت (۱۳۳ھ) یحییٰ النخوی کو وہ عبارت لکھے ہوئے تین سو سال سے اوپر ہوئے تھے۔ اس حساب سے یحییٰ النخوی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا ہمصر ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور اس کے بعد دونوں کی ملاقات غیر مستبعد نہیں رہتی۔

لہٰذا مولانا ابوالفضل اولیٰ علیہ السلام نے نہرست لابن الندیم ص ۲۸۶۔

و ذکر یحییٰ الخوی فی المقالہ الرابعہ
من تفسیر الکتاب السماع الطبیعی
فی الکلام فی الزمان مثلاً قال
فید مثل منتاھذ لا وہی منہ
ثلاث واربعین و ثلثمائۃ
و اقلیدانوس القبطی۔ فہذا ایدل
علی ان بیننا و بین یحییٰ الخوی ثلثا
منہ وینف و قد یحوز ان یکون
فسر ہذا الکتاب فی صدر عمر
لانہ کان فی ایام عمر و بن عاص
و حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں تھا۔

لیکن یہ عبارت مقالہ راہ کے بجائے سولہویں مقالے میں ملتی ہے جہاں ۳۲۳ء کے بجائے ۲۴۵ء
نہ گور ہے اور ۲۳۵ء ۵۲۹ء سہی کے مطابق ہوتا ہے اور اس سند میں سب لوگ یحییٰ الخوی کا
بقید حیات ہونا تسلیم کرتے ہیں۔
بہر حال کسی ہی اعتدال کی زندگی کیوں نہ بسر کی جائے ڈھائی سو سال زندہ رہنا ناقابل یقین ہے
اس لئے آکس ابرہوف نے "اسکندریہ سے بغداد تک" میں لکھا ہے۔

"اور آج ہم بالیقین جانتے ہیں کہ یونانی عالم جو قیصر میں پیدا ہوا تھا عربوں کی فتح مہر
سے تقریباً ایک صدی پہلے مر چکا تھا اگر عرب مصنفین کو اسی پر امر راہ ہے کہ عمرو بن العاصؓ فاتح
مہر سے اس کا تعلق قائم کریں حالانکہ ان کے یہاں یہ بھی مشہور تھا کہ وہ امویوں کا شاگرد تھا
اور امویوں پر وکس کا شاگرد تھا۔"

اسی طرح ثلثہ عربوں کی فتح مصر میں لکھا ہے۔

لہ انہرت النذیم ص ۳۵۶-۳۵۷ التراث الیونانی ص ۳۵۷ النفا ص ۳۵۷ ج ۱ ص ۳۵۶

NOW THERE CAN BE VERY LITTLE DOUBT ABOUT THE FORMER POINT, JOHN WAS NOT ALIVE IN 642 I NEED NOT RECAPITULATE THE WHOLE PROOF OF THIS STATEMENT. IT IS KNOWN THAT JOHN WAS WRITING AS EARLY AS 540 IF NOT BEFORE THE ACCESSION OF JUSTINIAN IN 527; AND THOUGH HE MAY HAVE SURVIVED FOR A FEW YEARS AT THE BEGINNING OF THE SEVENTH CENTURY, IF HE HAD BEEN ALIVE IN THE YEAR 642 HE WOULD NOT HAVE BEEN LESS THAN 120 YEARS. IT IS THEREFORE CLEAR THAT PHILOPONUS HAD BEEN DEAD FOR SOME THIRTY OR FORTY YEARS WHEN AMR ENTERED ALEXANDRIA."

رہا اب ان میں سے پہلی بات کے متعلق تو کوئی شک نہیں ہے۔ یحییٰ ۲۲۲ء میں بقیہ حیات نہیں تھا۔ میرے لئے اس وجوہ کے تمام دلائل کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ اگر فیصلہ جینیان کی تخت نشینی سے پہلے ۲۲۲ء میں نہیں تو کم از کم یحییٰ النخوی ۲۲۲ء میں ضرور تصنیف و تالیف کے اندر مشغول تھا اور ہر چند کہ وہ ساتویں صدی کے آغاز میں کچھ سال زندہ رہا ہو اگر وہ ۲۲۲ء میں زندہ ہوتا تو اس کی عمر ۱۲۰ سال سے کم نہ ہوتی۔

لہذا یہ ثابت ہے کہ فیلوپونس یحییٰ النخوی، عمرو بن العاص کے اسکندریہ میں داخل ہونے سے کوئی تیس چالیس سال پہلے مر چکا تھا۔

ظاہر ہے جب بھی الخوی نوح مہر و اسکندریہ سے ایک قرن یا تیس چالیس سال پہلے مرچکا ہو تو مہر و
عمر و بن العاصیؓ کے ساتھ اس کی ملاقات کیسی۔ اور جب ملاقات ہی نہیں ہوئی تو امر اور دوسا مہر و بن
کو متعارف کرانے کا کیا سوال۔

۲۴) تاناہا: اگر علی سبیل الترتیل فرض کر لیا جائے کہ یہ قصہ صحیح ہے تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ
بکئی الخوی نے مسلمانوں میں فلسفہ کو ہر دلعزیز بنایا یا کسی عقلی منہ نگاری کی تحریک کو پیدا کیا۔
اوپر اس قصہ کی تین روایتیں گذری ہیں: ابن الندیم کی، ابن السفلی کی اور بیہقی کی روایت تو
یقیناً غلط ہے بکئی الخوی نہ دلی تھا نہ ایران میں اس کی جاننا تھا۔ باقی دو روایتوں سے بھی اگر انھیں
فرض کر لیا جائے تو بجائے یہ ثابت ہونے کے کہ بکئی الخوی نے مسلمانوں کو فلسفہ کا چکا لگا یا یہی ثابت ہوتا
ہے کہ فلسفہ مسلمانوں میں قطعاً غیر مقبول ثابت ہوا۔

۱۔ ابن الندیم نے صرف اس قدر لکھا ہے:-

و عاش الى ان فقت مصر على يدى	د بکئی الخوی، اس وقت تک بقیدیات تھاجب کہ
عمر و بن العاصی قد خل اليه واكثر	حضرت عمرو بن العاصؓ نے مہر کو فتح کیا۔ وہ
ورأى له موضوعاً	اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے اُس
.....	بڑا اعزاز و اکرام کیا اور اپنے یہاں ایک نشست
.....	تعام دیا۔

لیکن اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالنے کے بجائے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ فلسفہ کے گردیدہ ہو گئے، اسے
اُن کے مومن تدبیر پر محمول کرنا اقرب الی الصواب ہو گا۔ ان کی سیرت ہمارے سامنے ہے۔ ”مکر و دہا“ اُن کا
اتیار ہی وصف تھا چنانچہ ابن عساکر نے شہی سے روایت کیا ہے:

قال دهات العاصى اربعة معاوية	عرب سیاست دان چار ہیں: امیر معاویہ، حضرت
وعمر بن العاصى والمغيرة بن شعبه	عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ

لہ الغبرۃ لابن الندیم ص ۳۵۶۔

رضیا۔ ناما معاویہ فلیعلم والاقتا
امیر معاویہ اپنے علم و بر دباری کے لئے اور حضرت
دعا معاویہ فلیعلم صلات
عروبن العاص مشکل پچھائیوں کو سلجھانے کے
لئے مشہور ہیں۔

اور اس مزاج کے لوگوں کو فلسفیانہ دقیق سے کم دلچسپی ہو کر تی ہے اگرچہ وہ ظاہری کیا کرتے ہیں کہ
ان باہت سے خصوصی ذوق ہے۔

اس بات کا بھی امکان ہے کہ ان کے اس اعزاز و اکرام اور حسن استماع میں کوئی سیاسی چال منہر ہو۔
ان کے لئے نفع عرب سے پہلے کے معمر کی مہاشترتی و مذہبی حالت کا مطالعہ کرنا ہو گا۔ معمر کی اس سے پہلے کی تاریخ
بن بالاوتی کے خلاف مسلسل نفرت اور مختلف فرقوں کی کشمکش کی ایک آئینہ دینے والی داستان ہے جو حقیقی
مذہبی سچی کے درج دوم سے جو یہ مذہبی منافقات شروع ہوئے تو آخر تک ختم ہونے کا نام نہیں لیا۔ جس فرقہ
سیاسی غلبہ حاصل ہو جاوہ اپنے مخالفین کو ملعون و فارج از کلیسا قرار دلوادینا۔ ان مذہبی نزاعوں نے معمر
تاوی یک جہتی اور سیاسی استحکام کو بارہ بارہ کر دیا تھا اور اسی اندرونی غلط فہمی کی وجہ سے پہلے اہل فارس
پر عرب ان پر اس آسانی سے قابو پا گئے۔

بہر حال انسی مذہبی تنگ نظری کا شکاری الخوی تھا جسے غلط فہمی کی مذہبی کونسل نے خارج از دین قرار
یا تھا۔ لہذا اگر اس مبینہ ملاقات کو صحیح فرض کیا جائے تو اس کی تاویل صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ حضرت
دین العاص نے ایک سیاست (DIPLOMAT) کی طرح تمام ریسرہ اعلیت کو اپنے یہاں بارعیا اور
ان کے خطبات و مواظط کو سننے اور ان پر اظہار قدر افزائی کرنے کے ذریعے ان کی بہت افزائی کی تاکہ
غزنین میں مذہبی تفریق نہ رہے اور وہ نئے فاتحین کے خلاف متحدہ محاذ قائم نہ کر سکیں۔

ب۔ ابن القفلی کا بیان بہت زیادہ مفصل ہے۔ اس نے صرف اس اعزاز و اکرام کا پورے گردیدگی و
تخلین ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سارے قصبے کا جو شاہکار ہے یعنی "اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلانے کا قصہ"
سک بھی تفصیل دی ہے۔ چنانچہ اعزاز و اکرام اور گردیدگی کے ذکر کے بعد جو اوپر مذکور ہو چکا ہے وہ

تبعہ القضاہ میسر علی ص ۱۳۸۔

لکھا ہے :-

ثم قال له يحيى يرما انت قد احطت
بجوامع الاسكندرية وختمت على
كل الاقسام الموجودة بها فاما
مالك به انتفاع فلا اعلم خذ
واما ما لا نفع لك به فخذ اولى به
فامرنا لافراج عنه فقال له عمر
ما الذي تحتاج اليه قال كتب الحكمه
في خزائن الملوكيه وقد اوقفت الخ
عليها رغني تحتاجون اليها ولا نفع
لكم بها فقال له ومن جمع هذا
الكتب وما قصته ها
.....
.....

پھر ایک دن یحییٰ النخوی نے اُن سے کہا آپ نے
پورے اسکندریہ پر پیرا بھا دیا ہے اور وہاں
کی جملہ موجودات پر پیرا لگادی ہے۔ تو جو چیز آپ کے
فائدہ کی ہے اس کے لئے ہم آپ سے کچھ نہیں
کہتے البتہ جو چیز آپ کے لئے بے کار ہے تو پھر
اُس کے ہم زیادہ سختی میں لہذا آپ اس پر سے
پیرا اٹھانے کا حکم دیدیجئے حضرت عمرو بن العاصؓ
نے دریافت کیا وہ کیا چیز ہے جس کی تمہیں ضرورت
ہے تو یحییٰ النخوی نے کہا سنا ہی کتب خانہ کی
حکمت و فلسفہ کی کتابیں جن پر آپ نے پیرا لگا
دیا ہے اور ہم اس کے ہاتھ میں ادا آپ کے
لئے وہ بے کار ہیں تو انھوں نے پوچھا ان کتابوں
کو کس نے جمع کیا اور ان کا کیا واقعہ ہے۔

اس پر یحییٰ النخوی نے اس مشہور لائبریری کا قصہ سنایا کہ کس طرح بطلمیوس فیلاولیس نے اس کی بنیاد ڈالی اور
کس طرح بعد یحییٰ کے زمانہ تک اس میں اضافہ ہوتے رہے۔ اسے سنکر حضرت عمرو بن العاصؓ کو بڑا تعجب ہوا۔

الطبرانی :-

قال لا یکنی ان امر فہا الا بعد استئذان
امیر المؤمنین محمد بن الخطاب وکم
الی عمر و عرفہ قول یحییٰ الذی ذکرنا
حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا میرے لئے اس
مسئلہ میں حکم جاری کرنا ناممکن ہے گویا امیر المؤمنین
حضرت عمر بن الخطابؓ سے اجازت لینے کے بعد

یہ بات منسل ہے کہ شاید ناگن بھی کہم چوتھی صدی عیسوی کے انقزام کے بعد اسکندریہ میں کسی واقعی لائبریری کا وجود فرض کر سکیں؟

اسی طرح کریٹن ملنی (CRAFTON MILNE) لکھا ہے۔

”چوتھی صدی میں شہر اسکندریہ کے اندر کسی لائبریری کے موجود ہونے کا ثبوت نہیں ملتا اور یہ فرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہاں کسی مذہبی یا ملکی حاکم نے کسی کتب خانہ کی نگہداشت کی رحمت کی ہو۔“

لیکن اس مختصر مقالے کا موضوع کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کے افسانہ پر تبصرہ کرنا نہیں ہے۔ فرض کیجئے اختلاف کا ذیہ کا پشامہ کا صحیح تھا تو اس سے اس کے سوا اور کیا ثابت ہو سکتا ہے کہ قدیم ترین فلسفی جس پر مسلمانوں کا سابقہ ہوا وہ ان میں کسی پائدار اور دیرپا عقلی تحریک کی بنیاد ڈالنا تو درکنار اسلام کی اجتماعی فکر کو آنا بھی ہوا نہ کر سکا کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے ہی واسطے فلسفہ کے مطالعہ کے لئے اسکندریہ کی لائبریری سے استفادہ کی اجازت لے لیتا۔

پھر مسلمانوں نے اپنی مبنیہ حکمت دشمنی کا ثبوت تو بعد میں دیا۔ اس سے پہلے ہی اس فلسفی کو یقین ہو چکا تھا کہ اس کی تنہا دن کی جمالت و ہم نشینی بھی ان مسلمانوں میں کسی عقلی سرنگائی کی تحریک پیدا نہیں کر سکی۔ اس لئے ایسے لوگوں کے لئے علم و حکمت کے جو اہر پارے بے کار ہیں اور بجائے اس کے کہ ان کی تولیت میں علوم الادا کے ان نوادر کو دیکھا کھا کر ختم کر دیں۔ یہ لائبریری تیسے اور اس کے ہم مذاق حکماء ہی کو پوری جائے جو اس کی قدر کر سکتے تھے اسی وجہ سے اس نے کہا تھا۔

”فاما مالک بہ انتفاع فلا اعراضک واما ما لا نفع لک بہ

فمن اولیٰ بہ۔“

EV. BRECCIA: ALEXANDREA AD AEGYPTUM P. 49

بحوالہ المراث الیونانی ص ۴۱۔

J. CRAFTON MILNE: HISTORY OF EGYPT UNDER

ROMAN RULE, P. 95

اگر بھی النحوی نے حضرت عمرو بن العاصؓ اور دیگر نبیوں میں فلسفہ و حکمت کا شوق پیدا کر دیا ہوتا یا
اسے امید ہوتی کہ یہ نو تمدن باور نشین مستقبل میں یونانی عقلیات سمجھنے کی رحمت گوارا کریں گے تو وہ اس
لابرہیری کو مالا نفع لکھ رہے تھے تعیر نہ کرتا بلکہ انھیں اس سے استفادہ کا شوق دلانا۔

غرض عہدِ خلافت راشدہ (۶۱۰ء تا ۶۶۰ء) میں تنہا مثال بھی النحوی کی ہے جس سے مسلمانوں کا سابقہ
بتایا جاتا ہے مگر تاریخی تنقید کی کوئی پرکھنے سے یہ قہرہ افسانہ ثابت ہوتا ہے اور اگر تاریخی حقیقت بھی
ثابت ہو تو اس سے صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خواہ بھی النحوی نے کوشش کی ہو یا نہ کی ہو یونانی عقلیات
مسلمانوں میں مقبول نہ ہو سکی۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد میں شائع ہونے والا

واحد ہفت روزہ

”الہلال“ اور ”البلاغ“

کی عظیم روایات کا آئینہ دار

پیشکش
الکلام

نوعِ جزمِ قائلوں، ادبی شہادوں، سیاسی قیموں اور تازہ ترین
بین الاقوامی معلومات اور شکرات کے ساتھ ہر سچ کو پوری پابندی سے
شائع ہوتا ہے۔ مولانا آزاد کی لافانی نگارشات اور ان کے اعلیٰ دنیا
پر گزشتہ مشائین الکلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ ملک کے
نامور ادیبوں اور عالموں اور میاوی رسائل و جرائد کے الکلام
کے میعار کو سرا ہے۔ میاوی کتابت و طباعت سید کا نظر۔

آرٹیکل قیمت فی پے ۲۵ پے اور سالانہ ۱۲ پے۔ پتہ: ”الکلام“ پٹنہ

فقہی احکام میں تحفیف و سہولت کے

چند اسباب

(از: مولانا محمد تقی عثمانی صدر مدرس دارالعلوم معینیہ اجیر شریف)

ذیل میں چند وہ اسباب بیان کئے جاتے ہیں، جن سے احکام میں تحفیف و سہولت کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور نئے حالات و مسائل کا حل تلاش کرنے میں بھی ان سے بڑی حد تک مدد ملتی ہے۔

فقہانہ الہی پالیسی اور عمومی معاہدے کے تحت اس قسم کے آٹھ اسباب بیان کئے ہیں (۱) سفر (۲) مرض (۳) اکراہ جبر و بردستی (۴) نسیان "بھولنا" (۵) جہل "لامعلی" (۶) عسر "مشکل" اور دشواری میں پڑ جانا (۷) عموم البلوی "عام طور پر لوگوں کا مبتلا ہونا" (۸) نقص (قدرتی طور پر کمی)

ہر ایک کی تفصیل یہ ہے۔

سفر کی وجہ سے نمری | ۱۔ سفر کی دو قسمیں ہیں اور ان دونوں سے شعلی رخصت اور سہولتیں درج ذیل ہیں۔

(۱) نمری سفر: یہ کم از کم ۸ میل کا ہوتا ہے کسی دور کی مسافت کا ارادہ کر کے چلنے سے مسافر کو وہ تمام سہولتیں حاصل ہو جاتی ہیں جو الہی شریعت نے اُسے عطا فرمائی ہیں مثلاً بجائے چار رکعت کے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے سنتوں کی تاکید ختم ہو جاتی ہے۔ روزہ میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے روزہ پر نہیں دن اور تین رات تک مسح کرتے رہنا جائز ہوتا ہے اور قربانی اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

(ب) عام کاروباری سفر۔ اس میں مذکورہ لمبی مسافت کی قید نہیں ہے بلکہ انسان اپنے روزمرہ کے کاروبار کے سلسلہ میں وطن سے کچھ دور نکل جاتا ہے اور جلد ہی واپس آتا ہے۔ اس سفر کی خصوصیتوں میں جمعہ، عیدین اور جماعت کے ترک کی اجازت۔ پانی ایک میل دور ہونے کی صورت میں تحیم کا جواز اور جانور پر سوار نوافل پڑھنے کی اجازت وغیرہ شامل ہیں۔

مرض کی وجہ سے شرعی سہولتیں | (۷) مرض کے حالات کی خصوصیتیں فقہی احکام میں بہت ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ وہو اور غسل کرنے میں مرض بڑھ جانے یا اس کے دیر میں اچھے ہونے کا اندیشہ ہو تو تحیم کی اجازت ہے۔ مرض کی حالت میں بیٹھ کر لیٹ کر اشارہ کے ذریعہ جس طرح بھی سہولت ہونا پڑھنا جائز ہے۔ روزہ کے دنوں میں روزہ نہ رکھنا مرض کی وجہ سے اعتکاف سے باہر ہو جانا حج میں اپنا قائم مقام شخص بھیج دینا وغیرہ سب کی گنجائش ہے۔

اسی طرح بہت سی ممنوع چیزیں بھی مرض کی وجہ سے مباح ہو جاتی ہیں۔ مثلاً نجس چیزوں اور شراب وغیرہ سے علاج کرنا۔ باطن میں کوئی چیز بھنس جائے تو حرام حلال جس کے ذریعہ بھی ممکن ہو گلو غلامی کرنا۔ ڈاکٹر اور حکیم کو ان معاملات کا معائنہ کرنا جن کے دیکھنے کی عام حالت میں اجازت نہیں ہوتی۔ البتہ اس اجازت کو بلا ضرورت کام میں لانا یا ضرورت کی وجہ سے تجاوز کرنا یا غلط استعمال کرنا یہ سب سہولتیں ممنوع ہیں۔ الہی شریعت کی جو خصوصیات اور سہولتیں ضرورت کی بنا پر ہوتی ہیں وہ بس ضرورت ہی کی حد تک معتبر ہوتی ہیں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

جہ زبردستی کی نہیں | (۸) اگر وہ جس کام کو کرنا نہ چاہے اس کے کرنے پر زبردستی مجبور کیا جائے۔

فقہاء نے اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) جس شخص پر زبردستی کی گئی ہے اس کو اس طرح مجبور دے بس بنا دیا جائے کہ اس کی ضمانت اور اعتبار کا سوال ہی نہ باقی رہے یہ حالت اس صورت میں پائی جاتی ہے کہ کذابہ ملنے میں قتل کرنے یا کسی عضو کو تلف کر دینے کا اندیشہ ہو ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی جان یا عضو کے تلف کو ہتھیارِ غبت نہ منظور کرے گا اور نہ ہی اپنے قصود و اعتبار سے اس صورتِ حال کو گوارا کرنے کے لئے تیار ہو گا۔

(ب) جان یا عضو کے تلف کا اندیشہ نہ ہو لیکن کہنا نہ ماننے کی صورت میں عہدہ دراز ملک قید و بند میں رہنے کی مشکلات ہوں۔ اس حالت میں رضا مندی بنیک نہیں پائی جاتی ہے لیکن اقدیار بہر حال باقی رہتا ہے نیز مجبور سی یا بے بسی کی پہلی جیسی حالت نہیں پائی جاتی ہے۔

(ج) جس شخص پر زبردستی کی جا رہی ہے خود اس کے قید و بند میں رہنے کا سوال نہ ہو بلکہ اس کے عزیز قریب باپ بیٹے وغیرہ کے لئے قید و بند کی صعوبتیں درپیش ہوں۔ اس کا دہمہ دوسری قسم سے بھی کمتر ہے۔ اس میں رضا مندی اور اقدیار دونوں باقی رہ سکتے ہیں۔

جو زبردستی انسان کو فروغِ اعظم | فقہار کے نزدیک جبر و زبردستی کی کوئی قسم بھی انسان کو مرفوتِ اعظم نہیں
نہیں بناتی ہے | بناتی ہے بلکہ شرعی احکام کا مخاطب و مستفہد ہر صورت میں وہ باقی رہتا
ہے البتہ موقع و محل کے لحاظ سے تخفیف و سہولت کی تسکین نکال دی جاتی ہیں جن کی اھولی رنگ میں
تفصیل یہ ہے۔

جبر و زبردستی (۱) قول میں ہو (۲) یا فعل میں ہو یعنی کسی بات کے نہنے پر انسان کو مجبور کیا جائے یا کسی کام کے کرنے پر مجبور کیا جائے جن صورتوں میں انسان دوسرے شخص کا آلہ بن سکتا ہے ان میں یہ دوسرا شخص ہی دھم و اتر قرار دیا جائے گا جس پر زبردستی کی گئی ہے وہ بری الذمہ ہو گا مثلاً کسی شخص کو کسی کے ارڈالنے پر یا کسی کو مال تلف کر دینے پر مجبور کیا گیا اور اس نے قتل کر دیا یا مال ضائع کر دیا تو قصاص دیت (جان کا تاوان) اور مال کا تاوان زبردستی کرنے والے پر ہو گا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی صورتیں اترال میں نہیں پائی جاسکتی ہیں کیونکہ دوسرے شخص کی زبان سے کلام نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بہت سے کام بھی ایسے ہیں جن میں انسان دوسرے کا آلہ نہیں بن سکتا ہے اس فرق سے لحاظ سے فقہار نے اقوال و افعال کی درج ذیل تقسیم کی ہے

اترال و افعال میں احکام | (۱) وہ بات اگر ایسی ہے جس کو شرعی لحاظ سے قابلِ اقدار بنانے کے لئے قابل کی
کی تفصیل | رضا مندی ضروری نہیں ہے صرف زبان سے نکال دینا ہی کافی ہے نیز کہنے کے

بعد وہ بات کا عدم دائرہ کار زوال نہ ہو سکتی ہو تو زبردستی کہنے پر بھی وہ بات واجب ہو جائے گی مثلاً صلح

طلاق کے بعد دوبارہ رجوع وغیرہ معاملات ایسے ہیں جن میں کہنے والے کی رضامندی وغیرہ رضامندی کو دخل نہیں ہے اور نہ ہی کہنے کے بعد وہ کالعدم ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جان کے بدلہ کسی کی جان بخشی دینا سے معافی ایسے قسم (رسم) نذر دینا ایسی کو کسی محرم کے ساتھ مشابہت دینا یا باہمی تعلقات نہ رکھنے کی قسم کھانا وغیرہ امور بھی فقہاء کے نزدیک اسی قسم میں داخل ہیں یعنی جبر و زبردستی سے بھی مذکورہ امور واقع ہو جائیں گے (۲) وہ بات اگر ایسی ہے جو فسخ کا احتمال رکھتی ہے اور قائل کی رضامندی پر موقوف ہے وغیرہ رضامندی کے وہ بات نہیں ہو سکتی ہے، جیسے خرید و فروخت یا اگر ایہ پر دینے کا معاملہ ہے ان معاملات میں محل در آمد کے لئے قائل کی رضامندی ضروری ہے جبر و زبردستی سے یہ واقع تو ہو جائیں گے لیکن فاسد ہوں گے۔ جبر کی حالت کے بعد اگر وہ باقی رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے ختم کرنا چاہے تو ختم کر سکتا ہے۔

فعل د کام کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) کسی ایسے کام کے کرنے پر زبردستی کی گئی جو عموماً دوسرے کے آلہ سے نہیں ہوتا ہے مثلاً کھانا دینا ظاہر ہے کہ دوسرے کے منہ سے خو دکھانے جیسے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ہے یا کسی کے جبر کرنے سے اطلاق نہ حرکت کا انتخاب کہ اس میں بھی دوسرے کو دخل نہیں ہوتا ہے انسان خود ہی اپنے جسم سے مرکب ہوتا ہے ان صورتوں میں ذمہ دار وہی شخص قرار پائے گا جس پر زبردستی کی گئی ہے روزہ کی حالت میں کھائے گا تو روزہ کھلانے والے کا نہیں فاسد ہوگا بلکہ کھلانے والے کا فاسد ہوگا جرم و بدکاری کے انتخاب میں منکر مرکب پر جاری ہوگی حکم مینے والے پر نہ ہوگی البتہ جن صورتوں میں تاوان کی نوبت آئے کہ مثلاً دوسرے کا کھانا کھلانے پر زبردستی کی گئی ہو تو یہ تاوان زبردستی کرنے والے کو دینا پڑے گا۔

(۲) جس کام میں دوسرے کا آلہ بن سکتا ہے جیسے کسی کو مار ڈالنا کسی کا مال ضائع کر دینا وغیرہ اس قسم کی صورتوں میں کرنے والا شخص بری الذمہ ہوگا اصل مجرم زبردستی کرنے والا ہی سمجھا جائے گا جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہے اس لئے کہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کی گردن پر چھری بھرا دینا کسی کے ہاتھ سے بذوق جلا دینا کہ جس سے دوسرے کا ہاتھ ہو جائے یا ہاتھ پکڑ کر مال تلف کرنے پر لگا دینا وغیرہ ایسی صورتیں ممکن اور قویع ہیں کہ اس طرح انسان دوسرے کے آلہ کو استعمال کر کے نقصان کرا دے اور

پنشنس جبر و برہستی کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہو جا

رضعت و سہولت اثرات | جبر و اکراہ کی موجودہ صورتوں میں الہی شریعت نے اثرات و نتائج کے لحاظ سے رخصت و نتائج کے لحاظ سے ہیں | و سہولت کی شخصیں مرتب کی ہیں یعنی جن صورتوں کا اثر خود انسان کی ذات تک

محدود ہو جاتا ہے ان میں کافی وسعت اور فراخ حوصلگی سے کام لیا ہے اور جن کا اثر دوسروں تک سرایت کرتا ہے ان میں تنگی اور حد بندی زیادہ پائی جاتی ہے ظاہر ہے کہ ضرر لازم اور ضرر متعدی کے فرق کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ فقہاء کے نزدیک اسی اصول کے تحت جبر و اکراہ کی بعض صورتوں پر عمل کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے مثلاً

(۱) کسی شخص کو بدکاری پر مجبور کیا جائے تو اس کو اس فعل کے کرنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ اس میں نسب کی خرابی اور بچہ کے لئے گونا گوں برائیاں ایسی ہیں کہ جن کا اثر کہیں سے کہیں پہنچتا ہے اس بناء پر ایک لحاظ سے یہ فعل قتل نفس کی مراد ہے۔

(۲) کسی شخص کے قتل پر یا عضو کے کاٹنے پر مجبور کیا جائے تو اس صورت میں بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اپنی جان یا عضو کے بچانے کے لئے دوسرے کی جان و عضو سے کھیلنا الہی یا ایسی اور احترام انسانیت کے منافی ہے یہاں تو خود کو فنا کر کے دوسروں کے لئے بقاء کا سامان فراہم کرنے کے فلسفہ پر عمل درآمد کا حکم ہے نہ یہ کہ دوسروں کو فنا کر کے خود کو باقی رکھا جائے۔

بعض وہ صورتیں جن میں رخصت ہے یہ ہیں۔

(۱) مرد اور عورتیں جن میں رخصت ہے کھانے پر برہستی کی جائے تو جان بچانے کے لئے اُن کا استعمال ضروری ہے اگر استعمال نہ کیا اور قتل کر دیا گیا تو الہی شریعت میں وہ مجرم گردانا جائے گا ایک طرف جان کا بچانا فرض ہے اور دوسری طرف ان چیزوں کا ضرر پہلی صورتوں جیسا متعدی بھی نہیں ہے اس بناء پر اس رخصت پر عمل نہ کرنا بھی جرم ہے۔

(۲) کفر کفر کہنے پر برہستی کی جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو اس بات کی اجازت ہے کہ زبان سے کلمہ اگر نہ کہا اور قتل کر دیا گیا تو مجرم نہ ہوگا بلکہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ ان دونوں

مہورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی میں جبر و اکراہ کی وجہ سے فعل کی حرمت ہی ختم ہوگئی تھی اب وہ مل بجائے
حرام کے مباح بن گیا تھا ظاہر ہے کہ مباح کے استعمال سے رکنا اور اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا جرم و گناہ
کا موجب ہے۔ اور دوسری مہورت میں فعل کی حرمت بدستور قائم تھی جبر و اکراہ کی وجہ سے حفاظت نفس
کی خاطر رخصت دے دی گئی تھی اس رخصت پر عمل نہ کرنے سے حرمت کا احترام کیا اور عزیمت پر عمل
کیا اس بنا پر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

نسبیاں کی وجہ سے	(۲) نیاں (بھول جانا)
شرعی سہولتیں	بھول کر بے عمل بات یا کام کرنے سے گناہ نہیں ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی درج ذیل حدیث میں یہی مراد ہے۔

ان الله تعالى وضع عن امتي الخطا
والنسيان
ان الله تعالى نے میری امت سے خطا اور نسیان
اٹھادیا ہے۔

رہی یہ بات کہ اس کا مدار کبھی واجب نہ ہو نسیاں کی حالت میں بس جو ہو گیا وہ ہو گیا اس لحاظ
سے الٰہی شریعت میں نسیان کوئی عذر نہیں ہے چنانچہ فقہار کے نزدیک مدارک کی تفصیل یہ بیان کی
جاتی ہے۔

(۱) نسیان کی وجہ سے کسی حکم پر عمل درآمد نہ ہو سکا تو بعد میں اس کی قضا واجب ہے نماز پڑھنا
بھول گیا یا روزہ زکوٰۃ حج کفارہ نذر و منت (ذخیرہ کی ادائیگی یا دہنہ رہی تو ان سب مہورتوں میں
قضا واجب ہے البتہ گناہ نہ ہوگا۔

(۲) نسیان کی وجہ سے کسی ایسے کام کا ارتکاب کر لیا جس کی مخالفت تھی تو اللہ تعالیٰ اس پر سزا
نہیں دے گا لیکن عدالتی فیصلہ سے نجات نہ مل سکے گی مثلاً بھول کر کسی کا مال چھان کر دیا تو اس کا
تاوان ادا کرنا پڑے گا اتنی رعایت ضرور ہے کہ عدالت حتی الامکان سزا سے گریز کرے گی بشرطیکہ
نسیان کا ثبوت فراہم ہو جائے۔

(۳) جن امور میں شرعی لحاظ سے زبان سے صرف الفاظ کا ادا کیا کافی ہے بھول کر ان کے

کرنے سے بھی وہ امور واقع ہو جائیں گے مثلاً عینِ رقص، طلاق کران میں جان بوجھ اور بھول دونوں برابر ہیں۔
 (۴) جس فعل میں نسیان ہوا ہے اگر اس کی ایسی حالت ہے کہ وہ حالت خود ہی یاد دلانے والی بنتی
 رہتی ہے تو بھول کر اس کے خلاف کرنے سے وہ باطل ہو جائے گا مثلاً نماز میں کھاپی لیا یا سکلام کیا تو چونکہ نماز
 کی حالت ایسی نہیں ہے کہ بالعموم انسان کو یاد نہ رہے نیز کھانے پینے وغیرہ کا داعیہ بھی اس میں نہیں
 پایا جاتا ہے اس بنا پر نماز باطل ہو جائے گی۔

(۵) اگر وہ فعل ایسا نہیں ہے بلکہ باوقات یاد نہیں رہتا ہے اور داعیہ بھی پایا جاتا ہے تو اس صورت
 میں بھول کر اس کے خلاف کرنے سے وہ باطل نہ ہوگا مثلاً روزہ کی حالت کہ اس میں کھانے پینے کی طرف غلبہ
 موجود رہتی ہے اور باوقات انسان کی نظر سے روزہ اوجھل بھی ہو جاتا ہے اس بنا پر روزہ کی حالت میں
 بھول کر کھاپی لینے سے روزہ نہ باطل ہوگا اسی طرح ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو وہ ذبح درست
 ہو جائے گا کیونکہ کبھی تو انسان پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور کبھی طبعاً ذبح کرنے سے انقباض ہوتا ہے یہ
 باتیں ایسی ہیں کہ یاد دلانے والی نہیں کہی جاسکتی ہیں۔

(۶) جن دلائل کی وجہ سے | (۷) جن دلائل کی وجہ سے | (۸) جن دلائل کی وجہ سے |
 جہل دلائل کی وجہ سے | جہل دلائل کی وجہ سے | جہل دلائل کی وجہ سے |
 شرعی سہولتیں | شرعی سہولتیں | شرعی سہولتیں |

(۱) اسلام کی بنیادی تعلیم تو وجود رسالت وغیرہ سے لازمی دینی اور عدالتی مواضع سے برہی
 کر دے گی لیکن اخروی مواضع سے برأت نہ ہو سکے گی ایک غیر مسلم اس بات کا مکلف ہے کہ وہ بنیادی تعلیمات
 سے واقفیت حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہو اس کے باوجود اگر وہ لاعلم رہتا ہے تو دینی معاملات میں وہ
 معذور سمجھا جائے گا کیونکہ الہی شریعت نے دین کے معاملہ میں جبر و برہستی کی کوئی شکل بھی برداشت نہیں کی
 (۲) جن مسائل میں اجتہاد کی گنجائش ہو وہاں اہل صورت سے لازمی بھی غدر قرار پائے گی مثلاً کسی نے
 سمجھا کہ بچہ لگانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے پھر جان بوجھ کر کھاپی لیا تو روزہ کا کھلنا نہ واجب ہوگا کیونکہ کھانا
 تصریحات خدا کی مٹوید بھی پائی جاتی ہیں اسی بنا پر امام اوزاعی کا مسلک ہے کہ روزہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن جو کہ
 زیادہ تر رجحان عام فساد ہے اس لئے وہی اہل سلف قرار پائے گا۔

یہ اس صورت میں ہے جہاں حقیقتاً اجتہاد کی گنجائش ہو لیکن انھوں میں کچھ کی موجودگی میں جہاں اس کی ضرورت نہ ہو وہاں اجتہاد اور پھر اہل مسئلہ سے لاطمی دونوں غدر نہ ہوں گے۔
(۴) دار الحرب میں کسی مسلمان کی الہی شریعت سے لاطمی بھی بڑی حد تک عذر ہوگی بشرطیکہ تعلیم کی سہولتیں وہاں نہ میسر ہوں۔ دارالاسلام میں یہ لاطمی عذر نہیں ہے۔

اس حکم میں نفع کی دہورتیں بھی داخل ہیں جن میں لڑکی کے اہل سرپرست والد اور دادا کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار ان کی اطلاع اور علم میں لائے بغیر نفاذ کا رشتہ قائم کر دے تو علم کے بعد نفاذ منع کرنے کا اختیار ہوگا یہ اختیار اس وقت بھی باقی رہے گا جب کہ والد اور دادا کی طرف سے خود غرضی اور ذاتی منافع کا منہر ہو اور وہ رشتہ کرنے میں اپنے منافع کی خاطر لڑکی کا منافع نظر انداز کر دیں۔

عسرارِ عیوم الملبوی (۶ و ۷) عسر شمس و دشواری پیش آنا اور عیوم الملبوی روزِ مہر کی زندگی میں عام طور پر اس سے سابقہ پڑنا اور احتیاط دشوار ہونا یہ دونوں حالتیں بھی الہی شریعت میں تخفیف کی تفصیل

دہولت کا سبب ہیں کیونکہ الہی پالیسی یہ ہے

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اَلَا وُسْعَهَا اللہ تعالیٰ کسی کی حیثیت سے زیادہ اس کو تکلیف

نہیں دیتا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری اور مشکل میں ڈال نہیں چاہتا ہے۔

فقہانے اس سلسلے میں کافی رعایت اور فراخی سے کام لیا ہے اور مشکل و دشواری کو دینا بتداری کے ساتھ کچھ کرسائل کا استنباط کیا ہے، زیر میں چند وہ مسائل ذکر کئے جاتے ہیں جن سے اس الہی پالیسی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے نیز ان کے ذریعہ استدلال و استنباط کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

نفی دہولت کی باکی و بڑائی کے متعلق چند مسائل ہیں۔
چند باتیں نہایت دلگدگی کی غلاطی اور خفت کی طرف تقسیم کی گئی اور دونوں کی حیثیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مقدار کی معافی دی گئی۔

بغیر سب کا خون، سرنگ کپڑے کو تر چڑھا دیا۔ وہ کی پٹ کپڑے یا بدن کو لگ جائے تو صاف ہے اسی طرح پٹیا کے دو پھینٹے جو نہایت باریک سوئی کھنکے جیسے ہوتے ہیں، ناپاک چیزوں کا دھواں اور ان کا پیاب و پانہ بھی صاف ہے جن میں سینے والا خون نہیں ہوتا ہے۔

جس نجاست کا اثر دھونے کے باوجود نہ زائل ہوا، ایسے ہی جو نجاست جل کر راکھ ہو جائے یا نجس چیز کے اجزاء کپڑے و بدن کو لگ جائیں سب پاک ہوں گے۔

جو ہے کی ایک آدمی گھنی دودھ میں گر جائے اور ٹوٹنے سے پہلے نکال لی جائے صاحبِ عذر آدمی جب کبھی نجاست دھوئے فوراً نکل آئے اور کپڑے کو خراب کر دے غسلِ نہانہ کی دیوار میں جو ناپاک ہوں اور ان سے لگ کر پانی پکے، عمارت کے لئے دو گار اہس میں مٹی یا پانی ناپاک ہو، بازار میں پانی کا جھڑکاؤ ہو اور اس سے پاؤں بھیگ جائیں وغیرہ۔

اور اس قسم کی بہت سی ہوتی ہیں جن میں ”معموم البلوئی“ اور مشقت کی وجہ سے پاکی اور صافی کا حکم بیگیا ان کے علاوہ دوسری قسم کی چند شخصیتیں اور ہولتیں یہ ہیں۔

گھر بھنکی حالت میں بھی مندر دل پر مسج کی اجازت ہے۔ پانی کی ہلات میں بنی غاب کا گمان ہے جبکہ کوئی تر ناپاکی کا ذریعہ نہ ہو سخت آدمی و بارش کی وجہ سے جماعت ترک کرنے کی اجازت ہے عورت کے فحشوں و نوز کے ناز کی نقصان نہیں ہے۔ ایک دن ایک رات سے زیادہ بیہوش رہے تو نماز ساقط ہو جاتی ہے۔

انہضار و مقیراری کی حالت میں جان بچانے کی غرض سے حرامِ حلال سب کا استعمال جائز ہے۔

ولی و متولی اور وصی کو اپنے کام اور محنت کی مقدارِ تقیم کے مال سے اجرت لینا جائز ہے۔

خارش کے ذبیحہ کے لئے یا جنگ کے موقع پر اگر ضرورت ہو تو ریشم کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے۔ بیعِ سلم و جس میں سود موجود نہ ہو، بخارِ شرط و کسی شرط پر خریداری کا معاملہ موقوف ہو، بخارِ روتہ و دیکھنے کے بعد واپسی کا اختیار، بخارِ عیب وغیرہ کی اجازت اقامہ و واپسی احوالہ رسی و دوسرے پر آمادہ دنیا و دین نہان فرضِ شرکت و کاتِ کیمت کو بیانی پر دنیا یا لگان پر دنیا وغیرہ اس قسم کے معاملات بھی اس میں داخل ہیں۔ بالغہ عورت ولی کے بغیر بھی نکاح کر سکتی ہے۔ نکاح کے گواہوں میں عدالت کا کوئی اور چاہا میعاد مقرر نہیں ہے۔

ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت میں بھی ہو سکتا ہے۔ طلاق خلع وغیرہ کی صورتوں کا جواز وغیرہ سب سہولت کی غرض سے ہیں۔

مرضی موت میں نفلت (تہائی) کی وصیت ہائزہ ہے تہائی سے زیادہ کرنے میں ورنہ اگر نفلتھان ہے اس لئے زیادہ کی اجازت نہیں ہے غرضیکہ نفقہ کے ذخیرہ میں روزمرہ کی زندگی سے متعلق بہت سے مسائل ہیں جن میں مشقت کا دنیہ اور عموم البلوی کا لحاظ کیا گیا ہے۔

نقص کی وجہ سے احکام	(۱) نقص رکھی اس میں تمام وہ عواض داخل ہیں جو آفتِ ساوی کی وجہ سے یا قدرتی طور پر انسان کو پیش آئیں اور انسان کو داخل نہ ہو بخلاف جن بیہوشی، نیند، کسی عورتوں کے مخصوص دن وغیرہ۔ الہی شریعت نے ان سب میں سہولت و رعایت کی صورتیں نکالی ہیں اور مقصد مشقت کا دنیہ نیز عام ابتلا کی وجہ سے دشواری کا ازالہ ہے۔ اس طرح مجموعی حیثیت سے شرمی تخفیف و سہولت کی سات قسمیں بنتی ہیں:-
---------------------	---

(۱) مذہبائے جانے کے وقت حکم ہی کو ساقط کر دیا جائے بیہوشی کی حالت میں نماز کا ساقط ہو جانا ایسی قیاس ہے جو۔
 (۲) حکم میں تخفیف کر دی جائے جیسے سفر کی حالت میں قصر و چار کی جگہ دو رکعت کی اجازت ہے۔
 (۳) ایک حکم کی جگہ اس کے قائم مقام دوسرا حکم رکھ دیا جائے وضو اور غسل کی جگہ تیمم کی اجازت کا تعلق ایسی ہے۔
 (۴) کسی حکم کو معذور کر دیا جائے جیسے غمات میں عصر کی نماز ظہر کے وقت پڑھنے کا حکم ہے اور سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی کا جواز ہے۔

(۵) کسی حکم کو مؤخر کر دیا جائے مرد نفہ میں منہر کی نماز عشاء کے وقت پڑھنے کا حکم ہے۔ مریض اور مسافر کے لئے روزہ مؤخر کرنے کی اجازت ہے۔

(۶) رخصت دیدی جائے علق میں کوئی چیز پھنس جائے۔ اور ننگلنے کی صورت نہ بن سکے تو شراب کے ذریعہ اس کا نکلنا جائز ہے۔

(۷) حکم میں ترمیم کر دی جائے جیسے نماز کی ادائیگی کا حکم خوف کی حالت میں کہ اس وقت نماز کے نظم میں مقررہ ترمیم کی اجازت ہے۔

ذکر مصحفی

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی۔ یونیورسٹی لائبریری دہلی)

(۶۶)

سادت خان ناصر نے خوش معرکہ زیبائیں، عبدالغفور نسلخ نے سخن شعرا میں بعد الحیٰ مصفا بدایونی نے شمیم سخن میں اور بیتا اصغر حسین امروہوی نے ایریخ اصغری میں بھی مانی ہی لکھا ہے۔ ان راویوں میں سے آخری تین کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ ان کا ماخذ "سراپا سخن" ہی ہے۔ اصغر حسین نے توجوالہ بھی دیا ہے:

"در شیخ غلام ہمدانی... بمعنی تخلص، شاگرد میاں مانی کے تھے... جیسا کہ تذکرہ سراپا سخن بولند میر حسن علی لکھنوی ذکر کیا اس کا شاہد حال ہے۔"

لیکن تلمذ کے سلسلے میں حسن کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی جب تک کوئی قدیم ترین سند نہ ملے۔ امیر حمزہ علوی کے بیان کا جو طویل اقتباس ہم نے اوپر درج کیا اس سرسری نظر میں اس پر کئی تنقیدات قائم ہوتی ہیں جنہیں مقتبسہ عبارت میں ہند سے لگا کر تفہیم کر دیا گیا ہے۔ اور بیان ان کی اہمیت کی جاتی ہے:

(۱) تذکرہ سراپا سخن کا حوالہ علوی صاحب نے اہل کتاب سے رجوع کے بغیر درج کر دیا ہے ورنہ ان کا ماخذ دراصل آب حیات ہے۔ سراپا سخن کے مؤلف نے مختلف نام لکھا ہے۔

(۲) یہ نہیں بتایا کہ تلمذ کی یہ روایت پایہ اعتبار سے ساقط کیوں ہے؟ اس کی تردید کے لئے کافی ثبوت کی ضرورت تھی۔

۱۔ سادات خان ناصر کے خوش معرکہ زیبائے ملی نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ کٹلاگ مشرقی مخطوطات/۱۲ (۱۹۵۵ء) کے نسخہ: سخن شعرا/۳۴ (۱۸۷۱ء) سے مصفا: شمیم سخن/۱۱۹ (۱۸۷۱ء) سے اصغر حسین: ایریخ اصغری/۱۲۹۔

(۱۳) اگر امانی سلسلہ میں مرشد آباد چلے گئے تھے تو مصحفی سے ان کی ملاقات کا امکان ہی نہیں۔ مصحفی سلسلے پہلے دہلی کبھی نہیں آئے۔ اس کے خواہ گزشتہ صفحات میں پیش کئے جا چکے ہیں۔

(۱۴) مصحفی کم سنی میں تحصیل علم کے لئے دہلی آئے یہ غلط ہے۔ اول تو وہ کم سنی میں نہیں آئے، دوسرے تحصیل علم کے لئے نہیں، تلاشِ معاش میں آئے تھے۔ اور اسی دوران میں محنت و مطالعے سے علمی استعداد میں اہتاد کیا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

(۱۵) میرا خیال ہے کہ یہ دوسرا تخلص شیفۃ نے کسی غلط روایت کی بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ شاہ جہاں آباد سے ہرن ایک ہی امانی کا تعلق تھا جن کا فخر حال خود شیفۃ نے لکھا ہے۔

(۱۶) یہ بھی غلط ہے کہ اسد مصحفی کے ہم عمر تھے۔ اس کا ثبوت فراہم کرنا ضروری تھا۔ مصحفی ان کے ہم بھرت تھے اور ان کا بیان ہے کہ انتقال کے وقت ان کی عمر پچاس برس کے قریب تھی۔ اور دوسرے ہائے بانیوں کے ہزروں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ سن دس سال میں وہ مصحفی سے یقیناً بڑے ہوں گے۔ پھر یہ کہ عمر کا تعادلات لازماً رشتہ قلمذیں ہارچ نہیں ہوتا شاہ مبارک آباد و پیدائش ۱۱۹۵ھ اسراج الدین علی شاہ آرزو و پیدائش ۱۱۹۹ھ کے شاگرد تھے اور دونوں کی عمر میں ۴۰-۵ سال کا تعادلات تھا۔

طبیعت کی موزونی اور شہر و شاعری سے مناسبت خداداد ملکہ ہے اس کا اکتساب سے کچھ تعلق نہیں ہے

لہ شیفۃ: گلشنِ بے غار، ۲۶/ ۲۵ ہندی ۱۶۔ ”اکثر در شاہ و غیر در شاہ جہاں آباد مدید“

تہاں ایک عجب غلط بحث ہو جاتا ہے، میرا امانی اسد، اور میرا امانی امانی، دو شاہوں میں اول الذکر کا نام میر حسن نے ٹیڑھی اسد لکھا ہے یہ مرزا اسودا کے شاگرد تھے تلاشِ روزگار میں مرشد آباد چلے گئے تھے۔ اہد بقول مصحفی ہزروں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ دوسرے میرا امانی امانی، خواہ انہی کے فرزند تھے۔ یہ بھی مرشد آباد گئے تھے۔ مرثیہ و سلام زیادہ کہتے تھے یک دن مرثیہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں برسرِ منبر انتقال کیا۔ ویر حسن نے ذکر و شہرے اور دوا ۱۵۱۵ مرزا علی لطف نے ان کی وفات ۱۱۹۵ھ بتائی ہے اور شیفۃ ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں (بے غار ۱۶)۔ میرا امانی اسد اسودا کے شاگرد تھے۔ دونوں کے ناموں میں بڑی مماثلت ہے اس لئے اکثر لکھنے والوں نے غلطی کر دیا ہے۔ تیسرے کسی ”میرا امانی“ یا ”اسد“ کا حال تذکرہ میں نہیں ملتا۔

اسی لئے عربی کا مشہور قول ہے: **الشعر أُمُّ تَلَامِيذِ الرَّحْمَنِ** "شاعر کو مبداءِ فیاض سے تلمذ۔
حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی زبان کے بھی جتنے بڑے بڑے شاعر ہوئے ہیں جن کا نام اور فن آج
وہ کسی استاد کی محنت یا تعلیم و تربیت کا نتیجہ نہیں، بلکہ ان کی فطری صلاحیتوں نے انہیں ادب کا
دیکھا جائے تو فارسی اور اردو کے سوا کسی دوسری زبان میں استاد کی اور شاگرد کی جیسا کہ
نہیں تھا۔ اگر کسی کی شائستگی استاد کی رہیں بہت ہوتی تو شعر و ادب کے احساس کو اس کے پیانے ہی
ہونے۔ حقیقت یہ ہے کہ فارسی اور اردو میں عروض کے قواعد کی پابندی بہت سخت ہے اس کے
کی نوک بلب اور نیک سیکہ کا حد درجہ خیال رکھا جاتا تھا۔ اس میں اجتہاد کی گنجائش کچھ ہی سے نکلتی
کھیلے کا تو ذکر ہی کیا۔ کسی سے اصلاح لینے یا مشورہ لینے کا مدعا ہی ہوتا تھا کہ زبان کے رد
اور ان عروض کے مخالف و متعلق اور ترصیع و ترکیب کے اہول سیکھ لئے جائیں۔ ورنہ کوئی استاد
کے محسوس کرنے کا انداز، سوچنے کا طریقہ اور اندوگرفت کا زاویہ تبدیل نہیں کر سکتا نہ اس کے اح
میں دخل دے سکتا ہے۔ احساس و ادراک شعر کی روح ہیں۔ اور الفاظ ان کا جسم یا جامہ۔ اس
کی اہمیت کچھ نہیں رہ جاتی کہ کسی شاعر کا استاد کون تھا؟ بقول حضرت اثر لکھنوی:

شعر کیا؟ موقلم عشق سے تھویر بر جمال

کوئی استاد کسی کا اثر اس فن میں نہیں

لیکن تاریخ ادبیات کا طالب علم اس تاویل سے شاید مطمئن نہ ہو۔ اسی لئے ہمیں یہ بھی تحقیق کرنا پڑتا
کے ذہنی نشوونما اور ساخت پر داخست میں حقد لینے والا کون تھا۔ اُسے روزمرہ، کا دور، فصاحت
اور فن کے نکات و رموز کس نے بتائے اور رواں کر لئے۔ اور اس کے فنی مدارج کی تکمیل کا
صلاحیتوں کو ابھارا۔

خود مصطفیٰ نے اپنے استاد کا کہیں نام تک نہیں لکھا صرف ایک جگہ زبان کا حال لکھے
کیا ہے کہ میں اپنی کتب نشینی کے زمانے میں استاد کے ساتھ جا کر اُن سے ملا تھا۔ اور یہ عمار
بھی نقل کر چکے ہیں:

فیروز مراد اُسٹانوں روزے دہ عالم کتب نشینی وابتدائے ثنوی مزدنی بہمت ایشان
رسیدہ بود....

اُن کے ایک مقطع میں بھی استاد کی خدمت کرنے کا اشد ملتا ہے :

اے مصنفی شاعر وہی ہووے گا دہنورد !

جو میری طرح خدمت استاد کرے گا

لیکن ان اشارات سے ہیں کسی واضح نتیجے پر پہنچنے میں مدد نہیں ملتی۔ اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے بہت جھوٹی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا اور اُن کے استاد شاعری بھی امر ہے کہ ہی کوئی غیر مزوف سے شاعر ہے ہوں گے خواہ انھیں کا تخلص مانی ہو یا کچھ اور ہو۔

تخلص | حیات دیر کے مولف افضل حسین ثابت لکھنوی نے لکھا ہے :

”میں نے بہت سے تذکرے دیکھے۔ ایک ایک تخلص کے کئی کئی شاعر نظر آئے۔ مگر دیر تخلص مرزا صاحب

سے پہلے کسی شاعر کا مجھے نظر نہیں آیا۔ منشی مظفر علی خاں صاحب ایمر مرحوم گویا اسی مومن

کے لئے فرمائے ہیں :

شاعرانِ حال کیا مضمون نو باند ہیں ایسر

ڈھونڈتے ہیں یہ تخلص بھی بنا ملتا نہیں !

یہ کچھ ایسی قابلِ غم خرابات نہیں کہ کسی شاعر کا تخلص ایسا ہو جو اس سے پہلے کسی نے نہ رکھا ہو۔ اتنا ضرور ہے کہ کبھی کبھی بنایا در بلیغ تخلص انتخاب کرنے سے جہاں شاعر کی انفرادیت کا اظہار ہوتا ہے وہیں اس کے ذہن کا دُفت اور تازہ کاری بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مگر اسے قلم نہیں بنایا جاسکتا۔

مصنفی نے اپنا تخلص بالکل نیا ڈھونڈ کر نکالا ہے۔ اور جہاں تک ہمارے مطالعے کا تعلق ہے اردو

ادب میں آج تک کوئی دوسرا شاعر مصنفی سے پہلے یا ان کے بعد اس تخلص کا نہیں گذرا انہوں نے کبھی اپنا تخلص تبدیل بھی نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ”نہاں جانہ ازل“ سے یہ طفرائے امتیاز انھیں کے حصے

مصنفی : تذکرہ ہندی / ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ حیات دیر / ۲۲۔ دلاہور۔ ۱۹۱۳ء

میں آیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں بھی لکھا ہے کہ میر حسن دہلوی پہلے تذکرہ نگار ہیں جنہوں نے مصحفی کا حال اور کلام اپنے تذکرے میں شامل کیا اس وقت مصحفی جوان کیا نو جوان ہی ہوں گے اور میر حسن سے ان کی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی لیکن انہوں نے لکھا،
 از تقلی و معلوم می شود کہ مرصع صالح است^۱

یہ رائے بہت ہی مناسب اور متوازن ہے۔ ایک نا دیدہ انسان کے بارے میں اس کے نام اور کلام ہی سے کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ بات کلکھ میر حسن نے اپنے مرصع اور قیافہ شناس ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ اگر غور کیجئے تو یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے بعض شعرا کا نام ان کی سیرت اور شاعری کا نشان ہے۔ مثلاً میر، میر مجلس ہیں۔ درد ایک صوفی منش انسان ہیں جن کا مسلک ہی یہ ہے کہ

کفر کا فراد و دین دین دار را

درد و دردے دل عطا را

سودا کی ہجو بات اور ان کے ”غناں گستہ“ قلم کو دیکھئے تو ”سودا زدہ“ ہی نظر آتے ہیں۔ سوز، اگرچہ درد کے بھائی ہیں لیکن درد اور سوز میں جو فرق لغوی اعتبار سے ہے وہی ان دونوں کی شاعری میں ملے گا۔ سوز کے ساتھ ہمارے شعور زیادہ وابستہ ہے۔ اگر آزاد کی روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو میر نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ”شرفا میں ایسے قلمس ہم نے کبھی نہیں سنے“

... علیٰ ہذا، جرأت کے کلام میں ”جرأتِ زندان“ ہے تو رنگین کی ”رنگیں طبعی“ ان کے ریختہ، بخیتہ اور آمیز و آگیتہ سے ظاہر ہے۔ ریختی کو رواج دینے کا ”سہرا“ بھی بقول انشا انھیں کے سر پہ ہے۔ انشا کا قلم ہر زبان اور ہر میدان میں چلتا ہے۔ ایک طرف ہندی ادب کی تاریخ میں مختصر افسانہ اور ”ہندی انشا“ کا آغاز

۱۔ میر حسن تذکرہ شعلہ اردو نمبر ۱۰۰۔ آزاد و آب حیات / ۲۱۸ (طبع دہم) ۲۔ انشا: دیباچہ لطافت / ۱۶، ۱۷ اور

ترجمہ پنڈت کپڑا ۱۹۳۰ ”ریختے کے شمس چھوڑ کر ایک ریختی اجملاؤ کی ہے اس دیباچے کے جملے دیوبند کی سٹائیل پر تحریر تھے۔
 تہ عبدالرؤف فشر: آبِ بہار (ذاتی پریس کھنڈ)

ان کی کہانی ”رائی لکھی“ سے ہوتا ہے تو دوسری طرف بے نقط لکھے اور ”بے نقط سانے“ میں اپنا حریف نہیں رکھتے۔ ناسخ کو دیکھتے تو متروکات کی گردن مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آتش بھی آتش کے ہر کھلے ہیں۔ مزاج میں ایسی بھرپور ہے کہ ”کسی نے ان کو دیکھ کر کھنکارا یا سانسے سے موبچہ اونچی کرتا ہوا اٹھا۔ بس غضب آگیا، تم کو اچکھنچلی اور کہاؤ ہمارے تمہارے دو دو ہاتھ ہو جائیں“

غرض اس اعتبار سے دیکھئے تو مصحفی کے قلم میں جو سنانیت، ثقاہت، سنجیدگی، تمہاد ”مرنج و مرنجان“ والی کیفیت اور ہالیت و ملح پندی، مسکین نہا می، اور پاکیزگی ہے وہ ان کی شاعری کا اور ان کی سیرت کا عکس بھی پیش کرتی ہے۔

ترک دہن | مصحفی امر وہ سے نکل کر پہلے کہاں گئے؟ اس میں بھی ذرا سا غلط بحث ہو گیا ہے۔ عام طور سے ”دو نچوں اور تذکرہ نگاروں کا یہی خیال ہے کہ وہ امر وہ سے تھیں علم کے لئے دہلی آئے تھے۔ لیکن میں اس کے قبول کرنے میں تامل ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق لکھتے ہیں: ”اُس پر سب تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے کہ ابتدا اُسے شباب ہی میں وہ دہلی چلے آئے تھے اور وہیں ان کی تسلیم و توقیت ہوئی اور وہیں ان کی شعر و شاعری چمکی۔۔۔۔۔ مصحفی نے اپنے بزرگوں کا پیشہ ”نو کر می خانہ بادشاہ“ کھلے لیکن جب سلطنت کے کاروبار میں خلل واقع ہوا تو ان کا روزگار بھی درہم برہم ہو گیا۔ میر حسن اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ان کی بسر وقات تجارت پر تھی (تذکرہ میر حسن صفحہ ۱۰۰)۔ سیر نگر نے بھی بحوالہ عشقی اس کی تائید کی ہے (مصحفی نے اپنے حال میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا لیکن دلی کے قیام کے ذکر میں جو خطہ جلع مینا ان کے قلم سے نکل گئے ہیں اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ میر حسن کا یہ خیال صحیح ہے کہ اس زمانے میں ان کی گزراں تجارت ہی پر تھی لکھتے ہیں:

”میں شاہجہاں آباد میں بارہ سال تک دو دہنچٹھاں مرحوم میں، گوشہ عزت میں بسا۔۔۔ اور اہل فرائض

کے زمانے میں تلافی معاش کے لئے گھڑائے دروازے پر نہیں گیا“ (تذکرہ ہندی گویاں صفحہ ۱۲۳)۔

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ دلی میں وہ اپنی معاش اپنے دست و بازو سے کمانے تھے اور کسی کے دست و گریب نہ تھے۔

اگر ہم بقول خود وہ دہلی میں بارہ سال تک عزت گزین رہے لیکن اس پر بھی مشاعروں کی تحریک بخوشاؤ

کا چرچا بابر جاری رہا اور خود بھی اپنے ہاں مشاعرے ترتیب دیتے رہے (تذکرہ ہندی گویان حال اسد خواں)۔
 وغیرہ دیکھو عمدہ و مجملہ لغز... دلی کا رنگ بدلایا تھا امداد حالات نامساعد تھے۔ سیراوقات کے ذرا کٹنگ پرچا
 تھے ناچار اپنے دوسرے ہم عصروں کی طرح دل پر پتھر رکھ کر دلی کو خیر باد کہا اور وادی غربت میں قدم رکھا...
 معصنی دلی سے آنولہ اور نانڈہ پہنچے۔

جب میکہ پہنچا تو رہی کیا جگہ کی قید مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو
 نانڈے میں نواب محمد یار خاں امیر خٹ نواب علی محمد خاں صاحب ذوق اور قدر شناس امیر تھے شاعروں کا
 ان کے ہاں اچھا نا اچھا جگمگاتا تھا... معصنی بھی شریک صحبت ہو گئے... لیکن یہ مجلس زیادہ مدت چھنے نہ پائی سکر تال
 کی لڑائی میں نواب ضابطہ خاں کو شاہ عالم نے مرہٹوں کی امداد سے ایسی شکست دی کہ نانڈے کی امارت درہم
 برہم ہو گئی... معصنی نانڈے سے سسٹھ کے لگ بھگ لکھنؤ پہنچے۔

یہ اتباس بہت طویل ہو گیا لیکن اپنے مقصد کی وضاحت کے لئے اسے طوالت کے باوجود نقل کرنا ضروری تھا۔
 مولوی عبدالحی نے اس عبارت میں چند باتیں ایسی لکھی ہیں جو بڑی مغالطہ انگیز ہیں:

(الف) ان کا خیال ہے کہ معصنی ابتدائے شباب میں دہلی آئے یعنی امر دہسے سیدھے یہیں آ گئے تھے
 اور یہاں تعلیم حاصل کی شہر و شاعری کا چرچا رہا وغیرہ۔

(ب) اسی زمانے میں معصنی بارہ سال تک گوشہ نشین اور عزت گزین رہے اور یہ نجف خاں کا زمانہ تھا۔ یہ دہلی
 میں رکھے کہ نجف کا دوسرا نارت سسٹھ سے شروع ہوتا ہے سسٹھ تک رہتا ہے۔

(ج) اس گوشہ نشینی کے بعد وہ نانڈہ پہنچے۔ اور وہاں سے لکھنؤ گئے۔ نانڈے سے آجڑنے کا سبب بھی خود ہی لکھتا
 ہے کہ وہ ۱۱۵۵ھ میں ضابطہ خاں کی شکست نے محمد یار خاں امیر کی امدت کو درہم برہم کر دیا تھا۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ جو شخص دہلی میں بارہ سال تک گوشہ نشین رہا، وہ ۱۱۵۵ھ میں کٹہر کیسے پہنچ گیا؟
 ظاہر مولوی عبدالحی کی عبارت سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کی رائے میں معصنی بارہ سال تک دہلی میں قیام کر
 تعلیم حاصل کرنے کے بعد نانڈہ اور آنولہ پہنچے تھے۔ حالانکہ یہ ہر گز غلط ہے۔

دہلی

لہ عبدالحی، مقدمہ تذکرہ ہندی، معصنی، ص ۱۵۵۔

لدیسا

نزل

جناب الم منظر نگری

لئے چہرے پر زلفیں جب وہ لالہ فام آئے گا
 نہ صبح آئے گی پھر اور نہ وقتِ شام آئے گا
 دہی لے کر متاعِ لذت بے نام آئے گا
 جو دیوانہ کر اُن کی بزم سے ناکام آئے گا
 مرد کو کون وقتِ گردشِ ایام آئے گا
 جو کام آیا بھی تو کچھ نہ دلِ ناکام آئے گا
 یہ کیوں محفوظ کھوں میں اسے آغوشِ مژگان میں
 کسی دن یہ سرِ مشکِ غم بہت کچھ کام آئے گا
 بدلے گا جو دم بھر میں نظامِ بادہ آشی
 کوئی ایسا بھی ساقی تشہیمِ جام آئے گا
 گستاہ بیکدہ بن جائے گا اب کی بہاروں میں
 سرِ بلخِ حین ہر پھول بن کر جام آئے گا
 محبت میں زلیخا اور ایسا عزم بے معنی
 نہ یہ کبھی ذمے غنق پر الزام آئے گا
 مصیبت آشنا ہوں میں ازل سے اسے چمن واپو
 مجھے آرام آیا بھی تو زیرِ دام آئے گا
 نہیں امید اور آگے بڑھے یہ دورے ساقی
 جو آیا بھی تو مجھ تک دورِ درِ جام آئے گا
 یہ آوازِ ادہی ہے اسے مسافرِ منزل سے
 سرِ منزل نہ کوئی طالبِ آرام آئے گا
 کبھی جس نے کیم دشتِ ایمن کو نواز ایتھا
 دہی جلوہ کسی دن چہرے ہر بام آئے گا
 سنبھل کر زندگی کی منزلوں میں رکھ قدمِ خال
 ترے آگے ہر اک آغاز کا انجام آئے گا
 بے جس کی گری ہو زار آبِ ودانہ کی خاطر
 دہی مریضِ حین جیتا دیرِ دام آئے گا
 دہی ساعتِ ورودِ خوشی کی بھوگی حقیقت میں
 لبِ خاموشی جتنی چاہ اُن کا نام آئے گا
 اُم ہے گوشِ بیا آوازِ دشتِ عسسم کا ہر نہا
 یقیں ہے آج پھر اُن کا کوئی پیغام آئے گا

پریشاں نظریٰ

(جناب فضا ابن فضا)

کیسے کہدوں کہ غم بے بھری نے مارا
کوئی شکوہ نہیں تجھ سے اسے خم گیسوئے دست
مکھت زلف پریشاں کا ملا کچھ نہ سُرناغ
چل سکے چار قدم بھی تو نہ میرے ہمراہ
تو مرے پاس ہی تجھ سے مگر دو بہوں میں
یہ اگر سچ ہے کہ ہم سے نہ اٹھی تہمت زلیات
کھائے جاتی ہے مجھے تو خلش دیدہ وری
اب کے بھولتی ہے یہ روشِ چشمِ کرم
اجنبی ساہوں خود اپنی ہی نگاہوں میں فضا
مجھ کو اس دور کی بالغ نظری نے مارا
مجھ کو خود میری پریشاں نظری نے مارا
سر بہت موجِ نسیم سحری نے مارا
رہ نور دوں کو مری ہم سفری نے مارا
دیکھ ایسا کہ کہاں بے خبری نے مارا
یہ بھی سچ ہے کہ تری چارہ گری نے مارا
حیف ہے جن کو غم بے بھری نے مارا
زہر دے کر تری شیریں نظری نے مارا
حسن کی خوئے گریزاں نظری نے مارا

نزل

(جناب سعادت نظیر — ایم۔ اے)

چمن آرائیِ وحشت کے یہ سا ماں ہوں گے
روشنِ بزمِ محبت نہ کبھی کم ہوگی
یہ وہ منزل ہے جہاں موت کو آجاتی ہے موت
”طور پر رہ گیا مہنگا مہ سا ہو کر لیکن
ہم تو ہنستے ہیں چھپانے کے لئے زخمِ جگر
یاد جب آنے کی تو داد و دعا ان کو نظیر
تیرے دیوانوں کے دامن میں گریباں ہوں گے
بڑھ کے یہ داغِ ہجر شمعِ فروزاں ہوں گے
وہ جنیں گے جو رہِ عشق میں بے جاں ہوں گے
تم نقابِ التو گے جب خشر کے ساں ہوں گے
اور بے درد و جھگتے ہیں کشتِ اواں ہوں گے
کیا ہی وہ اپنی جفاؤں پر پشیمان ہوں گے

قطعات

(جنابِ رعنا جلی،

شام کی تیرگی حقیقت میں صبح کی روشنی کا ہے اک روپ
موت سے دور بھاگنے والے موت بھی زندگی کا ہر اک روپ

کل ہوئی بھی اگر توکل ہوگی آج کا کام آج ہی کر لو
کل یہ سو کم یہ بھول ہوں کہ نہ بول آج پھوڑوں کس جھولیاں بھر لو

روشنی کی اگر تمنا ہے نامہ زندگی سیاہ کرو
رحمتِ حق نہ روٹ جائے کہیں اقصیٰ طاب بھی کچھ گناہ کرو

جبے دیکھا ہے میری آنکھوں نے تیری سستی بھری نگاہوں کو
دور ہی سے سلام کرتا ہوں میکدے کی حسین راہوں کو

ساتی بزم کو سلام کرو پھر طوافِ سُبُو دِ جام کرو
میکدے کے میں جس قدر آدا میکشوان کا احترام کرو

ہر عمل ہے غرض کا اک سودا ہر سخن جھوٹ کی عمارت ہے
ہر نفس رہی نگیں و دوزیاں زندگی کیا ہے اک تہات ہے

تبصرے

شرح جاوید نامہ : مولفہ پروفیسر سلیم حسینی، قیطع خور و نغمات ۱۷۰۶ صفحات، قیمت ۵۰۰/-

شائع کردہ مشرت پبلشنگ ہاؤس، ہسپتال روڈ، انارکلی، لاہور، پاکستان

”جاوید نامہ“ علامہ اقبال کی تمام تصانیف میں رہائشدار تشکیل دیدہ ایات اسلامیہ (سب سے زیادہ بلند اثر اور عالمانہ کتاب ہے) ان حقائق و معارف سے لبریز ہے جو علامہ نے قرآن حکیم، احادیث نبویؐ اور منویٰ منویٰ سے اخذ و مستنبط کئے ہیں۔ لیکن اس گنجینہٴ زمینی کی اشاعت زیادہ نہ ہو سکی جس کے کئی اسباب ہیں؛ پہلا سبب تو یہ ہے کہ خود اقبال نے اعتراف کیا ہے کہ اس کتاب میں:

انچہ گفتم از جہانِ دیگر است

ایں کتاب از آسمانِ دیگر است

ظاہر ہے کہ ”جہانِ دیگر“ و ”آسمانِ دیگر“ کے مخدراتِ روحانیہ ہر شخص کے علم و فہم پر تو کنٹون ہو نہیں سکتے اور تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ یہ کہہ کر کتاب کو ماتھے سے رکھ دیتا ہے کہ:

سخن ز آسماں بر زمینِ آدا اول کنونش تو بر آسماں میرسانی!

جاوید نامہ جیسی طویل نسلی نظم میں بے شمار معاملات میں رمز بھی ہیں، ایما بھی، استعارے بھی ہیں اور مجاز بھی ہر فارسی داں کے بس کا روگ نہیں کہ رموز کا مفہوم ہی سمجھ سکے اور مجاز کا پردہ ہٹا کر حقیقت کا شاہد ہو سکے۔ پھر جاوید نامہ میں ایسے افراد کا بھی ذکر ہے جن میں سے اکثر و بیشتر کے حالات و خیالات سے عصرِ جدید کا ”جذبِ انسان“ بالکل ناواقف ہے، جسے ہر تری ہری، دشوا، مترا، قزۃ العین، ملا ظاہر غنی، جب ان کے نام ہی سے وہ واقف نہ ہوں ان کی غیر مانوس گفتگو میں وہ کیا کشش محسوس کر سکتا ہے؟ ان افراد سے اقبال کے مکالمات یا سوالات کو سمجھنے کے لئے قاری کو فلسفہ، کلام، عیالات، تعارف و تہذیب کے بنیادی مسائل

سے بھی واقفیت ضروری ہے۔

مہی چند وہ اسباب میں جن کی وجہ سے اقبال کی یہ کتاب بہتوں کے لئے ایک چیتیاں بنی رہی۔
 پروفیسر ریاض کی حاشیہ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے زیر تبصرہ شرح میں اس بلند پایہ اور عالمانہ کتاب کو
 اہل پاکستان بنادیا ہے اور اقبال کے محذرات و حانیہ کو جلد گاہ عام پر پہنچا دیا ہے۔ ان کی یہ شرح ہم بے خوف ترید و انکار
 کہہ سکتے ہیں کہ۔
 حجازِ زرد سے حسن منزائے ہزار تحسین است

اشعار کی تشریح سے پہلے ایک بلیط مقدمہ میں انھوں نے جاوید نامہ کی نوعیت، اس کے خصوصیات،
 اس کے اہم مباحث کا خلاصہ اور اس کے ادبی پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے جاوید نامہ کا ڈینے کی ڈیوار میں گاہ
 سے مقابلہ و موازنہ کیا ہے اور اس کے حقائق و معارف کو آسان زبان میں پیش کیا ہے۔
 نقیون کے ایک جدید النظر باہر ہونے کی وجہ سے انھوں نے اقبال کے کلام کے دفاعی و حقائق کی خوب
 توضیح کی ہے اور ساتھ ہی اپنے عجز کا اعتراف بھی کرتے گئے ہیں سچ ہے بحمد اللہ و یقیناً درون!
 اس شرح کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ

زہرِ حرفِ آں راستے می و ہر دست
 زہرِ لفظِ آں مشکلی می کشاید!

رسالوں کے خالص نمبر

چراغِ راہِ کراچی کا اسلامی قانون نمبر :- مرتبہ جناب خورشید احمد صاحب، ضمانت جلد اول

۲۵۲ صفحات و جلد ثانی ۲۵۰ صفحات، تقطیع کاٹا، کتابت و طباعت بہتر، قیمت :- جلد اول

چار روپے آٹھ آنہ و جلد ثانی تین روپے آٹھ آنہ۔ پتہ :- دفتر انعام چراغِ راہ کراچی

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اسلام ایک مکمل قانونِ حیات ہے جو انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی
 زندگی کے تمام معاملات و مسائل کا ایسا حل پیش کرتا ہے اور انسانیت کو امن اور چین اسی کے سایہ میں

ہیں۔ اس طرح یہ نمبر اسلامی قانون سے متعلق گویا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے جس کا مطالعہ ہر مسلم و غیر مسلم صاحب ذوق کو کرنا چاہیئے۔ ادارہ چراغِ راہ اس کا ایسا بک کوشش اور پیش کش پر ہر طرح سزاوارت محسوس و ستائش ہے۔

سیرت طیبہ :- مرتبہ جناب اکرام احمد خاں و محمد مسلم صاحب۔ تقطیع متوسط ضخامت ۲۳۹ صفحات کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت غیر پتہ :- دفتر سہ روزہ دعوت۔ محلہ کش گنج دہلی۔

سیرت پر اردو میں چھوٹی بڑی سیکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور میوں رسالے اپنے خاص خاص نمبر شائع کر چکے ہیں لیکن سہ روزہ دعوت کا یہ خاص نمبر اس مقصد کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہے کہ اس میں ایسے مضامین جمع کئے جائیں جن کی زبان صاف اور سلیس ہو۔ انداز بیان ننگنہ اور سنجھا ہوا ہو۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کو پڑھ کر فکر پیدا ہو اور اسوۂ نبویؐ کا اتباع و پیروی کا دلولہ ابھرے۔ مضامین زیادہ گہرے اور محققانہ نہیں اور نہ ان کی ضرورت ہے۔ البتہ ان کے مطالعہ سے ذہنی شعور تازہ ہوتا ہے۔ مکلفے والوں میں ہندوپاک کے اہل قلم کے علاوہ مہاجر کے بعض ارباب قلم کے نام بھی شامل ہیں۔ مضامین کے علاوہ نطوں کا جو حصہ ہے وہ بھی منتخب نطوں پر مشتمل ہے۔ بعض مضامین افسانیا ڈرامہ کی شکل میں ہیں۔ اس طرح اس خاص نمبر کا مطالعہ ہم خرماد ہم ثواب کا مہداق ہوگا۔

نئے سالے اور اخبار

تذکرہ :- مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی۔ تقطیع متوسط۔ ضخامت ۸۴ صفحات۔ کتابت

و طباعت بہتر۔ چند سالانہ صر۔ پتہ :- دفتر ماہنامہ تذکرہ دیوبند ضلع سہارنپور۔

یہ رسالہ چند ماہ سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد گاریں دیوبند ضلع سہارنپور سے نکل رہا ہے۔ حضرت شیخ کے افادات و فیوضات کے علاوہ مختلف دینی۔ اصلاحی اور اخلاقی مضامین بھی منسلک ہوتے ہیں۔ رسالہ پابندی اور باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے۔ عام مسلمانوں اور خصوصاً متوسط طبقہ کے شیخ کو اس کی قدر کر کے ترویج اشاعت کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ افادہ زیادہ عام ہو۔

نقص :- مرتبہ مولانا انظر شاہ کشمیری و مولوی خلیفہ الہادی اعظمی۔ تقطیع کلاں۔ ضخامت ۲۰ صفحات۔
کتابت و طباعت بہتر چند سالانہ پانچروپیہ۔

یہ ماہانہ رسالہ بھی دیوبند سے نکلنا شروع ہو گیا ہے۔ اب تک متعدد پرچے نکل چکے ہیں۔ رسالہ دینی اور اصلاحی ہے مگر ادبی چاشنی بھی کم نہیں ہوتی۔ حالاتِ حاضرہ پر لطیف انداز میں تبصرہ ہوتا ہے اور تاثرات میں دینی اور اصلاحی امور و مسائل پر اس طرح تبصرہ ہوتا ہے کہ قلم کی شوخی عنوان کی سنجیدگی سے دست و گریبان ہونے لگتی ہے بہر حال رسالہ دلچسپ بھی ہوتا ہے اور مفید بھی۔

بہشت روزہ آثار :- مرتبہ جناب ابراہیم پوش و سالک صاحب لکھنؤی۔ سائیز الہلال کا۔
ضخامت ۲۶ صفحات کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت فی پرچہ ۲۰ نئے پیسے۔ پتہ :- ۵۷،
فرس لین گلکے ۱۳۔

گلکے اردو صحافت کا گھر ہے۔ وہاں سے ابھی حال میں آثار نام کا ایک بہت روزہ بڑی آن بان اور بنا سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس کی عنوانِ ادارت ایسے دو ادیبوں کے ہاتھ میں ہے جو اردو کے بیک وقت مشہور شاعر بھی ہیں اور ادیب بھی۔ اور صحافت کا پرانا تجربہ رکھتے ہیں۔ اس لئے اس پرچہ میں سیاسی، سماجی، ادبی اور فنی ہر قسم کے مضامین نثر و نظم ہوتے ہیں اور اس طرح ہر ذوق کا آدمی اس میں اپنی پسند کی چیز پاسکتا ہے کسی شاعر کے ایک شعر کی تشریح جناب سالک کے قلم نے بہت رقم سے جو مستقلاً ہر اشاعت میں ہوتی ہے اس پرچہ کی خاصہ کی چیز ہے اس کے علاوہ معلومات عامہ پر بھی ایک دو مضمون ہر اشاعت میں ہوتے ہیں، اگرچہ پوش اور سالک صاحب اس پرچہ کو اسی معیار کے ساتھ جاری رکھ سکتے تو اردو زبان کی زبانوں کا اس دور میں یہ بڑی بات ہوگی۔

آہنگ دلی :- مرتبہ سید غلٹ علی رضوی۔ تقطیع کلاں ضخامت ۱۱ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ پانچروپیہ۔
پتہ :- دفتر آہنگ ۳۱۰ چاروی بازار دہلی۔

یہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں کا قلمی و ادبی ماہنامہ ہے عام مضامین بھی اس کے کمر دلچسپ اور معلومات افزا ہیں جو سچے لیکن وقتاً فوقتاً اس رسالہ کے جو خاص نمبر شائع ہوتے ہیں وہ بہت کچھ قابلِ قدر مضامین و مقالات کے حامل ہوتے ہیں۔ اکثر و بیشتر مضامین کا موضوع فارسی شعر و ادب اور ہندوستان کے ادبی و ادبی تعلقات ہوتے ہیں، فارسی زبان کا طلبہ کیلئے اس کا مطالعہ ادبی، شعری اور لسانی نقطہ سے مفید رہے گا۔ عام بات یہ ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

[illegible][illegible]

[illegible]

— ۱۲۸ —

[illegible]

9.21

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰

جیو۔ حلیہ بہت عمدہ

[illegible][illegible]

امادہ نبوی کا شاندار ذخیرہ اردو زبان میں ترجمان السنۃ

”ترجمان السنۃ“ محدث شریف کی ایک شاندار کتاب ہے جس کے ذریعہ ہے
فرمودات نبوی کی نہایت اہم اور مستند تفسیر و تفسیر کے عنوانوں اور ان کے ترجمے کا
جمعیہ زبان میں مکمل طور پر ملے گا۔ اس کتاب میں امادہ نبوی کے صاف و سلیس ترجمے
کے ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلپذیر تفسیر و تفسیر بھی کی گئی ہے اور اس تفسیر میں
سلاطین کلمہ کی پوری کے ساتھ حدیث و سنن اور روایات کی بھی پوری پوری رعایت
کی گئی ہے۔ ”ترجمان السنۃ“ کی تاریخ کے موجودہ زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں
کے مطابق اسلامی لائحہ میں ایک علمی اثاثہ اور زبردست اضافہ ہوا ہے
کتاب کی ترتیب اس طرح قاعدہ کی گئی ہے۔

(۱) متن مع احادیث (۲) سلیس اور عام فہم ترجمہ (۳) ہر حدیث پر
مختصر تفسیری نوٹ (۴) باب کے خاتمے پر سند و حدیثوں کے متعلق ایک صفحہ عام
اور سیر حاصل شد۔

جلد اول جس کے شروع میں ایک سطور اور حقائقہ مقدمہ بھی ہے۔ اس میں
ارشادات نبوی کی اہمیت، امادہ کے درجہ استناد و اعتبار، ترجمان السنۃ
کی تاریخ، مختصر حدیث اور کلام جو انات، تفسیر کلام کی گائی اور دیگر مسائل اور حدیث اور
فقہاء و محدث کے خصوصی حالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب التوحیدیت اس کتاب
شروع کی گئی ہے۔ ۲۹۲ صفحات ۵۹۲ قیمت ورنے پہلے جلد بارہ روپیہ۔
اس جلد میں کتاب الایمان و الاسلام کی ۵۰۰ حدیثوں کا ذخیرہ ہے۔
جلد دوم ۵۱۲ قیمت ورنے پہلے جلد بارہ روپیہ۔

جلد سوم اس میں کتاب الایمان کے چھ بابوں کے علاوہ ورنے پہلے کتاب الانبیاء
جلد سوم میں آگئی ہے۔ ۵۰۰ صفحات ۵۰۰ قیمت ورنے پہلے جلد بارہ روپیہ۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶۰

بُرمَان

معدہ انجمن علمی کلاں مغربی اور ادبی ماسکرا

"بُرمَان" کا شمار قبل صدی کے علمی نامی اور ادبی رسالوں میں ہوتا ہے اس کے علاوہ
 میں انیس اور پندرہ جنوروں کے پھول پڑے سلیقے سے سجائے جاتے ہیں۔ نوہلان تو ان کی دینی
 تربیت کا قلاب دست کرنے میں "بُرمَان" کی قلم کاریوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ ان کے مقالات
 سنجیدگی، متانت اور بعد قلم کا اجرا آپ نہ سہوتے ہیں۔ اگر آپ مذہب و فتنہ کی مشہور
 حقیقتوں کو قلم بقیہ کی مدد سے روشنی میں دکھانا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے بُرمَان کے مطالعے کی
 سفارش کرتے ہیں۔ یہ علمی اور تحقیقی ماہنامہ اکیس سال سے پابندی وقت کے ساتھ اس طرح شائع
 ہوتا ہے کہ آج تک ایک دن کی تاخیر نہیں ہوئی۔

"بُرمَان" کے مطالعہ سے آپ کو "معدہ انجمن" اور اُس کی مطبوعات کی تفصیل بھی معلوم
 ہوتی رہے گی، آپ اگر اس ادارے کے حلقہ معاونین میں شامل ہو جائیں گے تو بُرمَان کے مطالعہ
 اُس کی مطبوعات بھی آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔

صرف بُرمَان کی سالانہ قیمت چھ روپے۔ دوسرے نکلوں سے گیارہ روپے

حلقہ معاونین کی کم سے کم سالانہ فیس تین روپے

ممبران کو پیشہ ورانہ سے مفاد میں کیے جاتے

بُرمَان انجمن امداد و اصلاح مجری

مستفیدین دینی کا رہنما ہوتا
ندوة الایمان

برکات

مرتب
غیاث آبادی

مکمل لغت القرآن

(بہار جلدوں میں)

قرآن کریم کے الفاظ کی شرح اور اس کے معانی و مطالب کے مل کرنے اور
سمجھنے کے لئے اردو میں اس سے بہتر اور جامع کوئی لغت آج تک شائع
نہیں ہوئی۔ اس علم الہامی کتاب میں الفاظ قرآن کی مکمل اور دلچسپ شرح کے
ساتھ تمام متعلقہ چیزوں کی تفصیل بھی ہے۔ ایک مدرس اس کتاب کو پڑھ کر
قرآن مجید کا بہترین درس دے سکتا ہے اور ایک عام اردو خواں اس کے مطالب
سے دعوت قرآن شریف کا صحیحیت بھی طرح کر سکتا ہے بلکہ اس کے مضامین
کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اہل علم و تحقیق کے لئے اس کے علمی مباحث لائق
مطالعہ ہیں۔ لغات قرآن کے ساتھ الفاظ قرآن کی کس اور آستان
قریب بھی دی گئی ہے جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام فہلوں کے حوالے پڑی
سہولت سے نکالے جاسکتے ہیں۔ مکمل لغات قرآن اپنے انداز کی وجہ سے
کتاب ہے جس کے بعد اس وجہ سے کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جلد اول	صفحات ۳۳۳	بڑی تقطیع	فخر جلد چار روپے آٹھ آنے
جلد دوم	۳۳۶	فخر جلد پانچ روپے	فخر جلد پانچ روپے آٹھ آنے
جلد سوم	۳۳۷	فخر جلد پانچ روپے	فخر جلد پانچ روپے
جلد چہارم	۳۸۹	فخر جلد پانچ روپے	فخر جلد پانچ روپے
جلد پنجم	۵۰۰	فخر جلد چھ روپے	فخر جلد چھ روپے
جلد ششم	۳۷۳	فخر جلد چار روپے	فخر جلد چار روپے

دوسری کتاب کے بعد صفحہ ۱۶۸

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد ولی

مُرکبان

جلد ۴	دسمبر ۱۹۵۹ء مطابق جمادی الثانی ۱۳۷۹	شمارہ ۶
-------	-------------------------------------	---------

فہرست مضامین

۳۲۲	سید احمد اکبر آبادی	نظرات
۳۲۵	جناب شیر احمد خاں غوری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ایل	یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ
	بی۔ بی۔ ٹی۔ ایچ رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی	
	اتر پردیش	
۳۳۷	جلد و گزشتہ رشید احمد فارق صاحب استاد ادبیات	تاریخ الردۃ
	دہلی یونیورسٹی دہلی	
۳۴۴	مولانا مجاہد الاسلام القاسمی فائزہ خانی میگزین	خلافت معاویہ و یزید
۳۶۱	مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کتاب مولانا مکمل فضل الرحمن صاحب ہدایت	مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کتاب مولانا مکمل فضل الرحمن صاحب ہدایت
	جناب نثار احمد صاحب فاروقی دہلی یونیورسٹی	ذکر مصنفی
۳۷۰	لاہوری۔ دہلی	
۳۷۸	جناب الم منظر نگر سی	ادبیات۔ نزل
۳۷۹	جناب مولانا محمد کفیل حسنا فاروقی استاد و معالجہ کلکتہ	قصیدہ و دوا میہ
۳۸۱	(دس)	بھیرے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

آخر جس چیز کا اندیشہ تھا وہ ہو کر رہی اور خلافت معاویہ و یزید نامی کتاب کے جواب میں ایسی اور ایک مستقل کتاب بھی شائع ہوئی شروع ہو گئیں جو مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقہ کے لئے ہر درجہ جبر آزما اور بازدارساں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کسی انسان کے معتقدات کو ٹھیس لگتی ہے تو طبعی طور پر اس میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اور اس عالم میں گفتنی بات بھی اس کے لئے گفتنی بن جاتی ہے۔ لیکن اس خاص مسئلہ میں سوچنے کی بات یہ تھی کہ مذکورہ بالا کتاب سے سنی حضرات کے حلقہ میں بھی سخت بے چینی پیدا ہوئی اور انھوں نے صرف اس کے خلاف پہلک و احتجاج پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نہایت سنجیدہ اور خالص علمی و تحقیقی تنقید کی کہ اس کتاب کی بے حیثیتی کا پروردہ پاک کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جو تحریریں ہماری نظر سے گذری ہیں ان میں سب سے زیادہ مدلل ایک دیوبندی عالم اور دوسری ایک ہندو فاضل کی تحریریں ہیں جو بالآخر ”مہذبِ مجدد اور اجماع“ میں شائع ہوئی ہیں پوری کتاب پر مفصل تنقید یہی لیکن تحقیقی اعتبار سے یہ کتاب کس درجہ کی ہے؟ اس کو دانستگاف کرنے کے لئے یہ مضامین کافی ہیں۔ سلامت روی کا تقاضا تھا کہ اس تنقید کو کافی سمجھا جاتا اور بات کو آگے نہ بڑھنے دیا جاتا لیکن سخت افسوس ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا اور اینٹ کا جواب تاجر سے اس طرح دیا جانے لگا کہ جو لوگ اس کتاب سے ہر درجہ ہزار تھے اور جنھوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا تھا ان کے سر بھی زخمی ہونے سے نہ بچے۔ جو آپ اس طریقہ کو کوئی ایک انصاف پسند شخص بھی پسند نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ آج جو لوگ آپ کے ساتھی ہیں وہ بھی دوسری صف میں شامل شریک ہوں اور اس طرح اختلاف و افتراق کی طرح وسیع سے وسیع تر ہو جائے۔

جب دو آدمی یا دو گروہ ایک جگہ رہتے ہیں تو ان میں کچھ باتیں عام اشتراک ہوتی ہیں اور چند چیزیں

ابہ اختلاف دونوں کو مل گیا ہی جگہ مل جل کر رہا ہے تو اس کا طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ ابہ اختلاف چھوڑ
کو زیادہ نہ اٹھارا جائے اور اگر ان کو بیان کیا بھی جائے تو اس سنجیدہ اور مستعمل لہجہ کے ساتھ کہ اس میں
دوسرے پر طنز و تعریف کا شائبہ نہ ہو یہ زندگی کا ایک عام اصول ہے۔ لیکن اس زمانہ میں مسلمان تاریخ
کے جس نازک دور سے گزر رہے ہیں اس کا خصوصی مطالبہ اور تقاضا ہے کہ اس اصول پر سختی سے عمل پرا
ہوں اور ان کے ملی وجود کے لئے چاروں طرف سے جو خطرہ پیدا ہو رہا ہے اس کا متفق و متحد ہو کر مقابلہ کریں
آخرت میں جس چیز کی باز پرس ہوگی اور صرف آخرت میں ہیں بلکہ دنیا میں بھی کامیابی اور سرخروئی کا
جس پر دار و دار ہے وہ صرف ایمان اور عمل صالح ہے۔ اس ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ اگر کسی طرف سے
ہماری تاریخ ملی کی کسی غیر متعمد شخص پر حملہ ہو تو اس کا دفاع کریں۔ لیکن کسی پر سبب شتم کرنا اور اس کی شخصیت و
ذمت کے لئے تاریخ کے کمزور بہادروں سے مدد لینا ہرگز ایمان کا متفق نہیں ہے۔ اب وہل اور ابوبہ کے بڑھ کر اسلام
کا اور پیغمبر اسلام کا دشمن کون ہے؟ لیکن ان پر لعنت بھیجنا نہ اسلام کی تعلیم ہے اور نہ ایمان کا منشاء پس جب
ابوہل اور ابوبہ کا حال یہ ہے تو ظاہر ہے کہ جو حضرات مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کے نزدیک واجب الاحترام
ہیں ان کی نسبت متقی و ذمت کے الفاظ لکھنا کیونکر روا ہو سکتا ہے؟

جو فتنہ کہ اس وقت پیدا ہو چکا ہے ضرورت ہو کہ اس کو ختم کیا جائے اور اس کو فتنہ عظیم بننے سے روکا جائے
اس لئے ہماری رائے میں یہ مناسب ہوگا کہ سنتی اور شیعہ علماء جو کسی مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کر سکتے ہیں وہ کسی ایک جگہ جمع
ہو کر پوری صورت حال کا جائزہ لیں اور کوئی ایسا نوٹز علی قدم اٹھائیں جو اس فتنہ کا سد باب کر دے اور
صورت حال کو بد سے بدتر ہونے سے بچالے۔

انفوس ہے کچھ دنوں بعد محمد احمد صاحب کاظمی کا انتقال ہو گیا مرحوم مولانا سید ظہیر احمد صاحب شگوری
کے فرزند ارجمند اور ایک نامور خاندان کے مہتمم و چراغ تھے۔ والد آباد ہائیکورٹ کے بڑے کالیاب ایڈووکیٹ اور
بحر الہیہ تھے پارلیمنٹ میں وقف ایکٹ کے مصنف وہی تھے۔ فی ظلم گویا ان کی گمشدگی میں پڑا تھا کہ اگر
کے علاوہ جیتے علماء ہند اور مجلس اہل علم کے سرگرم کارکن تھے۔ اخلاقی اعتبار سے بڑے درویش صفت اور
خدا ترس انسان تھے گزشتہ سال جب کہ کچھ لکے آئے تھے اس وقت سے ان کی دینداری میں نظم و انضام

پیدا ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شوق کا یہ عالم تھا کہ نام نہانی زبان پر آیا اور چشم پر ہم ہو گئی۔ اسی جذبہ سے انگریزی زبان میں ایک ضخیم سیرت نبوی مرتب کر رہے تھے جو انہوں نے کہنا مکمل رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ منفعت و بخشش کی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے۔

گذشتہ ماہ نومبر میں جناب اسد ظانی بھی کراچی میں وفات پا گئے۔ مرحوم صاحب فن استاد سخن تھے قدرت کلام کا یہ عالم تھا کہ ہر صنف شاعری میں بے تکلف و ادب دے سکتے تھے۔ مگر ان کا اہل میدان قومی شاعری تھا۔ اس رنگ میں ڈاکٹر تہال مرحوم کے متبع تھے۔ سرکاری نوکری کی مصروفیتوں کے باعث ان کو اپنے حوصلہ کے مطابق شاعری کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ پھر بھی تنہا کچھ لکھ گئے ہیں صنف اول کے شعرا میں ان کا نام زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ بطور بڑے غصے، ہنس، کراہ، مزاج، ہرچ و مرجان قسم کے انسان تھے۔ اللہم اغفر لہ و ارحمہ۔

قلم میں تک پہنچا تھا کہ اپنا نک سولانا حافظ احمد سید صاحب۔ دہلوی کی فطرت حسرت آیات کی اطلاع ملی۔ انارٹا وانا الیہ راجعون۔ مولانا جمیعۃ العلماء نے ہند کے بانیوں میں سے اور اس کے پہلے جنرل سکریٹری تھے اس حیثیت سے انہوں نے ملک میں دورے کئے اور جگہ جگہ تقریریں کیں۔ یہ زمانہ تحریک خلافت کے شباب کا زمانہ تھا مولانا کی تقریروں نے دھوم مچا دی۔ اور بچہ بچہ کی زبان پر ان کا نام تھا۔ دلی کی نکسالی زبان بولتے اور اسی میں گفتگوں خاص لہجہ کے ساتھ تقریر کرتے تھے۔ اس لئے ان کی گفتگو اور تقریر دونوں اس قدر شیریں اور نگفتہ ہوتی تھیں کہ بس وہ کہیں اور شا کرے کوئی؟ قرآن مجید کے بہت اچھے حافظ تھے اور اس کے ساتھ بڑا شغف رکھتے تھے نہایت آسان زبان میں قرآن کا ترجمہ و تفسیر لکھ رہے تھے جو عالم پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ دنیا پر ہندو کتابیں بھی ان کی یادگار ہیں متعدد بار حریت وطن کی راہ میں جیل گئے۔ بطور بچہ خلیق۔ مسافر خوش طبع۔ اور بڑے بذلہ سنج بزرگ تھے۔ اگرچہ ادھر دہریس سے جیت کے صدر تھے۔ لیکن چند در چند عوارض و اسقام کے باعث برسوں سے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ دلی سے باہر گئے لوگ ان کی تقریر سننے کو ترستے تھے مگر انہوں نے سفر کرنا بالکل ترک کر دیا تھا عجیب بات ہو ہمارا انسان تھے۔ ان کا فقر و فقرہ زبان کی لطافت و نفاست کا موقع ہوتا تھا دلی وہ دلی ہی نہیں رہی ہے اب ایسے بزرگ کہاں ملیں گے؟ کل من علیہا مان و یقی وجہ سبک ذوالجلال و الاکرام۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ وہ نہت نصیب اور صدیقین و شہداء کا مقام جلیل عطا فرمائے آمین

یونانی علوم کا مسلمانوں میں دخل

۲۔ اموی خلافت

راہ جناب شیر احمد خاں صاحب غوری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ بی۔ ٹی
(جسٹرائٹھالت عربی و فارسی اترپردیش)

(۲)

میں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت سے دستبردار ہونے پر امیر معاویہ عالم اسلامی کے باضابطہ خلیفہ قرار پائے۔ مستقر خلافت کو فسطح دمشق میں منتقل ہو گیا جو اس سے پہلے شامی بادِ طغیانی تہذیب کا مرکز اور دنیا کے مسیحیت کا گہوارہ رہ چکا تھا۔ اسلام یوں بھی مذہبی رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ اختلافِ ضرورت سبھی المذہبِ رومیِ علم کو جو اس علاقے کے نظمِ حکومت کا طویل تجربہ رکھتا تھا، بڑے اور چھوٹے انتظامی عہدوں پر مقرر کرنے کی داعی تھی جس طرح ایران میں مجوسی علم کو برقرار رکھنا ناگزیر تھا۔ اس طرح دیوانِ خراج پر رومی نصرانی چھا گئے۔

مستشرقین کا کہنا ہے کہ اس ائمہ و مروج کے نتیجے میں سبھی فضلاء نے اسلامی فکر کو متاثر کرنا شروع کیا۔ چنانچہ فان کریم نے لکھا ہے:

فیش و حضرت کی شخصیت کی بنا پر اکثر اموی خلفاء نے عیسائیوں اور دیگر غیر مسلم اقوام کے ساتھ بہت زیادہ رواداری برقی۔ نہ صرف یہ کہ عیسائیوں کو خلفاء کے دربار میں آزادی کے ساتھ داخل کی جانے لگی تھی بلکہ انھیں اکثر اہم ترین رواداری کے عہدے بھی دیے جاتے تھے۔ ہرچون جو حوالے دستی ہوئے ہیں تاخیر یہ حوالے کہ عیسائیوں کے عہدے پر فائز تھا اور ان کی وفات پر یہ عہدہ اُس کے

جیسے کہ توفیق ہوا۔ یہاں تک کہ دوبارہ ملک اشعر اور ایک عیسائی ہی تھا۔ عیسائیوں کی حالت ایسی تھی کہ انھیں مسلمانوں میں بے روک ٹوک جاننے کی اور عام محبوں میں ملائی جلیب کے ساتھ چلنے پھرنے کی اجازت تھی۔ خلفاء کی روداداری نے اگر یہ طور پر عیسائیوں کی مسلمانوں کے ساتھ تبادلاً خیالات کے لئے بہت افزائی کی۔ اس طرح یونانی طلبہ وینیات کی محبت میں جو جدیدیات و مناظرہ کے فن میں ہمارے تار رکھتے تھے عربوں نے پہلی مرتبہ طلیحانہ اند لال کو سیکھا جسے آگے چل کر انھوں نے یہ اہمیت دی۔ نیز یونانی طلبہ وینیات ہی سے عربوں نے کلامی ترقیات کا پہلا سبق لیا اور یہ ایسا فن تھا جس میں باطنی ذہانت و طاقت رکھتی تھی۔
 فان کریمر کی مندرجہ بالا رائے کی تفکرس نے مزید توضیح کی۔

”عیسائیوں کو اسی خلفاء کے دربار میں آزادی کے ساتھ نقل و حرکت کی اجازت تھی۔ نصرانی شاہو اعلیٰ دربار کا ملک اشعر اور اُس کے بہت سے ہم مذہب حکمرانوں کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ مسلمان اور عیسائی دوستانہ گفتگو نیز مذہبی مناظروں میں تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے۔“

لیکن مسلمانوں کے شرعی عقیدہ مندوں نے اس محدود نظریہ کو جو صرف اسلامی ظہم کلام کے سہی دنیا سے متاثر ہونے سے متعلق تھا، تعمید کر کے اسلام کی عقلی تحریک کو تمام کے نو ظالونی غلامانہ سبکدوش کاموں احسان قرار دیا۔

مسلمانوں کی عقلی زندگیوں میں تمام کے نو ظالونی فلسفیوں اور سبکدوش کے آراء و مذاہب نے بھی نہایت پہنچائی کی ہے۔ جہاں تک مضبوط اور منظم فکر کا تعلق ہے وہ ان کو ساری اہل علم سے ہی اہل ہونے اور مسلمانوں کو فلسفہ کا چچا بنانا ہی سے لگا۔ فلسفہ کو مسلمانوں سے متعلق کرنے اور اُس کو ان میں ہر دلعزیز بنانے میں ساری اہل علم نے ہمارے ساتھ دیا۔ یہاں

ON KREMER'S CONTRIBUTION TO THE HISTORY OF ISLAMIC

CIVILIZATION, PAGE 59

(HOLSON'S LITERARY HISTORY OF THE ARABS) PAGE 221

مسلمانوں کی کچھ عقلی ادنیٰ کی تا اگر ضرورت تھی۔ پھر امر اور نہی کی حکومت کے ذریعہ
 تمام میں قبل از اسلام یونان کا نو فلاطونی فلسفہ کافی مقبول ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کو شلیم اور
 منجھٹا دیکھ کے لئے اسی کتب خیال سے سابقہ پڑا۔ تمام کا یہ کتب اچھا عیسائی تعلیمیں
 کا کتب تھا جس نے یونان کے روحانی فلسفے کو اپنے خنک پر ڈھال دیا تھا۔
 اس طرح چند امور متبعی طلب ہیں۔

۱۔ کیا دیوانِ خراج کے ردی عمل نے بازنطینی دینیاتی رجحانات کو اسلامی مفکرین سے متعارف

کرایا

ب۔ کیا دربار میں عیسائی شعرا کی قدر و منزلت نے مسیحیت کو عام اسلامی فکر کو متاثر کرنے میں
 مدد دی۔

ج۔ کیا اموی و دربار کے اطباء نے فلسفہ کو مسلمانوں سے متعارف کرنے میں کوئی حصہ دیا۔
 د۔ مسلمانوں میں یونانی علوم کی منتقلی کہاں تک تمام کی سچی علماء کی وساطت کی رہی منت ہے

اور

۲۔ مسلمانوں کی عقلی روشنگریوں میں تمام کے نو فلاطونی فلسفیوں اور سکیمین کے آثار و مذاہب
 نے کہاں تک رہنمائی کی ہے۔

دیوانِ خراج کے ردی | امیر معاویہ سے پہلے نظامِ حکومت بیدار سادہ تھا جس کے چلانے کے لئے کارکنوں
 ملک کی بے اثری | میں دیانت و خدا ترسی کے علاوہ کسی نفی جہارت کی ضرورت نہیں تھی اس لئے

انتظامی امور کے لئے مسلمانوں ہی میں سے کام کرنے والے مل جاتے تھے۔ امیر معاویہ کے عہد سے ملکِ خوض
 زیادہ شروع ہوا۔ حکومت کی شہنشاہی میں پیچیدگیاں شروع ہوئیں جو انھوں نے "دو قیصریت" سے ورڈیں
 پائی تھیں۔ اس لئے ان پیچیدگیوں سے عہدِ معاویہ نے اس طبقہ متعلمین کی ناگہان ہوئی جو قیصرہ کے

نہیں ان انتظامی امور کو انجام دینا تھا۔ یعنی دیوانِ خراج کا عملہ چنانچہ ان کا راجہ تعویلی کہتا ہے کہ یہ
 نماز سے عیسائی دیوانِ خراج پر چھانا شروع ہوئے۔

وَمَكَرَ أَنَّهُ كَانَ لِعَبْدِ الْمَلِكِ كَاتِبٌ
نَصْرَانِيٌّ مِنْ أَوْسَاطِ كُتَّابِهِمْ يُقَالُ
لَهُ شَمْعُونُ

بیان کیا گیا ہے کہ عبد الملک کے عام کتاب
میں سے ایک عیسائی کاتب بھی تھا جس کا نام
شمعون تھا۔

وكان رجل من اهل فلسطين
يسمى بابن البطريق يكتب
له

فلسطين کا ایک شخص جو ابن البطریق کے نام
سے مشہور تھا سلیمان بن عبد الملک کے یہاں
کاتب تھا۔

وكان يكتب ليعبد العزيز بن مروان
 نياس بن خويام من اهل الرها^١،
 عبد العزيز بن مروان الكاتب شهر الرها^٢ سنده
 والاناس بن خواما^٣.

لیکن نہرائی کتاب ایک انتظامی ہندوستان تھے مسلمان فاتحین کی ہمیشہ پالیسی رہی کہ وہ فتح کے بعد مغلوبہ علاقے کے معاشرتی و انتظامی نظام میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے بلکہ اسے اسی حالہ باقی رکھتے وہ ایران گندھارا دیوان خراج کو فارسی زبان میں برقرار رکھا اور اُس کی تنظیم کے لئے محوی کتاب (دہمیران) لوسپہ کی طرح باقی رکھا جب محمود بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تو مالی انتظام پہلے کی طرح ہندو عملہ کے ہاتھ میں رکھا۔ غرض ہر ملک دیوان عطیات عربی میں تھا اور دیوان خراج مقامی زبان میں یہی پالیسی انھوں نے

طہ کتاب انور اور کتاب طہ مستند ص ۴۰ ۴۱ ایضاً ص ۴۲ ۴۳ ایضاً ص ۴۴

شام میں رکھی۔ جیشیاری لکھا ہے:-

سولہ نزل بالکوفہ والبصرۃ دیوانان
احدہما بالعربیۃ لا حصلا النام
واعطیا قیوہذ الذی کان عم
قد سمعہ والاخر لوجہ الاحوال
بالعربیۃ وکان بالشام مثل
ذلک احدہما بالرومیۃ والاخر
بالعربیۃ، فجری الامر علی ذلک
الی ایامہ عبد الملکؒ
کوذا اور بصرہ میں دس ششک) دو دفتر بے ایک
عربی میں جہاں لوگوں کی مردم شماری ادا کی
وٹاٹ کا حساب رکھا جاتا تھا۔ اس دفتر کی
بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈالی تھی۔ اور دوسرا
مختلف محبوں کے حساب کے لئے جو فارسی
میں تھا۔ اسی طرح شام میں ایک دفتر رومی زبان
میں تھا اور دوسرا عربی میں یہی طریقہ عبد الملک
بن مروان کے عہد حکومت تک برقرار رہا۔

اس لئے چاہے آمر کی نظروں میں مامور محبوب ہو (جیسے ابن انال امیر معاویہ کی نظروں میں) یا
مبنوف (جیسے سرجون عبد الملک کی نظروں میں) دیوان خراج کا عملہ شام میں رومی زبان جاننے والا ہی
ہو سکتا تھا جو شامی مسیحوں سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے دیوان خراج پر شامی مسیحوں کا چھانا نا فطری تھا۔
اس میں خلفاء کے پسند و ناپسند کو تاثر نہ ملتا تھا جتنا انتظامی ضرورت کو۔ اس لئے اسے خلفاء کی بے نیسی
ورود اداری پر تو معمول کیا جاسکتا ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ یہ کتاب اپنے آقاؤں کے مزاج
میں بھی نہیں ہو گئے تھے یا ان کے آقاؤں کی علمی و فکری صلاحیتوں سے متاثر تھے یا کسی نہج سے اس
کے خوشہ چین تھے۔

امیر معاویہ معاملہ فہمی و حسن تدبیر کے ساتھ موصوف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جس ملک مبنوف کی
بنیاد انھوں نے ڈالی تھی، اہا بہ و تابعین میں سے کسی مسلمان کی دیانت و ہذا تریسی اس کی پیچیدگیوں سے
مہرہ براہین کی مہلا حیت نہیں رکھتی تھی۔ لہذا انھوں نے شام کے عوام کی اقتصاد کی دست برد کے لئے
اسی طبقہ کو برقرار رکھا جو اس کام میں ہمارت رکھتا تھا۔ انھوں نے شام کے دیوان خراج پر سرجونؒ کی
کتاب فوائد و اکتاب ص ۳۸ سے تفصیل لگے آئے گی۔

کو مقرر کیا جو اس اہم عہد پر عبد الملک کے زمانہ تک فائز رہا۔ مگر یہ تقرر ایک ناگزیر انتظامی ضرورت تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اس میں نہ تو انتظامی صلاحیت کے علاوہ سرحدوں کے علم و فضل کو دخل تھا اور نہ امیر معاویہؓ کے کسی علم دوستی کے جذبے کو۔ تاریخ بھی نہیں بتاتی کہ سرحدوں نے براہ راست یا بالواسطہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کی کسی عقلی تحریک کو کسی بھی بیخ سے متاثر کیا ہو۔

امیر معاویہؓ کے بعد نیز تخت خلافت پر ممکن ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کے زمانہ کے کاتب خراج سرحدوں کو اس اہم عہد پر برقرار رکھا۔ اس کے علاوہ اُس نے اسے اپنا ندیم و شیر بنایا جس کی وجہ سے اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ عام اسلامی شعار کے برخلاف جس کی کم از کم ظاہری حد تک ہی دوسرے اہل دربار مراعات کرتے ہوں گے، یہ پید ہو و لعب اغنا، دسرود اور بادہ گساری کا رسیا تھا۔ دربار کے کسی ملازمین کو ان باتوں سے کیا دریغ ہو سکتا تھا۔ ان ملازمین میں سب سے بلند مرتبہ دیوان خراج کا کاتب تھا۔ لہذا اس اہم منصب خلیفہ نے اسے اپنا حریف بادہ پیا اور ندیم خاص بنایا۔ ابوالفرج نے کتاب الاغانی میں لکھا ہے:-

کان یزید بن معاویہ اول من	ظفاریں یزید بن معاویہ پہلا شخص ہے جس نے اسلام
سن الملاحی فی الاسلام من الخلفاء	کی تاریخ میں پہلو لب کی رسم ڈالی گانے بجانے
وآوی المغنین واظهر الفلک وفتا	دالوں کو دریا میں جگہ دی فسق و فجور کا اظہار کیا
المختصر وکان ینادہ علیہا سرحدون	اور شراب پی۔ بادہ گساری میں سرحدوں جو اس کا
النصارى فی مراحہ والاحطال وکان	مولیٰ د آزاد غلام تھا اور اخطل اُس کے ندیم
یا تہ من المغنین سائب خاص	و حریف بادہ پیا رہتے تھے گانے دالوں میں سے
فیقیم عندہ فیخلع علیہ واصلہ	سائب خاص سراسر کے پاس آکر ٹھہرا کرتا تھا اور

یزید اُسے خلعت دیتا اور ملے دیتا۔

اس لئے اگر بالفرض انناس علی دین ملو کچھ کے عام اہول کے برعکس ایک ندیم نے اپنے ولی نعمت پر کوئی اثر کیا بھی ہو تو وہ اسی سے نوشی و میث کو شہی کے سلسلے میں ہوگا۔ شاید اسی وجہ سے

لے کتب الاغانی جزو ثامنہ دم ص ۶۸۔

یزید کے خمریات میں ایک خاص کیفیت ہو۔

جیشاری نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب میزانا امام حسین رضی اللہ عنہ کے کوہ پہنچنے کی خبر پڑھول ہوئی تو یزید نے اس کے تدارک کے لئے سرجون ہی سے مشورہ کیا۔

فلما اقبل بیزید معہ الحسین جب یزید کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے کوہ کی طرف

رضی اللہ عنہ الی الکوفہ جانے کی خبر ملی تو اس نے سرجون

... مشاورت سرجون بن عتہم ورفی من بن منصور ہی سے مشورہ کیا کہ عراق کا گورنر

یولیا العراقی سے کئے بنائے۔

لیکن اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اگر ادا اسلام اتنے تنگ نظر نہ تھے کہ سلطنت کے اہم معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے مسلم وغیر مسلم کی تفریق کو روا رکھتے نیز اس قسم کی دین فروشوں کے معاملے میں دین دار مسلمانوں کے مقابلے میں ایک بے دین نصرانی ہی کا مشورہ زیادہ قابل قبول ہو سکتا ہے آخر میزبانان رسولؐ راہنہار کی بچو کے لئے اُسے کون مسلمان شاعر ملا تھا جو اس عقیب فروشوں ہی کے لئے مل جاتا۔ انہار کی بچو کے لئے اسے ایک نصرانی شاعر ملا تو تفصیل آگے آئے گی، اور خاندان رسالت کی بربادی کے لئے بھی اس نے ایک نصرانی شہر ہی سے مشورہ کیا۔

بہر حال سرجون نے یزید کی خمریات کی لطیف و دقیق میں کوئی حصہ یا ہویا نہ لیا ہو جس کی تحقیق عربی ادب کے مورخین کا منصب ہے، اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس نے شامی نو فلاطونی افکار کو اس کی نظروں میں ہر دلعزیز بنایا ہو یا باز فطینی مسیحی دنیات کے رجحانات کو اسلامی مفکرین سے متعارف کیا ہو۔

یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوا۔ اُس نے بھی سرجون کو دیوان خراج کی کتابت پر برقرار رکھا۔ مگر چند ایام کی خلافت کے بعد وہ اس اہم ذمہ داری سے مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔ اس کے بعد امام خاندان کا در شروع ہوا۔ شام میں مروان نے قبضہ چالیا۔ اس کے زمانہ میں بھی سرجون اپنے عہدہ پر برقرار رہا۔

وکان مکتب مروان... علی الذی یوفی مروان کے زمانہ میں دیوان خراج کا کاتب سرجون

لے کتاب الوزراء والکتاب ص ۳۱۔

سرجون بن منصور النصارانیؒ بن منہور نصرانی تھا۔
 مروان کے بعد اس کا بیٹا عبد الملک اُس کا جانشین ہوا۔ عبد اللہ بن زبیر کو شکست دے کر وہ عالم
 اسلام کا خلیفہ ہوا۔ اُس نے بھی دیوانِ خراج پر سر دست سرجون ہی کو برقرار رکھا۔
 "وَكَانَ يَتَقَلَّدُ دِيَّوَانَ الشَّاهِدِ بِالرُّومِيَّةِ شَامٍ فِي دِيَّوَانِ خِرَاجِ كَاجُورُومِي نَهَانٍ فِي تَمَدٍّ
 بَعْدَ الْمَلِكِ وَلَمْ يَتَقَدَّمْ لَهُ سَرْجُونُ مُنْظَمُ أَعْلَى عَبْدِ الْمَلِكِ كَزَامَةٍ فِي نِزْرِ أَسْ كَعِ
 ابْنِ مَنْصُورٍ النِّصْرَانِيَّ" پشیزوں کے زامہ میں سرجون بن منہور نصرانی تھا
 فان کری کر کہا ہے:-

"SERGIUS, THE FATHER OF JOHN OF DAMASCUS ENJOYED
 AT THE COURT OF THE CALIPH ABDUL - MALIK, THE PLACE
 OF FIRST COUNCILLOR, AND AFTER HIS DEATH HIS
 SON WAS GIVEN THE SAME POST"
 (VON KREMER: CONTRIBUTION TO THE HISTORY
 OF ISLAMIC CIVILIZATION, P. 59)

یعنی (۱) سرجون عبد الملک کا مشیر اعلیٰ تھا، اور
 (۲) سرجون کی وفات پر یہ عہدہ عبد الملک نے اُس کے بیٹے یوحنا کے دشمنی کو تفویض کیا۔
 مگر یہ دونوں قول عملِ نظر ہیں :-

۱۔ واقعہ ہے کہ جو بھی اسباب ہوں عبد الملک سرجون کو پسند نہیں کرتا تھا۔ ممکن ہے سرجون جیسے زید
 اول کی منادیت کا اعزاز حاصل رہ چکا تھا عبد الملک کو خاطر میں نہ لانا ہو۔ ممکن ہے زید کے زمانہ میں عبد الملک
 کو کوئی خاص وقار حاصل نہ ہوا اور سرجون نے اس کا استغناء کیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس خانہ جنگی اور سیاسی
 انتشار اور عدم متفقہی کے زمانہ میں سرجون نے ٹھہرنا اور دیکھنا کے احوال پر عمل کرتے ہوئے عبد الملک کے

کتب الزبدہ والکتاب ص ۳۳۷ تا ایضاً ص ۴۰

اقدار کو کا حق تسلیم کرنے میں پس و پیش کیا ہو جو بھی وہ ہو سرجون عبدالملک کو غلام میں نہیں لاتا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عبدالملک اور ابن زبیر کی خانہ جنگی کے دوران میں سرجون نے قیصر روم کے ساتھ خفیہ بیاز باز کرنا شروع کر دیا ہو۔ اسلامی تواریخ اس شبہ کے ذکر سے خاموش ہیں مگر یوحنا نے دمشق جس کے باپ کو مسٹر سرجون بتانے ہیں، کے متعلق جیسا کہ اس کے عقیدت مند سوانح نویس یوحنا نے بروشلم نے لکھا ہے کہ یہ الزام ناقابل تردید حد تک ثابت ہو چکا تھا کہ اُس نے قیصر سے خلیفہ کے خلاف سازش کی ہے (تفصیل آگے آئے گی) مسٹر ترمین کا یہ بھی خیال ہے کہ سرجون کے باپ منصور ہی کی دغا بازی کی وجہ سے دمشق مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ ریورڈ جے۔ ایچ۔ لپٹن (Lupton) نے یوحنا کے دمشق کی سوانح حیات میں لکھا ہے۔

ASSEMANUS EVEN THINKS IT WAS THIS MANSUR,

WHO HELPED TO BETRAY DAMASCUS TO THE SARA.

CENS.
IN 634 (LUPTON: ST. JOHN OF DAMASCUS) P. 25 NOTE.

اس لئے ممکن ہے سرجون نے بھی کوئی ساز باز کرنا شروع کیا ہو یا عبدالملک کو اس کے متعلق کوئی شبہ ہو گیا ہو (جس کے بقول مسٹر ترمین قوی قرائن موجود تھے)

بہر حال جو بھی وہ ہو عبدالملک اور سرجون کے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف نہیں تھے اور آخر کار عبدالملک نے سرجون کو اس جہد سے برطرف کر دیا یہی نہیں بلکہ اس محکمہ ہی کو مسیحی رومیوں کے قبضہ سے نکال لیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے :-

چونکہ سرجون اور اُس کی جماعت (مسیحی کتاب) دیوان خراج پر عوام سے چھلے ہوئے تھے عبدالملک کا حین تدبر اُن سے مستغنی ہونے کی جرأت نہ کرنا تھا لیکن جب دیوان الرسائل کے منظم اعلیٰ سلیمان بن سحر الحنسی نے اسے یقین دلایا کہ وہ اُسے سرجون اور سرجون کے تحت عملہ کی ضرورت سے بے نیاز کر سکتا ہے تو پھر عبدالملک نے اُسے (سرجون کو) فوراً معطل کر دیا۔ ابن الندیم لکھتا ہے :-

وَقَدْ قِيلَ إِنَّ الدِّيَّانَ قُتِلَ فِي أَيَّامِ

عَهْدِ الْمَلِكِ فَإِنَّهُ أَمَرَ سُرَجُونَ مَعْصُومًا

الا مرفتر انخی فیہ فاخفظ عبد الملک
 فاستشار سلیمان فقال له انا
 انقل الیایوان وارجل منه
 سام کے کرنے کا حکم یا اگر اُس نے اس میں ڈھیل
 ڈال دی بعد الملک نے اُسے دل میں رکھا اور سلیمان
 بن سعد الحنسی سے مشورہ کیا سلیمان نے کہا میں
 دیوان کو نفل کر دوں گا پس اُس نے اُس سے
 ہلدی کرائی۔

ابن الذہب نے اس واقعہ کو بصریہ تفریض بیان کیا ہے کیونکہ اس کے خیال میں شام کا دیوان خراج
 شام بن عبد الملک کے زمانہ میں رومی سے عربی میں منتقل ہوا۔ مگر جیشیاری جو اس باب میں ابن الذہب سے زیادہ
 اہل اعتماد ہے کیونکہ اس نے وزرا و کتاب کی تاریخ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اس بات کو نوکر پہچ
 ن لکھا ہے:-

وكان يتقلد ديوان الشام بالرومية
 عبد الملك ولمن تقدمه سرجون
 ابن منصور النصافي فامر عبد
 الملك
 يوما لثمن فتا مل عنده وتوا في فيه
 فعاد لطلبه وخته فيه فرى منه
 تفریطاً وتقصيراً فقال عبد الملك
 لابي ثابت سليمان بن سعد الحنسي
 وكان يتقلد له ديوان الرسائل اما
 ترى اذلال سرجون علينا واحبه
 قدس اعيان ضارنا اليه والى
 صناعته - فما عندك حيلة ؟
 شام میں دیوان خراج کا جو رومی زبان میں تھا
 منظم اعلیٰ عبد الملک کے زمانہ میں نیز اس کے پیشرو
 کے زمانہ میں سرجون بن منصور نصرانی تھا۔ ایک دن
 عبد الملک نے اُسے کسی بات کا حکم دیا مگر سرجون نے
 اس میں ڈھیل ڈال دی اور پردہ لگائی عبد الملک نے
 دوبارہ اس سے کہا اور اُسے برا بھلا کیا مگر پھر بھی
 اس کی جانب سے کوئی ایسی دیکھی۔ اس پر عبد الملک
 نے سلیمان بن سعد الحنسی سے جو دیوان رسائل کا
 منظم اعلیٰ تھا کہا تم نے سرجون کا اندوناز دیکھا ہے
 خیال میں وہ بھلا کر کہیں اُس کی اداسی کے حکم
 ایسی ہر رتہ دیکھیں اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے

قال لو شئت لحولت الحساب الى مائة
 قال فافعل . فرد اليه عبد الملك
 جميع حوادين الشام :
 وكتاب الوزير والكتاب من ۴۰
 اس کے بعد عبد الملک نے شام کے تمام دفاتر کو
 سلیمان بن سعد النخعی کے ماتحت کر دیا۔

دیگر مؤرخین نے بھی جہشیری ہی کی تائید کی ہے تفصیل آگے آرہی ہے اس کے بعد یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا
 کہ سرجون عبد الملک کا متہد علیہ یا شیر علی تھا۔
 غالباً فان کریم کا ماخذ یوحنا کے دشمن کی تصنیف ”سوانح یوحنا کے دشمنی“ ہے جس میں یوحنا کے
 دشمنی کے آبا و اجداد کے متعلق لکھا ہے۔

“HIS FORE FATHERS HAD BEEN STEWARDS
 IN HIGH TRUST EVEN AMONG THE SARACENS
 THE FATHER OF THIS SECOND JOHN (OF DAMASCUS) ...
 WAS A MAN OF HIGH POSITION, BEING APPOINTED
 TO ADMINISTER THE PUBLIC AFFAIRS THROUGH THE
 WHOLE COUNTRY”
 (LUPTON: ST. JOHN OF DAMASCUS: P. 24-25).

اس کے آبا و اجداد مسلمانوں کے زمانہ میں بھی مصرم اعلیٰ اور ان کے متہد علیہ تھے اس یوحنا کے
 نانی یوحنا کے دشمنی اباب بڑا صاحب مرتبہ تھا جس کا تقریر پوری سلطنت کے امور مل کے انتظام کیے جوتھا
 لیکن آگے میں کہ معلوم ہو گا کہ یہ سوانح حیات اور اس کی تفصیلات ناقابل اعتماد ہیں۔

یہ اسی طرح یہ قول بھی غلط نظر ہے کہ عبد الملک نے سرجون کی وفات پر اس کے بیٹے یوحنا کے دشمنی کو اپنا شیر علی
 بلایا جب جب تصریح جہشیری عبد الملک نے سرجون کی زندگی ہی میں اسے سرجون کو دو زبان خراج سے علیحدہ کر دیا تھا بلکہ دلو
 خراج کو روکی زبان سے عربی میں منتقل کر کے دیوں کی جاہلیی خاتمہ کر دیا تھا تو یہ زبان کیوں کہ عبد الملک نے سرجون

تاریخ الردۃ

(جناب ڈاکٹر خورشید احمد فاروق صاحب استاد ادبیات عربی دہلی یونیورسٹی)

(۸۱)

عمر بن خطابؓ یثرب کی فائدہ کے دوستوں اور یہاں کے سادات میں سے تھے، ان کا تعلق ہجر (حجرت) سے نہیں بلکہ قلم سے تھا جو بنو نضیر کا ایک نسل تھا۔ فائدہ نے عمر سے کہا: اپنی قوم کے پاس جاؤ اور ان کو ایسی خبریں سناؤ جس سے ان کے جوصلے پست ہو جائیں۔ عمر سامہ آئے، بنو نضیر کو اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں، وہ مجتہد، عمدہ گھوڑا سوار اور مقتدر آدمی تھے، انھوں نے کہا: "ہاں جہاد! جہاد میں وہ انصار کے ایک لشکر کے ساتھ فائدہ تمھارے سر پر آ رہے ہیں، مسلمان یہاں فتح کرتے بڑھے چلے آ رہے ہیں، اسد، غطفان اور علیا ہوازن کو ٹھکانے لگا چکے، اب تم ان کے جنگل میں ہو، ان کا نعرہ ہے: لا قوت الا باللہ! رقت کا ذریعہ بس خدا ہے، میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ اگر تم ان پر صبر کے ذریعہ غالب ہونا چاہو تو وہ خدا کی مدد سے ذریعہ تم پر غالب ہو جائیں گے، اگر تم زندگی کی کشش سے ان پر غلبہ چاہو تو موت کی لہر ان کو تم پر غالب کر دے گی، اور اگر تم کثرتِ فوج سے ان کو ہرانا چاہو تو وہ خداوندی مدد سے تم پر فتح پھیل کر لیں گے، تمھاری اور مسلمانوں کی حالت یکساں نہیں ہے، اسلام سر بلند ہوا ہے، ترکِ مروتوں، ان کا لہذا نبی ہے اور تمھارا کذاب، ان کے دل بھی خوشی اور ولولوں سے معمور ہیں، تم دعوہ کے میں قبلا ہو، اس وقت جب کہ ان کی تلوار نیام میں اور ان کا تبر کش میں ہے تمھارے لئے سرکشی اور اسلام کی بغاوت سے باز آنے کا موقع ہے، میں مسلمانوں کی اس فوج میں دس دن رہ کر آ رہا ہوں جو دھاک مارتی تمھاری طرف چلی آ رہی ہے۔ بنو نضیر نے عمر کی بات نہ مانی اور ان پر جاسوسی کا الزام لگایا، عمر مروت گئے۔"

ان کے جانے کے بعد ثمامہ بن اثال نے امام جلسہ میں تقریر کی اور کہا: ”ہاجو! میری باتیں گونش پوش سے
 سنئے اور عمل کیجئے اس میں آپ کا بھلا ہے، دینی ایک مشن میں شریک نہیں ہوتے محمد کے بعد کوئی نبی نہیں
 ہے اور خدا نے ان کے ساتھ کوئی دوسرا نبی بنا کر بھی نہیں بھیجا ہے تمامہ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت
 کی: **حَسْمَ تَنْزِيلِ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ عَافِرِ الذَّنْبِ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ**
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَهُ الْمُسْلِمِينَ اور کہا یہ خدا کا کلام ہے۔ اس سے میلہ کے اس کلام کا مقابلہ کیجئے:
يَا صَفَد عَن نَفْيِ كَوْتَقِينَ لَا الشَّرْبَ تَمْنَعِينَ وَلَا الْمَاعُ تَكْدَسِينَ مانتا ہے نکاہے یہ کلام۔
 محمد کے بڑپن کی ایک مثال میں آپ کو سنا تھا ہوں، رسول اللہ میرے پاس سے گزے میں اپنی قوم
 کے دین پر تھیں، میں نے اُن کو قتل کرنا چاہا تو عمر بن خطابؓ نے شکاری آڑے آئے، رسول اللہؐ نے میرا خون
 بدل کر دیا، میں نے سفر کیا جب مدینہ کے نواح میں آیا تو رسول اللہؐ کے آدمیوں نے مجھے گرفتار کر لیا، لیکن
 آپ نے مجھے معاف کر دیا، میں مسلمان ہو گیا، آپ نے مجھے حج بیت اللہ کی اجازت دی، میں نے کہا: رسول اللہؐ
 بنو قریظہ نے اثال کو اسلام سے پہلے مار ڈالا تھا۔“ آپ نے مجھے اُن سے بدلہ لینے کی اجازت دیدی، میں نے
 اُن پر چھاپہ مارا اور مالِ غنیمت کا خمس رسول اللہؐ کے پاس بھیجا، رسول اللہؐ کا جب انتقال ہوا تو ایک
 ایسا شخص اُن کا جانشین ہوا جو سارے مسلمانوں سے زیادہ دین کی بصیرت رکھتا ہے اور جو اسلام کے
 اصول کو نافذ کرنے میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتا، اس جانشین نے تمہارے پاس ایک شخص بھیجا جو نہ تو
 اپنے نام سے مشہور ہے نہ اپنے باپ کے، بلکہ سیف اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ بہت سی
 خدائی تلواریں ہیں، حضراتِ خوب غور و فکر کر لیجئے۔“ بنو حنیفہ نے تمامہ کو آڑے ہاتھوں لیا اور خوب گت
 بنائی، تمامہ نے شعر کہے:

مِيسِلْمَةٌ اِسْرَاجٌ وَلَا تَهْلِكُ فَاُنْثُ فِي الْاَمْرِ لَوْ تَشِ لَ

میلہ را و راست پر آجاؤ، لڑو جگر لڑو مت۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم کو نبوت یا خلافت
 میں دھوکے ساتھ شریک نہیں کیا گیا ہے۔

كَذَبَتْ عَلَى اللَّهِ فِي وَحْيِهِ فَكَانَ هَوَالِهُ هَوَالًا نَوَكًا

حق کا دعویٰ کر کے تم نے خدا پر بہتان تراشا ہے تمہاری آرزو میں بڑی اعتماد ہیں
 وَهَذَا قَوْلُكَ اَنْ يَمْنَعُكَ دَانِ يَا نَقِصَ حَالِدٍ قَتَرَ
 تمہاری قوم نے تم کو سب زبائع دکھایا ہے کہ وہ تمہاری مدد کریں گے۔ حالانکہ اگر خالد آگئے تو وہ تم کو
 چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

فَاللّٰهُ مِنْ مَّصْعَدٍ فِي السَّمَاءِ وَلَا لَكَ فِي الْأَرْضِ مِنْ مَسْلَكٍ
 اس وقت نہ تو آسمان پر تم چڑھ سکو گے اور نہ زمین پر تمہارا ٹھکانا ہوگا۔

بطاح سے خالد بن ولیدؓ کا ہراول دستے بھیجا

جب خالد بن ولیدؓ بطاح سے چل کر بتویم کے علاقہ میں داخل ہوئے تو انھوں نے دوسو سواروں پر
 مشن ہراول دستے معن بن عدیؓ جملانی کی قیادت میں بھیجے اور ان کی رہبری کے لئے فرات بن حیانؓ جلی
 کو، مور کیا، دو جاسوس بھی مقرر کئے ایک کنف بن زیدؓ الجلی طائی اور دوسرا ان کا بھائی، قاضی وادی؛
 خالد جب عرض پہنچے تو انھوں نے دوسو سواروں پر مشن چند ٹولیاں بھیجیں اور کہا کہ جو لے اس کو پکڑ لو، یہ
 ٹولیاں روانہ ہوئیں اور مجاہد بن مرادؓ خنی کو اس کے تیسس ہم قوموں کی ہمراہی میں پکڑ لیا، یہ لوگ ایک
 نیرسری عرب کے تعاقب میں نکلے تھے جس نے ان کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا، ان کو خالدؓ کی پیش قدمی کا
 علم نہ تھا، ٹولیوں کو انھوں نے بتایا کہ ہمارا تعلق بنو خنیفہ سے ہے سلمان سمجھ رہے تھے کہ یہ سلیہ کی طرف
 سے خالدؓ کے پاس بھیجی ہوئی سفارت ہے، جب صبح ہوئی اور پسماندہ فوج آگئی تو یہ ہراول ٹولیاں مجاہد
 بن مرادؓ کے ساتھیوں کو خالدؓ کے پاس لیکر آئیں، وہ بھی سمجھے کہ یہ سلیہ کے فاحش ہیں، انھوں نے پوچھا
 تمہاری سلیہ کے بارے میں کیا رائے ہے تو انھوں نے کہا وہ رسول اللہؐ ہے، مجاہد سے مخاطب ہوئے
 ہوئے، اور تمہاری کیا رائے ہے؟ مجاہد: بخدا میں ایک نیرسری عرب کے تعاقب میں نکلا تھا جس نے
 میرے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا مجھے سلیہ سے کوئی عقیدت یا قربت نہیں ہے، میں رسول اللہؐ کی
 باتیں جا کر اسلام قبول کر چکا ہوں، اور اس پر بدستور قائم ہوں، خالدؓ نے مجاہد کے ساتھیوں کو

ایک ایک کر کے قتل کرنا شروع کیا جب ساریہ بن مسلمہ کی باری آئی تو اس نے کہا: ”خالد! تم اہل بیتؑ کے ساتھ برا کرو یا بھلا، مجاہد کو مارنا کیونکہ وہ جنگ ہو یا صلح دونوں حالتوں میں تمہارے کام آئے گا۔“

مجاہد سی اثر آدمی تھا نہالڈنے اس کو قتل نہیں کیا، خود ساریہ اور اس کی بایں ان کو اتنی سیدائیں کہ اس کی جان بھی بخش دی، دونوں کے بیڑیاں ڈلوادیں۔ خالدؓ مجاہد کو وقتاً فوقتاً بلا کر اس سے باتیں کیا کرتے، مجاہد سمجھا کہ خالدؓ اس کو قتل کر دیں گے، ایک گھنگوڑے کے دوران مجاہد نے کہا: ”ابن النفرہ ہیں مسلمان ہوں، میں نے اپنا مذہب نہیں چھوڑا ہے، میں رسول اللہؐ سے ملا تھا اور مسلمان ہو کر لوٹا، میں لڑنے کے لئے نہیں نکلا ہوں۔“ اس نے میری عمر کے تعاقب کی بات پھر دہرائی۔ خالدؓ قاتل اور ترک قتل کے درمیان ایک منزل ہے اور وہ ہے قید، میں تم کو اس وقت تک قید رکھوں گا جب تک اس نے دانی جنگ کا فیصلہ نہ ہوگا۔ خالدؓ نے مجاہد کو اپنی بیوی ام تمیم کے حوالہ کر دیا (ص ۷۵۴) جس سے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے انھوں نے شادی کر لی تھی، ام تمیم کو انھوں نے تاکید کر دی کہ مجاہد کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، ”مجاہد نے خالدؓ سے کہا: جس کو تم سے اندیشہ ہوگا وہ کیا آج اور کیا کل تم سے برابر ڈرتا رہے گا اور جس کو تم سے بھلائی کی امید ہوگی وہ کیا آج اور کیا کل وہ ہر وقت تم سے بھلائی ہی کی توقع رکھے گا، مجھے تم سے امید بھی اور ہم بھی، تم کو معلوم ہے کہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر وفاداری اسلام کی بیعت کر چکا ہوں، پھر وطن لوٹا اور بدستور اسلام پر قائم ہوں، اگر کوئی جھوٹا مدعی ہمارے درمیان پیدا ہو تو اسکی ہم پر کیا ذمہ داری ہے؟ کَلْبَرُ ذَا ذَرَّ ذَا حُرِّی۔ تم نے میرے ساتھیوں کے مارنے میں بڑی جھلت کی، جلدی میں اکثر غلط کام ہوتے ہیں“ خالدؓ: ”مجاہد، تم نے وہ مذہب چھوڑ دیا ہے جو کل اختیار کیا تھا، تم جیسے چوٹی کے مغز آدمی کا اس کذاب کی نبوت پر خاموش رہنا، اس کی نبوت تسلیم کرنے کے برابر ہے۔۔۔۔۔ تم نے وہ روش کیوں نہ اختیار کی جس پر تمہاری گرفت نہ ہوتی، تم نے بنو حنیفہ کو اسلام کی وفاداری پر قائم رکھنے کے لئے دوسرے لوگوں کی طرح تقریریں کیوں نہ کیں، جیسے تمام بنی امیال اور غیر شکاری، اگر تم کہو کہ مجھے بنو حنیفہ کی طرف سے اندیشہ تھا تو تم میرے پاس کیوں نہ چلے آئے یا تم مجھے خط کیوں نہ لکھا، یا میرے پاس کوئی قاصد کیوں نہ بھیجا، اہل بڑا ہنسے میری جنگ اور ان کی

نکست فاش کا حال تم کو معلوم تھا اور یہ بھی کہ میں فوج کے ساتھ تمہاری طرف بڑھا آ رہا ہوں؛ "جُماعہ میری سب تقصیریں معاف کر دو تو بہتر ہے؛ "خالدؑ: میں نے تمہاری جان بخشی کی لیکن سیلہ کے بارے میں تمہاری خاموشی سے ہنوز میرے دل میں تمہاری طرف سے شبہ ہے اور میں تم کو گرفتار رکھوں گا "جُماعہ: تم نے میری جان بخش دی تو اب مجھے قید کا خوف نہیں ہے؛ "خالدؑ جب کہیں بڑاؤ ڈالتے تو جُماعہ کو بلاتے اور اس کے ساتھ کھا اُکھاتے اور باتیں کرتے؛ ایک دن انھوں نے جُماعہ سے پوچھا یا وہ تو بتاؤ سیلہ کیسا کلام سنایا کرتا ہے، جُماعہ نے اس کی مزعومہ وحی کی کچھ جزئیہ آیتیں سنائیں؛ "خالدؑ: تم سمجھدار اور مغز زادی ہو، کلام اللہ سنو اور پھر دشمن خدا کا کلام دیکھو جس سے وہ قرآن کا مقابلہ کرتا ہے؛ "خالدؑ نے جُماعہ کو نسخ اسم ربک الاطی والی آیت تلاوت کر کے سنائی؛ "جُماعہ: ایک بحر بنی عرب سیلہ کا بڑا مغرب تھا؛ وہ ہمارے پاس آنا اور کہتا: تمہارا بڑا ہوا ہوا یا مہ، تمہارا یہ لیڈر خدا کا کذاب ہے، میرا خیال ہے کہ تم اس سے میرے تقرب کو دیکھتے ہوئے اس کے بارے میں میری رائے کو غلط بیانی پر محمول نہیں کرو گئے، بخدا وہ دردِ داغ باغ اور باطل فروش ہے؛ "خالدؑ: اس بحر بنی نے کیا کیا؛ "جُماعہ: "وہ بھاگ گیا" وہ ہر برس سیلہ کی یوں کھولا کرتا تھا اس کے اندیشہ ہو کہ کہیں سیلہ مار نہ ڈالے، اس لئے وہ بھاگ کر نجد چلا گیا؛ "خالدؑ: اس مغرب کی باتوں سے بھی بوضیفہ کی آنکھیں نہ کھلیں، اس غیبت کی کچھ اور دردِ داغ بایاں سناؤ؛ "جُماعہ: اُخرج لکھو حنطہ وذلما و سبلوا تمنا؛ "خالدؑ: اور تم اس کلام کو مُنزَل من اللہ سمجھتے رہے؟ "جُماعہ: اگر اس کو حق نہ سمجھتے تو دس ہزار سے زائد جانبا ز اس کے جھنڈے تلے جمع نہ ہو جاتے۔ ان سے کل تمہارا مقابلہ ہو گا۔ "خالدؑ: خدا ہماری مدد کرے گا اور اسلام کا بول بالا ہو گا، اُن کا مقابلہ دراصل خدا اور اسلام سے ہے۔

کتاب اُموی میں ہے: پھر خالدؑ روانہ ہوئے اور یمامہ کی ایک وادی میں اپنا خیمہ لگایا، بوضیفہ سیلہ کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے نکل آئے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ؛ جب خالدؑ یمامہ کے قریب پہنچے اور عفرہ میں بڑاؤ ڈالے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے ہراول دستے آگے بھیج دیئے، انھوں نے داپس الکر خبر دی کہ سیلہ اور اس کی فوج پہلے ہی سے عفرہ میں خیمہ زن ہے، خالدؑ نے اپنے مشیروں سے صلاح کی کہ آیا پانچوں کی طرف پیش قدمی کریں یا خود بھی عفرہ جا کر خیمہ لگائیں، طے پایا کہ عفرہ کا رخ کیا جائے، خالدؑ اپنی کل

فوج کے ساتھ روانہ ہوئے اور عقر بادشاہ کے آگے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلے خالد نے عقر بادشاہ میں اپنا کیمپ لگا دیا اور پھر سیکڑے اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں بیک وقت وہاں فروکش ہوئے۔ رادلوں کا بیان ہے کہ مسلمان ہر اہل رقال بن عنفہ کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے رہے تھے عقر بادشاہ کے انھوں نے دیکھا کہ وہ سیکڑے کی ہر اہل فوج کا سالار ہے انھوں نے اس کو خوب لعنت ملامت کی جب خالد اپنا کیمپ لگا چکے اور بنو حنیفہ نے اپنی صفیں درست کر لیں تو خالد اپنی صفوں کی طرف گئے اور زید بن خطاب کو اپنا جھنڈا دے کر آگے بڑھایا، اور انھار کا جھنڈا ثابت بن قیس بن ثمال کے حوالہ کیا، وہ اس کو لیکر بڑھ گئے اپنے مینیم پرنسپل بن قیس بن رقیہ کو اور میرہ پرستہ بن دہب اور گھوڑا فوج پربرادین مالک کو منور کیا، پھر برادر کو بٹھا کر ان کی جگہ اسامہ بن زید کو مامور کیا، اس کے بعد انھوں نے اپنے خیمہ میں ایک تخت بچھوایا اور اس پر لیٹ کر جماع جو ہم تنم کی حراست میں تھے نیز متاز مہاجر سے باتیں کرنے لگے بنو حنیفہ تلواریں سونے آگے بڑھے اور سارا دن بڑھتے رہے تلواریں دیکھ کر خالد بولے: خوش ہو جاؤ مسلمانو! خدا نے دشمن کو ٹھکانے لگا دیا، اس کا دور سے تلواریں سونمتنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تم سے ڈرتا ہے اور اس کے معنی میں یقینی بزدلی اور شکست، ”جماعہ“ ہرگز نہیں ذرا غور سے دیکھو ابو سلیمان! یہ ٹھنڈی تلواریں ہیں۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ آج صبح کی سردی سے ٹوٹ نہ جائیں بنو حنیفہ ننگا کر کے دھوب دکھا رہے ہیں، جب بنو حنیفہ مسلمانوں کے قریب آئے تو انھوں نے لٹکار کر کہا: اوافج ہو کہ ہم نے تلواریں نہ تو تم کو ڈرانے کے لئے سونتی ہیں، نہ اس کی وجہ بزدلی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ ہندی لوہے راسٹیل کی ہیں صبح ٹھنڈی تھی، ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں ٹوٹ نہ جائیں اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ تم سے لڑنے تک ان کو سنیک میں عنقریب تم ان کی گرمی محسوس کرو گے، سخت لڑائی ہوئی، دونوں فریق بڑی پامردی سے لڑے رہے، ان کے بہت سے لوگ مرے اور بہت سے گھائلی ہوئے مسلمانوں میں پہلے مقتول مالک بن اڑور تھے جن کو حکم بن طفیل نے مارا، پرانے اور قرآن خوان صحابہ کو دشمن نے بری طرح گھیر لیا، معدودے چند کو چھوڑ کر وہ سب کھیت رہے، دونوں فریق کئی بار پسپا ہوئے، مسلمان مشرکوں کے اور مشرک، مسلمانوں کے کیمپ میں کئی بار گھس آئے جب مسلمان اپنا

کیپ چھوڑ کر سپاہی ہوئے اور بنو حنیفہ اس میں گھس پڑے تو انہوں نے چاہا ہمارا کو لے جائیں، لیکن چونکہ اس کے بیڑیاں پڑی تھیں اور مسلمانوں کی ترک تاز بھی برابر جاری تھی، وہ لے جانے میں کامیاب نہ ہوئے، جوانی حلقہ کر کے جب مسلمان پھر کیپ پر قابض ہوئے تو وہ یہ کہتے ہوئے ہمارے کو قتل کرنے چھوٹے، قتل کر دو دشمن خدا کو، ان کا سر غنہ ہے، وہ اگر بنو حنیفہ کی اس تک رسائی ہو گئی تو وہ اس کو لے جائیں گے، مسلمانوں نے ہمارے پر تلوار سونپی تو خالد کی بیوی ام مہتمم نے اپنے جسم کی اوٹ میں اس کو لے لیا اور کہا ہٹو، میری پناہ میں ہے، ہمارے نے بھی کئی بار ام مہتمم کو بنو حنیفہ سے بچایا تھا، جب خالد نے ہمارے کو ام مہتمم کے حوالہ کر کے اس کے ساتھ حسن سلوک کی ناکید کی تھی تو ہمارے نے ام مہتمم سے کہا تھا: کیا تم مجھ سے عہد کر دو گی کہ اگر میری طرف کے لوگ فتح پا ہوں تو تم میری پناہ میں رہو گی اور اگر تمہارے لوگ فتح پا ہوں تو تم مجھے اپنی پناہ میں لو گی، ام مہتمم نے یہ عہد کر لیا تھا۔ (باقی)

۱۸۵۰ء کے تاریخی روزنامہ

۱۸۵۰ء کے واقعات پر ہندوستان و پاکستان میں متعدد کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں، لیکن یہ سب قلم اپنی مختلف خصوصیات کے لحاظ سے ایک عجیب تاریخی دستاویز ہے۔ روزنامہ لکھنے والے عبدالسیف ہیں جنہوں نے قلم دہلی کا آنکھوں دیکھا حال صاف شستہ اور موثر انداز میں سپرد قلم کیا ہے، اس روزنامے میں بعض ایسی معلومات بھی ملتی ہیں جو پہلے بار ہی رونما ہونے کے ذریعہ سامنے آئی ہیں۔ اس کو پڑھ کر ۱۸۵۰ء کے سبق آموز اور عبرت ناک تاریخی ہنگامہ کے چشم دید حالات و واقعات کا نقشہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔

کتاب کے مرتب شہرہ فاضل اور مورخ خلیق احمد صاحب نظامی ہیں جن کی تاریخی بصیرت مسلمات کا دہر رکھتی ہے، شروع میں ڈاکٹر یوسف حسین صاحب پر دوائس جانشین سلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پیش نظر کے علاوہ خلیق احمد صاحب کا نہایت جامع اور بصیرت افروز مقدمہ بھی ہے اس کے بعد اہل روزنامہ کا فوری تن اور پھر اس کا پہلا دستخطہ اردو ترجمہ، صفحات ۱۶۰، تقطیع ۲۶×۲۲، قیمت غیر ملحدین روپے بچاس نئے پیسے۔ جلد چارہ روپے پچاس نئے پیسے۔

خلافت معاویہؓ و وزیرؓ ”ایک جائزہ“

دار: جناب مولانا مجاہد الاسلام القاسمی مدرس مدرسہ جامعہ رحمانی خانقاہ بنوریہ
مولانا محمود احمد عباسی صاحب کی تصنیف ”خلافت معاویہ و وزیرؓ“ اس وقت پورے ملک میں محل بحث و نظر
بنی ہوئی ہے راقم الحروف نے بھی اس کتاب کا مطالعہ کیا اور جو کچھ محسوس کیا اسے پیش کر دینا ضروری
سمجھا ہے۔

کتاب کی ابتدا عرض مؤلفؒ سے ہوتی ہے مصنف نے پیش لفظ میں جہاں چند بنو امیہ کی برکات پر روشنی
ڈالی ہے۔ وہاں تمام مستند تاریخوں کو درجہ استناد کو بھی چیلج کیا ہے۔ مصنف کے نقطہ نظر سے بنو امیہ کے
باسے میں دوسری صدی ہجری میں وضعی روایات اور سن گھڑت افسانوں کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا۔ اس طرح
اسلامی تاریخ کی مبنی مستند کتابیں ہیں ان کو بیچ سے یک ظلم ٹھال دیا گیا ہے، اگر مصنف کے اس نقطہ نظر کو
تسلیم کر لیا جائے تو پھر نہایت سہولت کے ساتھ تاریخ کے ان تمام اہم واقعات کا انکار کیا جاسکتا ہے جن پر
ٹنک و وہیم کا کوئی گز نہیں۔ تحقیق و تنقید کا یہ طریقہ تو صحیح ہے کہ ”مخالف و موافق“ آراء و اقوال کو سامنے
رکھ کر اصول روایت اور اصولِ درایت کی بنیاد پر سچ کو جھوٹ سے الگ کیا جائے۔ اور صحیح صورت حال
کی تحقیق کی جائے لیکن تحقیق کا یہ طریقہ بالکل اٹوٹا ہے کہ ایک رائے پہلے سے قائم کر لی جائے پھر اگر
اس مزمومہ نقطہ نظر کے خلاف کوئی بات کسی مصنفؒ لکھدی ہے تو اس روایت کو ناقابل اعتبار ٹھہرنے کی
جگہ اس تصنیف اور اس کے تمام مواد کو غلط قرار دیا جائے ”تاییدِ طبری“ یا اس طرح کی دوسری تاریخیں
ظاہر ہے کہ انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں جن کی پیش کردہ معلومات کو لایب لبیک کی سند حاصل نہیں

ان میں صحیح مغلطہ کا احتمال ہے بنا بریں صحیح طرین کا یہ ہے کہ ان روایات پر جرح و نقد کیا جائے اور صحیح کو غلط سے الگ کیا جائے لیکن اگر ان تمام روایات کو غلط قرار دینے کے لئے امام ابن جریر بطری جیسے امام اہل سنت و جماعت پر شخصی اور دعائی تبلیغ کا سبل لگا دیا جائے تو اسے صحیح طرین کا نہیں کہا جاسکتا۔

مصنف نے اس پوری جماعت مورخین میں سے صرف ”ابن خلدون“ کو مستثنیٰ ہے۔ اور ان پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

”البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض شہرہ و رسمی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا ہے کہ تاریخ کو خرافات اور وہابی روایات سے انھوں نے تعمیر ڈالا۔ (۱)“

۱۔ مولوی علی احمد عباسی کے قلم سے ”تعارف“ ہے اس میں بھی تاریخ کو دوسری صدی ہجری میں وضعی روایات سے بھروینے اور تاریخ اسلام کو مسخ کر دینے کا الزام قائم کیا گیا ہے اور پھر سبائی تحریک کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ پھر جناب تنہا مادی کا لکھا ہوا مقدمہ ہے۔ اس میں ان نقیصات اور غلطیوں پر تبصرو کیا گیا ہے جو تاریخی روایات پر اثر انداز رہے ہیں۔ اس کے بعد اہل کتاب شروع ہوتی ہے۔

اہل کتاب کے مبادی و مباحث یہ ہیں کہ یزید خلیفہ عادل ہے، وہ اعلیٰ کردار، بلند کمر اور مختلف خوبیوں کا حامل تھا، اس کی خلافت جائز تھی، اس پر تمام صحابہ کا اتفاق تھا، اور حضرت حسین بن علی کا خروج قطعاً جائز نہیں تھا۔ ان کے خروج کی حیثیت ”خلیفہ عادل کے مقابلے میں کسی باغی کے خروج کی“ ہے۔ ان کا نقل محض ایک اتفاقی واقعہ تھا جو خود ان کے سبائی ساتھیوں کی وجہ سے پیش آیا۔

کتاب میں ضمنی طور پر کہیں کہیں خود حضرت علیؑ پر بھی بے جا نقد کیا گیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے موازنہ کرتے ہوئے کہیں لکھا گیا ہے کہ ”حضرت علیؑ کی بیعت ہی مکمل نہیں ہوئی تھی“ انھوں نے کبھی کوئی ملکہ فتح نہ کیا، ”ان کے زمانہ میں کبھی جہاد نہ ہوا“ ”اپنے زمانہ خلافت میں کبھی انھوں نے فتح نہ کیا۔ اور نہ امارت، نہ حج کے فرائض اور ان کے بھی نہیں بلکہ ان کی اولاد میں سے بھی کبھی کسی نے امارت، نہ حج کے فرائض اور انہیں کئے۔ خلافت حضرت معاویہؓ کے دوران کے اہل حق و عزت امیر یزیدؓ کے کہ انھوں نے قیام امارت، نہ حج کے فرائض

ان کے ذخیرہ وغیرہ۔

اس طرح بعض جگہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف حضرت علیؑ پر حضرت معاویہؓ ہی کو نہیں بلکہ زیر کو ہند کرنا چاہتے ہیں۔ ایک جگہ حضرت معاویہؓ کے فضائل کا ذکر کرتے کرتے ریاست و حکومت حضرت عمرؓ سے بھی انھیں بڑھا دیتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں تمام علماء سلف کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ ہم ان کے ہر نزاہات کے بارے میں مکلف لسان کریں اور خواہ مخواہ کے لئے تفضیل و موازنہ کی بحثوں سے اپنے زبان و قلم کو آلودہ نہ کریں۔

ابو بکر و عمر و عثمان و علیؑ معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ، طلحہ و زبیر، صہب و حش، یہ سب آفتاب و مانتاب تھے ان سب نے آفتاب نبوت سے روشنی حاصل کی تھی اور سب ہمارے لئے ”منشہدایت“ تھے قرآن کریم نے انھیں

رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرْضَوْا عَنْہُ

کا امتیاز بخشا اور جناب رسالت آپؐ نے

اصحابی کا لُحُوم، بَابِعْمَا قَدَّیْتُوْا هَدَّیْتُوْا

فرمایا۔

انہیں حضرات کی ہر وجہ ہر دین کو محفوظ و مامون شکل میں ہم تک پہنچایا۔ اور ان کا یہ احسان قیامت تک امت کے سر پر رہے گا۔ تمام غمناک اہل قلم نے صحابہ کرام کو ان کے باہمی نزاعات میں مخلص تسلیم کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حضرات اپنی اجتہادی رایوں پر مائل تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا اختلاف فنی مسائل میں ہوا ہے۔ اور وہ ان مسائل میں اجتہاد کے مجاز تھے۔ ان کی ہند کرداری، لہیت، غلو میں اور خدا پرستی کی سچی زندگی اس پر شاہد ہے کہ صحابہؓ اپنی خواہش نفس کے پیرو نہیں تھے۔ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر جز پر یہ میں صرف رضائے الہیٰ کو سامنے رکھتے تھے۔ ان کا طبع نظر تھا اور یہی ان کا نصب العین ہر حال کتاب کے بنیادی مباحث پر لنگھ کر رہا ہے۔ ان کے تجزیے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے

کچھ ابتلائی پیش کئے جائیں۔ اور نتائج کمال کر گنگو کی جائے مصنفؒ پر تحریر فرماتے ہیں۔
 ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام کی شامل
 تھی امیر نزیہ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہیں آتی تھی جس کی بنا پر عقد بیعت ٹھلا
 نا جائز ٹھہرے یا بحیثیت ان کے خلاف خروج و بغاوت کا جواز نکالا جائے۔“

۴۹ پر لکھا ہے

”علم و فضل، تقویٰ و پیرہیز گاری، پابندی صوم و صلوات کے ساتھ امیر نزیہ درجہ کریم بنفس ،
 عظیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے۔“

۵۰ پر دیکھئے

سیرت امیر نزیہ کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا ہے کہ ان کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہیں
 تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا
 ۵۱ پر تحریر ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی نصیحتات سے واضح ہے کہ حضرت حسینؑ
 کے امیر نزیہ کے خلاف اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا؟

مصنف نے نزیہ کے ایک شعر سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت حسینؑ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی
 زندگی میں امیر نزیہ کی ولہبندی کی بیعت کی تھی۔ ۵۲

اور اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ایک یورپین مورخ دوزی کے حوالے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 ”آزاد اوڈے لاگ مورخین نے حضرت حسینؑ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان
 کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابلِ لحاظ ہے اور لکھا ہے:-

ایرانی شہید تصنیف اس قصہ پر میں غصہ و خال بھرے اور حضرت حسینؑ کو سبائے ایک معمولی قسمت و آزا
 کے جو ایک انوکھی فطرت و طبع تھے اور قریب قریب غیر مقول حبِ ماہ کے حسنِ ملک کی جانب
 نیرنگی سے دواں دواں ہوں اولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر

انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا تصور و خیال کرتے تھے۔ اس نے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کی زندگی میں یربہ کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق یا مولے نہ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔

اسی طرح حضرت اقدام خروج کی غلطی کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ وہ اعلیٰ میں کوئی غامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا ہو۔
پھر حضرت ابراہیمؑ کو کچھ لکھتے ہیں۔ اسے غور سے پڑھا جائے۔

اب اگر بالفرض یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت حسینؑ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا تب بھی وہی زاویہ نگاہ سے امیر المؤمنینؑ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا لکہ اس سے پہلے جو واقعات گزرنے لگے ہیں ان کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر وارد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ پر۔

حضرت علیؑ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ امت کی بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے وہ بڑی جمیعت رکھتے تھے۔ ان کے قبضہ میں ملک تھے اور لاکھوں انسانوں کی حمایت انہیں حاصل تھی۔ پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو جب شرفاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے تو امیرِ نزیہ جو متفق علیہ خلیفہ تھے جن کا پرچم تمام عالم اسلام پر لہراتا تھا۔ جن کی بیعت میں سیکڑوں صحابہ کرام حضورؐ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نیز حضرت حسینؑ کے بھائی حضرت محمد بن علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسی مقتدر اور مقدس بہتیاں داخل تھیں۔ وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ ۱۹

حاصل یہی ہوا کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ جس کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی، امت کی بڑی اکثریت ان کے خلاف تھی اور جمہور امت کی حمایت حاصل نہیں تھی اگر حضرت معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں۔ تو شرفاً نزیہ کو جو متفق علیہ عادل خلیفہ تھا۔ جس کی حکومت کا پرچم تمام عالم اسلام پر لہراتا تھا، اس کا حق کیوں نہیں کہ وہ حضرت حسینؑ پر تلوار اٹھائے جو حکومت عادل سے بغاوت کے مجرم تھے۔ آگے مصنف نے خود واضح کیلئے یہ

حضرت علی مرتضیٰ کی تو اگر امام المؤمنین ماثلاً کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے..... تو حضرت حسین کے خلاف تو وار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی۔

اس کے بعد مصنف نے حضرت حسین کی دعوت اور تحریک کی بنیاد کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے جن کی (حضرت حسین کی) دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ نہیں بنایا جائے۔

اس طرح حضرت حسین بن علی مصنف کے نقطہ نظر سے محض خاندانی اور نسلی فضائل کی بنیاد پر یزید کے خلاف دعوت خلافت لے کر اٹھے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام اس طرح کے دعاوی تسلیم کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہے۔ اسی لئے مصنف کے خیال میں حضرت حسین ایک حکومتِ عادلہ اور خلافتِ صحیحہ کے باقی تھے لیکن اس جرمِ بغاوت کے باوجود شروع سے ان کے خلاف کوئی سخت کارروائی نہیں کی گئی خود نگفتے ہیں "باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے تشددانہ کارروائی نہیں کی گئی" ۱۵۔

ان اقتباسات اور کتاب میں پھیلے ہوئے دوسرے خیالات کی روشنی میں مصنف کے تصورات

کا خلاصہ یہ ہے

الف :- یزید علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری کا جامع تھا۔ صوم و صلوات کی پابندی کے ساتھ ہر درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، بنحیدہ و متین تھا۔ خلافت کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ اس میں بدرجہ اتم اس میں موجود تھیں۔

ب :- ان سب باتوں کے بعد وہ خلیفہ منتخب ہوا۔

ج :- صحابہ کرام اور جمہور اصحاب مل و عقد اس کی خلافت پر متفق تھے اور کردارِ یزید میں کوئی ایسی نہامی نہ پلتے تھے جس کی بنیاد پر اس کے خلاف خروج کو جائز کیا جائے۔

د :- ایسے عادل اور متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج شرعاً حرام ہوگا اور اسے خلافتِ عادلہ کے خلاف بغاوت کہا جائے گا۔

س :- ان مقدمات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ مصنف کے نقطہ نظر سے حضرت حسین کا امامِ خروج

حرام ہو گا اور بغاوت۔ اور چونکہ حضرت حسینؑ نے..... حضرت معاویہؓ کی جات میں یزیدؓ کی دلی عہدی کی بیعت بھی کرتی تھی اس لئے وہ شرعاً فاسد اور نقص عہد کے مجرم تھے۔

سنا:۔ ان سب امور سے زیادہ اہم جرم ان پر یہ عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی دعوت اور تحریک کی بنیاد ہی ایک ایسی غلط بات پر رکھی جو قطعاً شریعت اسلامی کی رُوح کے خلاف ہے اسلامؐ یا ہی تھا نسلی بظہور داری کو مٹانے اور اسے جڑ سے اکھڑنے میں حضرت حسینؑ کا مطالبہ خود معصف کے انفاط میں ایسا نہ تھا کہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم اہل بیت سے (رحمۃ اللہ علیہ)

لیکن ان سب جرائم کے باوجود حکومت وقت نے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی، حضرت حسینؑ کو بلا پیچھے اور ان کی ملاقات اس فوجی دستہ سے ہوئی جو سمجھیا رکھوانے کی غرض سے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا حضرت حسینؑ کے ساتھیوں نے جو سبائی ذہنیت رکھتے تھے۔ اس دستہ پر حملہ کر دیا اور اچانک جنگ چھڑ گئی اور یہ واقعہ محض دوں پیش آگیا۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد راقم الحروف نے جو کچھ محسوس کیا۔ وہ یہی امور ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ تمام اہل انصاف اس احساس میں شریک ہوں گے۔ کتاب کے پیش کردہ مندرجہ بالا تقصیرات حق ہیں۔ یا باطل؟ اس کے فیصلہ کی ایک راہ یہ ہے کہ ہم تاریخ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ اس سلسلہ میں تاریخ تمام کتابیں واضح نظریات پیش کرتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا معصف کو تمام کتب تاریخ پر اعتماد نہیں ہے ہاں ان کو ان تمام کتب تاریخ میں ابن خلدون پر اعتماد ہے جیسا کہ معصف کی تصریح گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ ایک اور جگہ رقم طراز ہیں۔

علامہ مہوف نے ولایت عہد کی بحث میں امیر یزیدؓ کی ویسجدی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے۔ اس کے پیش نظر راقم الحروف سمجھتا ہوں کہ شاید خط نہ ہو کہ نہاد ہی ایک مورخ ہیں جنہوں نے دیگر دوسری روایات کی طرح ناحق کر بلا کی موضوعات کو اسی میدان سے جلیجئے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین صدق.....

اس حادثہ کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ اس تک کسی فرد بشر کو چاروں اگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے
 (روح عرض مؤلف)

مصنف کا یہ استنباط کس حد تک صحیح ہے۔ اس سے بحث نہیں۔ یہاں تو ہر طرف عرض کرنا ہے کہ مصنف
 کو ابن خلدون پر پورا بھروسہ ہے اس لئے ہم دوسری تاریخوں کا سہارا لینے کے بجائے خود ابن خلدون کی
 رائے مذکور بالا مسائل کے بارے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

کیا یزید عادل، متقی | علامہ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں رجوان کی تاریخی معلومات
 اور پرہیزگار تھا | اور تحقیقات کا پنچوڑ ہے | اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ تمام صحابہ شیعہ ہدایت تھے۔
 ان کی عدالت، ان کا تقویٰ اور ان کا اخلاص محتاج بحث و نظر نہیں وہ اس سے بہت بالاتر ہیں کہ ان کے
 بارے میں نفسانیت کا وہم بھی کیا جائے۔ اس لئے حضرت امیر معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد بنانا بھی بیعت
 سے تھا۔ اور ان مباحث کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔

وعرض هنا امور تدعو الى ضرورة
 یہاں چند معاملات ایسے ہیں جن کے بارے میں

الحی بیان الحق فیہا (۱۷۶) حق کا واضح کر دینا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں پہلا سوال کیا ہے؟ اور ابن خلدون نے اسے کس طرح حل کیا ہے؟ ذرا غور
 سے سنئے اور کہتا ہے

فلا حول منها ما حدث فی یزید پہلا مسئلہ یزید کے فسق کا ہے۔ جو اس کے

من الفسق ایام خلافتہ۔ (۱۷۶) زمانہ خلافت میں پیدا ہو گیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یزید فاسق تھا۔ تو حضرت معاویہؓ جیسے مخلص صحابی نے اسے ولی عہد کیوں بنایا؟
 اس کا ضرور خیال رکھئے کہ ابن خلدون ما حدث من الفسق یزید کے فسق کا جزم و یقین کے ساتھ
 ذکر کرتا ہے معاویہؓ کی روایت کیا جاتا ہے، مایقال رکھا جاتا ہے، ماینسب رفق کی اس کی طرف
 نسبت کی جاتی ہے یا اس طرح کے دوسرے الفاظ استعمال نہ کئے جس سے یہ سمجھا جاتا کہ ان کے نزدیک
 روایات کمزور اور وہابی ہیں۔

اور اگر فقیر یزید کی روایتیں و اسیرات و غیرتات نہیں تو اس کا ہاف جواب یہ تھا کہ ابن خلدون
ابن روایتوں پر نقد کرتے جیسا کہ ان کی عادت ہے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انھیں دوسرے
جواب کا ہمارا لیا پڑا، وہ لکھتے ہیں۔

فایا لہ ان تظن بمعاونۃ رضی اللہ
عنه انہ علم ذالک من یزید فانہ
اعدل من ذالک وافضل
ہرگز ہرگز تم حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہ گنا
مت کرنا کہ وہ یزید کے اس فسق سے واقف تھے
اور انھوں نے اس کو (پھر بھی) ولی عہد بنادیا

وہ اس سے بالاتر اور بلند ہیں۔

(۱۷۶)

یزید کو ابن خلدون عدالت و تقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر سمجھتے ہیں۔ یافق و فوجی کام تکب۔ اس کا اندازہ
تو مندرجہ بالا جملوں ہی سے ہو جاتا ہے۔ لیکن اگلے جملہ میں تو ابن خلدون نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ
یزید کی طرف جو موسیقی اور گانے بجانے کی شوق کی نسبت کی جاتی ہے وہ صحیح ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ
عنه کی جات ہی میں پیدا ہو چکی تھی، اور حضرت معاویہؓ اس کی اس حرکت پر ملامت بھی کرتے تھے۔

بل کان یبذلہ ایام حیاتہ فی
سماع الغناء وینہا عنہ
بلکہ حضرت معاویہؓ یزید کو اپنی زندگی میں غلام کے
سننے پر ملامت کرتے تھے اور اس سے منع
فراتے تھے۔

(ص ۱۷۷)

ابھی تو مندرجہ بالا تصریح پر قناعت کیجئے۔ آئندہ صفحات میں اس سلسلہ کی کچھ اور تفصیل آ رہی ہے۔

صحابہ کا موقف یزید کے بارے میں

مصنف نے بہت تفصیل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہؓ یزید کی امارت پر خاموش ہی
نہیں رہے بلکہ انھوں نے اس کی خلافت کو نجو شنی قبول کیا۔ مختلف عہدوں کو قبول کیا اس لئے کہ وہ
یزید کو عادل و متقی خلافت کے لائق سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں یزید کے کردار میں کوئی خامی نہیں تھی
وغیرہ وغیرہ۔

دیکھنا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف خلافتِ یزید اور کردارِ یزید کے بارے میں کیا تھا؟ کیا وہ واقعہ اس کی عدالت و تقویٰ کے معترف تھے۔ اور اسی لئے وہ حضرت حسینؑ کو اس اقدام سے روک رہے تھے۔ ابی ہریرہؓ یزید کے فسق اور اس کے بارے میں صحابہ کرام کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وما حدث فی یزید ما حدث بب یزید میں فسق و فجور ظاہر ہوا تو اس وقت
من الفسق اختلفت الصحابة صحابہ کے مابین اس کے بارے میں اختلاف
حیثا فی شأنہ (۱۷۷) رائے ہوا۔

خیال رکھئے کہ یزید کا فسق و فحش بحثِ سلسلہ نہ تھا۔ اختلاف ہو تو اس میں کہ اس امامِ فاسق کے سلسلہ میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے؟

فنعیم من ساری الخروج علیہ پس صحابہ کی ایک جماعت تو یزید کے خلاف
ونقینا بیعتہ من اجل ذلك کما خروج کرنے اور اس کے فسق و فجور کی وجہ
فعل الحسین وابن الزبیر ومن سے بہت توڑنے کی قائل تھی جیسا کہ حضرت حسینؑ
اتبعوها فی ذلك (۱۷۷) اور ابنِ زبیرؓ نے ان کے قہمیں نے کیا
اور دوسری جماعت کا مسلک یہ تھا

ومهم من ابایا اور صحابہ کی دوسری جماعت خروج کی منکر تھی۔
کیوں؟ کیا اس لئے کہ یزید کے کردار میں کوئی خامی نہیں تھی؟ نہیں! بلکہ
لما فیہ من اناس اتوا الفتنه وکثره اس لئے کہ اس سے منہ بٹھے گا اور قتل و قتال
القل مع الجح من الوفا وحبہ ہوگا۔ پھر حالات بھی ایسے نہیں ہیں کہ یہ
دعوت پوری ہوگی۔

اب ان صحابہ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ بھی سنئے
فما قصدا عن یزید بسبب اسی منہ و فساد کے خوف سے یزید کے خلاف

۱۰

خود سے احترام کیا،

اور

اقاموا علی الدعاء بعد ایتہ اب وہ لوگ بڑی ہدایت اور اس سے سلامت
والراحۃ مند کی نجات کے لئے دعا کرنے میں مشغول ہو گئے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسلک بڑے سادہ و سادہ تھا، اس کا اظہار یہی ہوا کہ فاسق اسے
بھی سمجھتے تھے، بعضوں نے اس بلا سے نجات دلانے کے لئے خودیج کیا، اور اپنی جانیں "حکومتِ عادلہ
اور خلافتِ راشدہ" کے قیام کی جدوجہد میں قربان کر دیں، دوسری جماعت نے عام مسلمانوں کو فتنہ و فساد
سے بچانے کی خاطر سکوت اختیار کیا۔ اور دھماکی راہ اختیار کی، ابن خلدون نے اس اختلاف رائے کا تذکرہ
کرتے ہوئے بہت قیمتی جملے لکھے ہیں۔

والکل مجتہدون ولا ینکر علی احد یسب حضرات مجتہد تھے ان میں سے کسی پر بغیر
من الفریقین فقاصلہو فی البد کرنا جائز نہیں یہ بات لے شرم ہے کہ ان سب
وتحرى الحق معروفتہ ونقنا اللہ حضرات کا نسب العین صرف لگی اور حق ہوتا
اللاحق او بعو تھا۔ اللہ ان کی افتاد کی ہیں تو فیہین علما

فرمائے، آمین

(۱۷۷)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کہ عرض کیا گیا۔ محمد احمد عباسی صاحب کے نقطہ نظر سے حضرت حسین
بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت محض یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے نواسے اور حضرت علیؓ کے بیٹے ہیں، اس لئے انھیں خلیفہ بنایا جائے
لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ معصنف کا یہ نقطہ نظر ایسا نہیں ہے جس کی
تائید میں کوئی تاریخی شہادت پیش کی جائے، بلکہ تاریخ کا جائزہ ہماری
لے کر اٹھے تھے

رہنمائی اس طرف کرتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے اقدام کا نصب العین "خلافتِ عادلہ و صحیحہ" کا قیام تھا۔ بڑی کا
نسب خلافتِ نبوت کو خلافتِ تبعیہ و کسریٰ سے بدل رہا تھا یہ فتنہ گمر کی چار دیواریوں میں محدود نہ رہا تھا

بلکہ عوام ان اس کے سامنے کھل چکا تھا اس وقت حضرت امام حسین بن علیؑ کے اجمہاؤ نے اس طرف بڑھائی
کی کہ اس "امام جائزہ" کے سامنے حق کا اجمہار ضروری ہے۔ اور انھوں نے اس راہ میں اپنی جان دیدی۔
ابن خلدون لکھتا ہے۔

واما الحسين فانه لما ظهر فسق
يزيد عند الكافيه من اهل
عصاة بعثت شيعة اهل البيت
بالكوفة الحسين ان ياتيهم فيقبضوا
حضرت حسینؑ کا معاملہ ہوا کہ جب یزید کا فسق
اس زمانہ کے تمام لوگوں کے سامنے کھل گیا تو
کوفہ کے طرفدار ان اہل بیتؑ نے انھیں پیغام
بجھا کہ وہ ان کے پاس چلے آئیں اور یہ لوگ
ان کی سرکردگی میں اٹھ کھڑے ہوں۔ (۱۸۰)

اب یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک طرف خلیفہ کا فسق ہے جو تمام ہلک کے سامنے بے پردہ ہو چکا ہے۔ دگر
طرف اہل کوفہ کی دعوت ہے جو "تحریک" کے لئے شوکت کا سامان ہیا کرتی ہے حضرت امام حسینؑ نے اپنے
کو اس دعوت کا اہل سمجھا اور خروج کا فیصلہ کیا اور اہل کوفہ کے اس پیغام کو لبیک کہا۔ اب آپ خود کریں
کہ کیا حضرت حسینؑ نے اس پکار پر لبیک محض اس لئے کہا کہ وہ جاہ و اقتدار کے بھوکے تھے؟ یا محض اس
لئے کہ وہ نبی کے نواسے تھے؟ ابن خلدون لکھتا ہے۔

سأى الحسين ان الخوارج على
يزيد متعين من اجل فسقه
لأنه من لا القدر على ذلك
حضرت حسینؑ نے رائے قائم کی کہ یزید کے فسق
و فحور کی وجہ سے اب اس کے خلاف خروج
ضروری ہے خصوصاً اس شخص پر جو اس کی
قدرت رکھتا ہو۔ (۱۸۰)

معلوم ہوا کہ حضرت حسینؑ کے اقدام خروج کی وجہ یزید کی نااہلی تھی، ان کا اپنا نسلی استحقاق نہیں۔

آگے چل کر ابن خلدون لکھتا ہے کہ
حضرت حسینؑ نے اپنے اندر خروج کی قدر محسوس کی اپنی اہلیت اور اپنی شوکت کی وجہ
ابن خلدون لکھتا ہے کہ جہاں تک خلافت کی اہلیت اور مصلحت کا تعلق ہے۔

اہلیت یہی وہ کچھ تھے دیسی ہی تھی بلکہ

فکان کما ظن و زیادۃ

اس سے بھی زیادہ

ہاں شرکت کے انداز میں ان سے غلطی ہوئی۔ اس لئے کہ اس وقت ساری کلیدی طاقتیں، اور
عصیت بنو امیہ کے ہاتھ میں تھی۔ زمانہ جاہلیت کی عصیت جو اہم مسائل کے پیش آ جانے کی وجہ سے
دب گئی تھی پھر ابھرائی تھی، اس لئے اس کا مقابلہ مشکل تھا۔ اس نفع میں کے بعد لکھا ہے کہ

قد تبین لك غلط الحسين الا انه

في امر ديني ولا ايضا الغلط

فيله (۱۸۱)

حضرت حسینؑ کے اندازہ کی غلطی تمہارے سامنے
واضح ہو گئی، لیکن خیال رکھو کہ غلطی دنیاوی
امر میں ہوئی اور دنیاوی دیباچہ غلطی سے
انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

رہا اس خروج کا شرعی حکم تو ظاہر ہے کہ اس کے جواز میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے
کہ اس کی بنیاد مجتہد کے اجتہاد پر ہے۔

ما اہل یہ ہے کہ حضرت امامؑ کے خروج کی بنیاد نیز یہ کائنات و فوج تھا ان کی تحریک کی بنیاد خلافت
عادلہ کا قیام تھا۔ وہ خدا نخواستہ ایک غیر اسلامی چیز یعنی نسلی فضیلت کی بنیاد پر خلافت کے مدعی
نہ تھے۔

مجاہدین حضرت حسینؑ	جب امامؑ مجاہد کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ سلک سامنے آ گیا کہ
کے بارے میں	وہ نیز یہ کہ فس کے باوجود اس کے خلافت خروج کے قائل نہ تھے، محض

اس لئے کہ فتنہ و فساد کا خطرہ تھا امامؑ مجاہد اپنے اس اجتہاد کی بنیاد پر حضرت امامؑ کا ساتھ تو نہ
دے سکے

لہذا بعد الحسين

لیکن امام حسینؑ کو غیر اسلامی تحریک کا داعی اور گنہگار بھی نہ کہا،

ولا انكر واعيله ولا اثمه (۱۸۲)

نہ انہوں نے حضرت حسینؑ پر تکبیر کی اور نہ انہیں

گزشتہ قرار دیا۔

اور عام صحابہؓ کو حضرت حسینؑ نے بھی موردِ الزام قرار نہیں دیا۔ اس لئے کہ وہ بھی اپنے اجتہاد پر مائل تھے، لیکن اپنی دعوت کی حقانیت پر اور اپنی تحریک کی سچائی پر انھیں صحابہؓ کو گواہ بناتے تھے جو علماؓ ان کے اس اقدام میں شریک نہیں تھے اور کر بلا میں اعلان کرتے تھے

یستشهد بھو و ہولیا قتل بکریلا میں جب کر بلا میں قتل کر رہے تھے انھیں

علیٰ افضلہ و حقہ و یقول سلوا صحابہؓ کو اپنے نفس اور اپنے حق پر گواہ بناتے

جابر بن عبد اللہ و اباسعید تھے اور کہتے تھے،

الحمد لری والنس بن مالک پوچھو اجابر بن عبد اللہ، ابوسعید خدریؓ، انس

ومہمل بن سعید و زید بن ارقم بن مالک، سہل بن سید، اور زید بن ارقم

وغیرہ۔

واما لہو (۱۸۰)

خلاصہ یہی ہوا کہ حضرت حسینؑ بن علیؑ اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہو کر یزیدوں سے نبرد آزما ہوئے اور عام صحابہؓ نے فتنہ و فساد کا خیال کرتے ہوئے اسی میں نجات سمجھی کہ یزید کی ہدایت کے لئے دعا کی جائے اور اس سے نجات اور راحت کی دعا کی جائے حضرت حسینؑ سمجھ رہے تھے کہ عام صحابہؓ بھی یزید کے فسق سے واقف ہیں، اور وہ بھی خلافتِ عادلہ کے قیام کو ضروری سمجھتے ہیں، لیکن نبوایہ کی طاقت اور عصیت کی بنا پر کسی نئی تحریک کا بار آور ہونا مشکل ہے، اور پھر مسلمانوں کے امین قتل و خون کا اندیشہ ہے، اس لئے وہ اس طرح کی تحریک اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے حضرت حسینؑ نے انھیں مدد نہ کرنے پر موردِ الزام بھی نہ سمجھا، اور دوسری طرف انھیں اپنی دعوت پر گواہ بناتے رہے یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے، کہ بعض صحابہؓ نے حضرت حسینؑ کو اس اقدام یا کوئی طرف جانے سے روکا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ یزید کے گرد ایسے کوئی ایسی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج جائز ہو، بلکہ اس کی وجہ یہی تھی کہ صحابہؓ مجبور تھے کہ حالات ایسے نہیں ہیں جس میں یہ تحریک کا سیلاب ہو سکے۔

کیا یزید اور دوسروں کے لئے حضرت حسینؑ سے قتال جائز تھا؟ اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت حسینؑ کے

قتل میں صحابہ کی رائے کو بھی ذیل تھا: ابن عمروؓ نے لکھا ہے،
 حضرت حسینؑ سے یزیدوں کا قتال حضرات صحابہؓ کی رائے اور ان کے اجتہاد سے نہ تھا۔ (۱۸۱)

بلکہ

انما انقض حقیقۃ یزید و اصحابہ بلکہ ان کے قتال کے ذمہ دار صرف یزید اور
 اس کے ساتھی ہیں۔ (۱۸۰)

اس کے بعد اس طرح کے خیالات کی تریزید کرتا ہے کہ جب حضرت حسینؑ باغی تھے تو ان سے قتال شرعاً
 جائز ہونا چاہیے اور لکھا ہے کہ
 باغیوں سے قتال ہلاک کے نزدیک اسی وقت جائز ہے جب کہ آپ امام عادل کا ساتھ دے رہے
 ہوں، اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

اس لئے کہ یزید ظاہر ہے کہ عادل نہیں تھا پس اس کے خلاف خروج امام عادلؑ کے خلاف بناوٹ
 نہ ہوگی، لہذا شرعاً حضرت حسینؑ سے قتال جائز نہیں ہوگا۔

فلا یجوز قتال الحسین مع یزید ہذا حضرت حسینؑ سے قتال کرنا نہ دوسروں کے
 ولا لیزید لئے یزید کی میت میں جائز تھا اور نہ خود یزید
 کے لئے جائز تھا۔

اور اگلا جملہ سنئے

بدھ من فعلا قتلہ المتوکل بلکہ حضرت حسینؑ سے قتل و قتال تو یزید کی ان
 لفسقہ حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے جو اس کے فسق
 کو اور پختہ کر دیتی ہیں۔ (۱۸۰)

حضرت حسینؑ کی حیثیت اس معاملہ میں کیا تھی؟
 والحسین یفہامہ علی ما جہو علی حسینؑ شہید تھے، اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کے
 حق و اجتہاد۔ مستحق ہوئے، وہ برحق تھے اور اپنے اجتہاد پر مائل

ابن العربی اور افتخار شہادت | قاضی ابوبکر بن العربی نے "العوام والقوام" نامی کتاب میں حضرت حسین بن علیؑ کے قتل کو حق بجانب قرار دیا ہے اور اس مسئلہ پر بحث کی ہے محمود احمد صاحب عباسی نے ابن عربی کی رائے سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، لیکن ابن خلدون اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے،

قد غلط القاضی ابوبکر ابن العربی قاضی ابوبکر بن العربی سے اس مسئلہ میں فعلی
لدا کی فی هذا فقال فی کتابہ الذی ہو گئی انھوں نے اپنی کتاب "العوام والقوام"
مما العواصم والقواصم معنا میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ
ان الحسین قتل بشع جدد حضرت حسینؑ اپنی نانا کی شہادت کے مطابق
قتل کے لئے

(۱۸۰)

ابن عربی کا اشارہ اسی طرف ہے، کہ اسلامی نقطہ نظر سے باغی کی سزا قتل ہے اس لئے حضرت حسینؑ کا قتل جائز تھا۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ ابن عربی کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ باغی کا قتل جائز اس وقت ہے جب کہ امام عادل ہو یہاں تو مسئلہ کی صورت ہی دوسری ہے۔ ایک طرف یہ ہے جس کا فسق و فجور و زندقہ کی طرح واضح ہو چکا تھا یہ "اہل آراء" تھے جو اپنی شہوات اور خواہش نفس کے مطابق حکومت چلا رہے تھے، دوسری طرف حسینؑ تھے جو مجتہد، عدالت، ولایت اور سرِ پائشِ ثرانت و دیانت تھے، پس حضرت حسینؑ کے اقدام خروج کی حیثیت امام عادل کے خلاف بغاوت کی نہیں بلکہ امام بائع و فاسق کے مقابل میں "حق و صداقت" کے علمبرداروں کے خروج کی ہے، یہ حکومت عادل کے خلاف بغاوت نہیں تھی بلکہ امام جائع کے سامنے کلمہ حق کا اظہار تھا۔ اور قتل کا قانون اس بغاوت و مہم شکنی کے لئے ہے۔ جو امام عادل کے مقابل میں اقتدار کی جاتی ہے نہ کہ اس شخص کے لئے جو کھڑا ہو، ہر قیلت و کسرویت، جاہلی عصیت اور فسق و فجور کو مٹا کر حق و عدالت کی بنیاد پر حکومت قائم کرنے کے لئے پس ایسے شخص کے قتل کو کیسے جائز کہا جاسکتا ہے؟ ابن خلدون لکھتا ہے،

وهو غلط حملته عليه الفعلية عن ابن عربی کی یہ رائے غلط ہے انھوں نے یہ غلط رائے
اشتراک الامام العادل ومن اعادہ اس لئے قائم کی کہ وہ امام عادل کی شہادت سے

من الحین فی زمانہ فی امامتہ
وعد اللہ فی قال اهل الاسراع
نافع ہو گئے اور حضرت حسینؑ سے بڑھ کر ان کے
میں امامت اور عدالت کے اعتبار سے اہل آراء
کے قال کے لئے کون اہل تھا۔ (۱۸۰)

حاصل کلام

ابن خلدون کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ
(۱) یزید فاسق و فاجر تھا، اس کا فسق و فجور عوام و خواہں پر ظاہر ہو چکا تھا۔
(۲) تمام صحابہؓ کو اس کی ان غامیوں کا احساس تھا، لیکن عام صحابہؓ فتنہ و فساد کے خوف سے تریج
کے قائل نہیں تھے، اور بعض حضرات اس کے فسق کی وجہ سے خرد و کفروری سمجھتے تھے،
(۳) حضرت حسینؑ نے اس وقت خرد و کفر کیا جب یزید کا فسق کھل کر سامنے آ گیا۔
(۴) حضرت حسینؑ پر صحابہؓ نگر نہیں کرتے تھے، اور نہ گنہگار سمجھتے تھے،
(۵) حضرت حسینؑ سے قال کو شرفاً جائز نہیں کہا جاسکتا۔
(۶) اس قال کی ذمہ داری یزید اور اس کے ساتھیوں پر آتی ہے۔
(۷) حضرت حسینؑ برحق تھے وہ واقعہ کر بلا میں شہید ہوئے۔
(۸) حضرت حسینؑ کی حیثیت باغی کی نہیں تھی، بلکہ وہ "فلان بیا دوں پر قائم حکومت" کو مٹا کر جائز
اسلامی خلافت اور حکومت مادلہ قائم کرنا چاہتے تھے،
اب ان حقائق کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیجئے، کہ مصنف کے پیش کردہ تصورات کس حد
تک صحیح ہیں۔؟

مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا انتساب

از :- مولانا حکیم فضل الرحمن صاحب، ہوائی
مولانا محمد یوسف صاحب کو کئی ایم۔ اے نے حال ہی میں حافظ ابن تیمیہ پر ایک
بڑی ضخیم اور محققانہ کتاب تصنیف کر کے شائع کی ہے اس کو پڑھ کر در اس کے ایک
نامور فاضل اور بزرگ مولانا حکیم فضل الرحمن صاحب ہوائی نے موصوف کو ایک طویل
خط لکھا تھا جس میں مذکورہ بالا کتاب سے متعلق رائے کے اظہار کے علاوہ حکیم صاحب نے
خمننا اس شخص کی بھی نشاندہی کر دی ہے جس کے نام مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب
ترجمان القرآن کو مضمون کیا ہے چونکہ یہ انکشاف بہت اہم ہے اور ایک تاریخی حیثیت رکھتا
ہے اس لئے خط کے فاضل مکتوب الیہ اور کاتب دونوں کے شکریہ کے ساتھ ہم اس کو
ذیل میں شائع کرتے ہیں۔

(برہان)

اے باد اگر گلشنِ اجاب بگڑی ز بہارِ عرضِ دہ برہانِ پیام ما

گو نامِ مازیا د بہمدا چہ می بری خود آید آنکد یاد نیاری ز نام ما

یوسف ایہا الصدیق! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گو گزری کے سلسلے میں مذکورہ بالا قطعہ پر انکشاف کرنا ہوں اس سے آگے قدم بڑھانا مناسب نہیں ہے

اگر یک مرموئے برتر پریم فروغِ بجلی بسوزد پریم

آپ کی مدد کم انظر اور لاجواب تصنیف امام ابن تیمیہؒ کو میں نے بالاستیعاب پڑھا۔ اس قدر خوش ہوا کہ تتمہ درجامہ بخیر کتاب پڑھنا چاہا تھا اور آپ کو دما میں دیتا رہتا تھا۔ جزاک اللہ فی الدارین خیراً۔ ۵

اے وقت تو خوش باد کہ وقت مارا خوش کر دی

حس ایں کار از تو آید و مرداں چنین کند

دیکھنے میں تو چند صد صفات کی کتاب ہے۔ لیکن درحقیقت علوم عقلیہ و نقلیہ کا ایک بھر پور خزانہ ہے۔ لوگ تو اسے شاید مطول کہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ ایک مختصر کتاب ہے۔ علم معانی میں مختصر کی تعریف طویل المبانی کثیر المغانی ہے اور یہ تعریف آپ کی کتاب پر بہرہ و ہرصادق آتی ہے۔ مابین الدینین تو مختصر سی کتاب دکھائی دیتی ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ ایک بڑا کتب خانہ ہے۔ اسے علوم اسلامیہ کا انسائیکلو پیڈیا کہنا بجا ہے۔ فقہ۔ اہول۔ تفسیر، حدیث، منطق، فلسفہ، علم کلام، تصوف، تاریخ، علم معانی و بیان، صرف اور نحو کا مجموعہ ہے۔ ابو نواس کا یہ شعر اس پر صادق آتا ہے۔

ولیس علی اللہ بستنکس ان یجمع العالم فی واحد

کاش یہ کتاب دو سال پہلے شائع ہو جاتی اور حضرت ابن تیمیہؒ کے سب سے بڑے قدر دان کی نظر سے گزر جاتی تو وہ کس قدر خوش ہو جاتے۔ میں نے مولانا آزاد سے بڑھ کر کسی اور کو حضرت ابن تیمیہؒ کا قدر دان نہیں دیکھا ہے۔ آپ نے ابتدائے کتاب میں تذکرہ کا ذکر کیا ہے کہ مولانا آزاد نے "تذکرہ" میں ابن تیمیہؒ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تذکرہ سے تین سال قبل مولانا آزاد نے ۱۹۱۵ء میں البلاغ میں حضرت ابن تیمیہؒ کا ذکر نہایت خوشگوار اور قیمتی الفاظ میں کیا ہے۔ دارالارشاد میں حضرت مولانا آزادؒ کے پاس مولوی مظہر الدین شیر کوٹی مرحوم "الامان" والے کام کرتے تھے۔ انھوں نے البلاغ میں تغیر سورۃ الدین کے عنوان سے ایک مہبوط مضمون لکھا اور تین اور زیور کے خدائی اور طبعی فوائد گنا کر ان کی عظمت اور اہمیت ثابت کی کہ انھیں فوائد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پھلوں کی قسم کھائی ہے۔ اس پر جناب امی احمد صاحب بکرا می نے اعراض کیا کہ ان دونوں پھلوں سے اور بھی پھل

اے ہیں کہ ان کے فوائد مذکور بالا بھلوں سے بھی زیادہ اور وسیع ہیں۔ بھران دونوں کی خصوصیت کیا ہے اور مولانا سے استدعا کی تھی کہ مظہر الدین صاحب کے مضمون سے تنقید نہیں ہوتی۔ آپ ہی روشنی ڈالئے۔ اس سوال سے مولانا آزاد کے بحرِ ذخارِ علم و ادراک میں جوش اور تہوج پیدا ہو گیا اور ایسا بلند پایہ اور عالمانہ مضمون سپردِ قلم فرمایا کہ لوگ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئے۔ یہ مضمون ابلاغ کے دو نمبروں میں شائع ہوا تھا۔ مولانا آزاد نے لکھا تھا کہ مولوی مظہر الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے تفسیرِ کبر کو سلسلہ دکھ کر لکھا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ کو اللہ تعالیٰ نے اور تو سب کچھ دیا ہے لیکن حشیم حقیقت میں سے محروم رکھا ہے۔ یہ شرف اور مجد الہ العالمین نے حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کو عطا فرمایا ہے۔ ان کا دل اور دماغ حقائق و معارف سے مالا مال ہے۔ مولانا آزاد نے حضرت ابن تیمیہؒ کے حوالے سے مضمون سپردِ قلم کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ تین اور زیتون سے مراد یہ تین اور زیتون جو پھل ہیں مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اشارہ ہے سرزمینِ شام کی طرف۔ چونکہ یہ دونوں پھل شام کی پیداوار ہیں اس لئے ان کا ذکر برسیل ذکرِ حال اور مرادِ مصل ہے۔ اور یہ اشارہ ہے دعوتِ عیسوی کی طرف جس طرح طورِ سینین سے مراد دعوتِ موسوی اور ہذا البلد لائین سے دعوتِ محمدی مراد ہے۔ اس مضمون میں مولانا آزاد نے امام رازیؒ پر سخت تنقید کی تھی اور حضرت امام ابن تیمیہؒ کے علم و فضل اور اہمیت رائے کی بڑی تعریف فرمائی تھی اس سے پہلے حضرت امام ابن تیمیہؒ کے مستقل میرے خیالات ٹھیک نہیں تھے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ سلسلہ میں جب میں فلسفہ قدیم پڑھ رہا تھا تو میڈیکل کی ابیات میں یہ قول الموجود مع کونہ واجبا قد انہی سطر فی ہیکل الموجودات ”جب آیا تو مولانا عبدالحقان صاحب نٹانی جو اس وقت افغانستان میں فلسفہ اور منطق پڑھانے میں اپنی فطرتِ آپ تھے اور میں ان کے پاس پڑھ رہا تھا اور وہ مولانا عبدالحق خیر آبادی گے شاگردِ رشید تھے اور بہت اچھے ہونی منشا عالم تھے انھوں نے قولِ مذکور بالا کی بڑی تشریح فرمائی اس ضمن میں انھوں نے علامہ امام ابن تیمیہؒ پر سخت زور و قدر کی اور کہا وہ اصحابِ ظواہر سے ہیں۔ ان کی آنکھ میں حقیقت میں بھارت نہیں ہے صرف علم و فضل سے کوئی و اہل الی المطلوب نہیں ہو سکتا۔ قال سے حال کو کوئی پہنچ نہیں سکتا وغیرہ وغیرہ۔ استاد کا خیر شاگرد و پرست گہرا پڑا ہے میں بھی متاثر ہوا اور حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کے

متعلق منت بدلن تھا۔ لیکن ۱۹۱۵ء میں سراج الاخبار افغانیہ کابل کے دفتر میں جب البلاغ کے پرچے
 نظر سے گذرے تو مولانا آزاد کے مضمون سے میں بہت متاثر ہوا اور میں نے جناب علامہ محمود طرزی ایڈیٹر
 سراج الاخبار افغانیہ سے عرض کیا کہ ان پرچوں کو مجھے مستعار دے دیجئے۔ میں انھیں اپنے استاد مولانا
 عبدالحق صاحب شولہن نغان کے پاس لے جانا چاہتا ہوں تاکہ وہ مطالعہ فرما کر شاید اپنی رائے جو
 علامہ ابن تیمیہ کے متعلق ہے تبدیل کر دیں۔ انھوں نے پرچے منایت فرمائے۔ نغان کابل سے چار دن
 کی مسافت پر ہے میں وہاں سے براہ تنگ غار و پیدل روانہ ہوا اور چوتھے روز مولانا عبدالحق صاحب
 کی خدمت میں پہنچ گیا اور پرچے سلنے رکھ دیئے۔ انھوں نے شوق سے مینوں پرچوں کو ملاحظہ فرمایا اور
 مولانا آزاد کی حق گوئی اور تجربہ علمی کی بڑی تعریف فرمائی کہ اب امام فخر الدین رازیؒ اہل خدوخال میں
 نظر آرہے ہیں مولانا رومؒ نے بھی امام رازیؒ کی مشابہت نواز طرزیؒ پر دہ چاک کر دیا ہے۔

گر بہ استدلال کار دیں بدے فخر رازی رازدار سے دیں بدے

پائے استدلالیاں جو ہیں بود پائے جو ہیں سست و بے تکلیں بود

مگر ہم لوگوں پر امام رازیؒ کا ایسا جادو چلا تھا کہ ان کے قول کو ہم ہمیشہ کے لئے دوسرے اقوال
 پر ترجیح دیتے تھے۔ مضمون نگار صاحب (مولانا آزاد) بڑے جری اور حق گو معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
 ان کو جزائے خرد سے یہ تو انھوں نے ہماری بڑی رہنمائی کی اور حضرت امام ابن تیمیہؒ کے متعلق جو ہم کو علم فیہی
 لاحق ہوئی تھی وہ اس مضمون کے پڑھنے سے بالکل دور ہو گئی۔ مولوی دین محمد صاحب قندھاری دہلی
 بینہ منیر آئے تھے وہ بھی ابوالکلام صاحب کی جامعیت اور تجربہ علمی کی تعریف کر رہے تھے اور ارادہ
 رکھتے تھے کہ گلگتہ جا کر ابوالکلام صاحب کے قائم کردہ دارالارصاد میں شریک ہو کر ان سے معارف
 قرآنی کا درس حاصل کریں۔ میں نے ان کو اس وقت سخت ملامت کی تھی کہ بایں قدر علم و فضل ایک
 ایک مہولی اجلہ نویس کے سامنے زانوئے تلمذہ کرنا علم کی توہین ہے۔ لیکن وہ اس بات پر ہر تھکے کہ اپنے
 البلاغ دیکھا ہی نہیں در نہ آپ ایسا نہ کہتے تھے۔

ذوقِ ایں بادہ نہ دانی بھدانا نہ چشتی

اب اس مضمون کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ مولوی دین محمد صاحب قندھاری جو کہ رہے تھے وہ صحیح کہہ رہے تھے۔ قندھار سے ان کا ایک خط آیا تھا میں نے اس کا اب تک جواب نہیں دیا ہے اب لکھوں گا اور اس مضمون کا حوالہ دوں گا۔

مولوی دین محمد صاحب قندھاری میرے بڑے دوست تھے معقولات میں تو وہ مولانا فضل حق صاحب رام پوری اور مولانا پر دل قندھاری کے شاگرد تھے۔ تافہی محمد مبارک، حمد اللہ، شمس باوند میرزا اہد امور عامہ ان کو از بر تھیں، اخیر میں معقولات کی طرف ان کا رجوع ہوا اور اس میں اس قدر مہنک ہوئے کہ فقہ، حدیث اور تفسیر کے سوا باقی تمام علوم کو گھدستہ نسیاں کر دیا اس قدر دینیات میں مستغرق رہے کہ کسی کو نہیں چھوڑا جہاں معلوم ہوا کہ فلاں بحث میں فلاں شخص کو درک اور ملکہ حاصل ہے بلا خوف لومہ لائیں ان کے پاس پہنچے اور استفادہ کر لیا۔ ایک روز لکھنؤ میں میرے یہاں پہنچے میں نے کہا کہ یہاں کیسے آئے کہنے لگے کانپور گیا تھا مدرسہ الہیات میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ایک مہینہ رہا۔ اب وہاں سے آ رہا ہوں میں نے کہا۔ استفراشدہ! آپ اور مدرسہ الہیات کانپور، وہاں کے اساتذہ بھی تو آپ کی شاگردی کی استعداد نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ آپ ان سے تعلیم حاصل کریں۔ انھوں نے کہا چپ رہ بہت سے معلومات حاصل کر چکا ہوں غرض کہ تحصیل علوم دینیہ کا ان کو بڑا شوق تھا مکتبہ کو تو وہ نہ جاسکے کیونکہ مولانا آزاد کو بہت جلد گورنمنٹ نے خارج البلد کر دیا۔ نہ البلاغ رہا اور نہ دارالافتاء لیکن رانچی پہنچے تھے۔ قندھار سے تاہر رانچی بہت لمبا سفر ہے۔ یہ سفر انھوں نے اکثر پایادہ کیا تھا۔ کچھ دن تک مولانا آزاد کے پاس رہے اور استفادہ کیا حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مرکز الآراء تفسیر ترجمان القرآن کو ان کے نام پر مضمون کیا ہے۔ چنانچہ ترجمان القرآن جلد اول میں "انتساب" کے عنوان سے جو مختصر سا مضمون ہے اس میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔ انھوں نے عمر نے وفا نہیں کی اور قندھار میں ۱۹۲۲ء میں انتقال کر گئے۔ اور مولانا آزاد کی تفسیر کے دیکھنے کا ان کو اتفاق نہیں ہوا۔

مولانا آزاد کا ذکر آیا تو کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے

انہیں انہوں نے کسائی درمی انگلند حرفیاں رانہ سرماند و نہ دستار
آپ کی یہ تصنیف ”امام ابن تیمیہ“ اس قابل ہے کہ کم از کم جامعہ دارالسلام عمر آباد کے نصاب تعلیم
میں رکھی جائے۔ کیونکہ اس بے نظیر کتاب میں جو معلومات ہیں وہ بڑی بڑی کتابوں میں بھی کجا نہیں ہیں مگر
ہی کتاب کسی کو مستحضر رہی تو وہ ہر فن کے موضوع پر بڑی جامعیت کے ساتھ بحث کر سکتا ہے۔ اہل توحید
اور سلف صالحین کو صحیح عقیدہ اگر کوئی ماہل کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ حضرت امام ابن تیمیہ قدس اللہ
العرز کا نمونہ سامنے رکھے اور اس پر عمل پیرا ہو۔

جناب سید یعقوب حسن صاحب مرحوم کی کتاب کشف الہدیٰ جب شایع ہوئی اور میری نظر سے
گذری تو میں ان دنوں جامعہ دارالسلام کے طبی کلاسز کا پروفیسر تھا میں نے حضرت مولانا الحاج نفل
صاحب مرحوم ناظم جامعہ سے عرض کیا کہ کتاب بہت اچھی اور مشنورہ معلومات سے باللب ہے۔ اسے جامعہ
کے نصاب تعلیم میں رکھنا چاہیے۔ اس وقت جامعہ کا نصاب بن رہا تھا۔ جو کمیٹی نصاب تعلیم مرتب کر رہے
تھے اس میں بھی ایک ممبر تھا میں نے تحریک کی اور جناب مولوی تقی خاں صاحب شاہ جہاں پوری
نے بڑے زور سے اس کی تائید کی نتیجہ یہ نکلا کہ درس میں تو نہیں لیکن بطور مطالعہ رکھی گئی جس سے طلبہ نے
بڑا فائدہ حاصل کیا۔ کشف الہدیٰ اور آپ کی کتاب میں آسمان اور زمین کا فرق ہے جب کشف الہدیٰ
کو بطور مطالعہ رکھا گیا تھا تو پھر ”امام ابن تیمیہ“ کو تفسیر و درس میں شامل کر دینا چاہیے۔ میرا اثر و رسوخ
اس وقت جامعہ میں چنداں زیادہ نہیں ہے۔ پھر بھی میں کوشاں ہوں خدا کرے کہ کامیابی ہو جائے۔
اس وقت تک تو دو چار اساتذہ کو ہموار کر چکا ہوں۔ انہوں نے میری رائے کی تائید کی ہے اور اس تحریک
کو نعم التجویز کہا ہے۔ لیکن بڑا خطرہ آپ کے ماموں مولانا شاہ صاحب سے ہے کیونکہ وہ ہونی جانی
ہیں اور حضرت علامہ ابن تیمیہؒ تو ہونیائے کرام کے سخت مخالف بلکہ دشمن ہیں۔ میرے خیال میں وہ حضرت
امام تیمیہؒ کو درس میں رکھنے پر شہل رہنما ہوں گے۔ میں نے ان کا عندیہ اب تک معلوم تو نہیں کیا ہے۔
بصرف بالا بالا کہہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری اس نیک خواہش اور ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

آمین یا رب العالمین۔

صفات باری میں حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کا مسلک بہت ٹھیک ہے۔ مستکملین نے تو اس بارے میں بڑی بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں خود شارح عقائد فلسفی نے اپنی بے بسی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ ”ولصوبۃ
 هذا المقام ذهب المعتزلة والفلاسفة الى نفی الصفات والکرامیۃ الى الحدوث والحقائق
 من المستکملین الى لا عینیتھا والی لا غیر یتقوا“

میرے قلم میں وہ چولانی اور زور نہیں ہے کہ میں اپنے تاثرات کا مبنی قلم بند کر سکوں۔ آپ کی کتاب کی تعریف کے لئے آپ جیسے نجر اور فاضل اہل عالم کے قلم کی ضرورت ہے میں اپنے جذبات اور تاثرات سے مجبور ہو کر کچھ ناپ شاپ لکھنے لگا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اہل زبان نہیں ہوں اور نہ میں نے اردو میں تعلیم پائی ہے۔ بس یوں دیکھا دیکھی ادب سے سرو پا اردو لکھ رہا ہوں۔ میری مثال اس بوڑھیا کی طرح ہے جو اپنے غزل راتے ہوئے، کو لیکر حضرت یوسفؑ کی خریداری کے لئے بازار امہر میں نکلی تھی۔
 فی الجملہ نسبت بہ تو کافی بود مرا بلبل نہیں کہ قافیہ گل شود بس است

ورنہ

ط سنیہ چلیئے اس بھر بکراں کے لئے

اور میرے پاس سنیہ تو کجا ناؤ تک نہیں ہے۔

اب ایک دو گزارش بھی سنئے گا

صفحہ ۸ پر آپ نے لکھا ہے کہ علامہ خواجہ نصیر الدین طوسی (محقق طوسی) کو ہا کو خاں نے اپنا وزیر بنا دیا تھا۔ لیکن مشہور غلطی ہے بہت سے لوگوں نے محقق طوسی کو ہا کو خاں کا وزیر لکھا ہے۔ حضرت مولانا شبلیؒ نے بھی شعر انجم حصہ دوم میں محقق طوسی کو ہا کو خاں کا وزیر لکھا ہے۔ اس پر پروفیسر محمود شیرانی مرحوم لکھتے ہیں

”محقق طوسی کی وزارت کا فقہہ کسی اصلیت پر مبنی نہیں ہے۔ تاہم محقق ہیں کہ ہا کو خاں کا پہلا وزیر امیر سیف الدین بیک بہادر بنی محمد اللہ غازی تھا جو بحیثیت وزیر ۶۵۳ھ میں ہا کو کے ساتھ ہی ایران میں

آتا ہے اور فتح بنداؤ کے بعد نجف اشرف کی حفاظت کے لئے ہلاکو سے سونہری سپاہی مانگتا ہے۔ ۱۲۶۱ء میں جب ہلاکو کہ خاں بادشاہ قباچاق کی جنگ کے لئے جاتا ہے وزیر مومووف دشمنوں کی بدگواہی کی بنا پر خان کے حکم سے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس واقعے کے بعد دیوان شمس الدین محمد جوینی منہب وزارت پر سرفراز ہوئے ہیں۔ اور مستقل ۲۲ سال برابری یعنی باقی ایام ہلاکو کا کل عہد ابا قافان و سلطان احمد اس عہد جلیلہ پر متنازع رہتے ہیں۔ خود محقق طوسی نے کتاب اوصاف الامرات صاحب دیوان کے نام پر اور کتاب ترجمہ قرۃ العینوں ان کے فرزند خواجہ بہار الدین محمد عالم اصفہان کے نام پر لکھی ہے۔ (تفتیش شعرا لعم ۳۲۵) یخ الریس کی تصنیف "اشادات" کی دو شرحیں مشہور ہیں ایک ان شرح اشارات لاما رام رازمی اور دوسری شرح اشارات لمحقق طوسی۔ اول الذکر درس میں نہیں ہے۔ لیکن مؤخر الذکر درس نظامی میں ہے۔ ۱۹۰۵ء میں نے یہ سبق پڑھی تھی۔ یہ کتاب محقق طوسی نے کسی اور امیر کے نام پر لکھی ہے۔ ہلاکو خاں کے نام پر نہیں ہے۔ میں نے جامعہ دار السلام میں ڈھونڈی ہے۔ مگر وہاں نہیں ہے۔ پچاس سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ میں نے پڑھی تھی۔ پھر دیکھنے میں نہیں آئی اس لئے اس امیر کا نام یاد نہیں رہا۔

سنہ ۳۰۰ھ پر آپ نے حضرت ابن تیمیہ کا قول یوں نقل کیا ہے "ولکن هذا الفلسفة التي يسلكها الفارابی وابن سینا وابن رشد والسهرو ورمی المقتول ونحوه فلسفة المشائین وهي المنقولة عن اسسطو الذي يسمونه المعلم الاول"

فلاسفہ میزانی اور متکلمین تھے عالم کے چار قسم کے ہیں۔ مشائی، متکلم، مشائی اور وہ انحصار یوں لکھی ہے کہ عالم یا تو اثبات دعویٰ استدلال سے کرتا ہوگا اور یا توجہ نفس سے اور ان میں سے ہر ایک یا تو تابع دین سماوی ہوگا یا نہ ہوگا۔ جو استدلال سے کام لیتا ہو اور تابع دین سماوی ہو وہ متکلم ہے اور جو تابع دین سماوی نہ ہو اور استدلالی ہو وہ مشائی ہے۔ جیسے ارسطو اور اس کے تبعین اور جو توجہ نفس سے کام لیتا ہو اور ساتھ اس کے تابع دین سماوی ہو وہ ہونی ہے اور جو تابع دین سماوی نہ ہو وہ مشائی ہے جیسے کہ افلاطون اور اس کے تبعین۔ شیخ شہاب الدین مقتول مشائی نہیں بلکہ اشراقی ہے اور مومنی اشراقی بھی نہیں بلکہ شیخ الاشراق کے لقب سے مشہور ہے۔ اس کو شایبو

کی صف میں کھڑا کر دیا اس پر سخت ظلم ہے مشائیوں کا تو وہ اس قدر خلاف ہے جس قدر کہ خود ابن تیمیہ خلاف ہیں۔ ان کی مخالفت کا نفع نہ کوئی دیکھنا چاہیے تو صدرِ امین حضرت صدر الدین شیرازی کا مطالعہ کرے بحث اثباتِ نبوی میں مشائیوں اور اشرافیوں کی جو لڑائی ہے اس میں اشرافیوں کی طرف سے مشائیوں کے مقابلے میں شیخ شہاب الدین مقبول دیشخ الاشراق، اشرافیوں کے سپہ سالار معلوم ہوتے ہیں اور مشائیوں پر سخت حملے کر رہے ہیں اور ان کے دلائل کی بڑی عمدگی سے تردید کرتے جاتے ہیں۔

آپ نے ایک سے زیادہ مرتبہ لکھا ہے کہ شہاب الدین دو ہیں ایک مقبول اور دوسرے صاحبِ طریقہ یعنی شیخ شہاب الدین بہروردی رحمۃ اللہ علیہ طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ میں ان دونوں شہاب الدینوں کا تذکرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں طبیب بھی تھے حسن اتفاق سے یہ دونوں شہاب الدین مشائیوں کے سخت خلاف ہیں مقبول کا تو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اب حضرت شیخ شہاب الدین بہروردی کی سنی گاہ طبقات الاطباء میں یقیناً شہر حضرت موصوف کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔

و کوفلت للقوم انتم علی شفا حضرت من کتاب الشفا

فلما استعانوا بتو بیحنا فرغنا ان الله حبی کما

فما تو علی دین وسط الخلیس وعشنا علی ملہ المصطفیٰ

شفای شیخ الرئیس کی مشہور کتاب ہے۔ اس کے ایبات میں شیخ الرئیس نے بہت کچھ جو اس کی ہے مثلاً عالمِ معاد کا انکار، حشرِ جہان کا انکار، دوزخ اور جنت کا انکار، مذابِ قبر کا انکار، ملائک کا انکار ہے اور بھی بہت سے خرافات اس میں بھر دیئے ہیں۔ شیخ الرئیس ارسطو کا قبیح ہے اور ارسطو سرخیل شائیں ہے۔

خط لکھے جب بیٹھا تو یہ خیال تھا کہ پہلے مسودہ کر کے پھر مینہ کر دیا جائے گا مینہ آپ کی خدمت میں مجیدوں کا اور مسودہ میں اپنے پاس رکھوں گا۔ اس لئے ردی کا مذکر لکھنا شروع کیا۔ مگر خط بلبا ہو گیا۔ اب بہت صاف کرنے کی نہیں رہی۔ اس لئے مسودہ ہی آپ کی خدمت میں ملا میں بھیج رہا ہوں۔ فرود گزشتہ بہت ہیں اور مجھے صاف کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ اس کیس بھی جواب دے رہی ہیں۔ اچھا اب اجازت دیجئے گا۔ زیادہ والسلام۔

ذکر مصحفی

(جناب شہار احمد صاحب فاروقی، یونیورسٹی لائبریری ڈبلی)

(۸)

آنویں | بعض قرائن صبیحہ اندازہ ہوتا ہے کہ امروزہ ہیں ابتدائی اور رسمی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مصحفی کو معاش کے وسائل تلاش کرنے کے لئے ترک وطن پر مجبور ہونا پڑتا اور وہ امروزہ سے نکل کر پہلے آنولہ پہنچے یہ باور کرنے کے لئے کوئی شہادت نہیں ملتی کہ وہ امروزہ سے دہلی گئے ہوں اور وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد نواب محمد یار خاں کی ملازمت میں آئے ہوں جیسا کہ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ غلط بیعت ابواللیث صدیقی نے کی ہے جنہوں نے واقعات کی ترتیب کو گمراہ کن حد تک غلط کر دیا ہے۔ قطعاً نہیں کھلتا کہ وہ آنولہ میں کس تقریب سے گئے، کب گئے اور کس سے توسل پیدا کیا۔ بظاہر یہ قیام تین چار ماہ کے قریب رہا۔ انہوں نے بعض شاعروں سے آنولہ میں ملاقات ہونے کا حال اپنے تذکرے میں لکھا ہے مثلاً غزینہ خاں بے جاں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”فیقر دریا میکہ در آنولہ بود و بموی ایہ ملاقات اکثری افتاد“

لے ملاحظہ ہو: مصحفی اور ان کا کام؛ طبع لاہور / ۱۰ ماہ ۱۹۷۵ء تذکرہ ہندی مہوینز سنی شہر (۱۹۸۶ء) / ۷۳۔ یہ وہی عزیز خاں سبحان ہیں جن کی فرمائش پر قدرت اللہ شوق نے اپنا تذکرہ ”طبقات الشعراء“ مرتب کیا تھا۔ اس تذکرے کے قلمی نسخے کتب خانہ تحفہ (جید راجا) کتب خانہ سنٹرلی کلاؤس آف راجہ جید راجا کتب خانہ مشرقیہ (پٹنہ) اور دارالمصنفین (اعظم علیہ السلام) لاہور میں محفوظ ہیں۔ برصغیر ابواللیث صدیقی نے اس کی تحفہ شائع کر دی تھی۔ نسخہ کتب خانہ تحفہ کے آخر میں یہ عبارت ملتی ہے:

”جملہ ایسے نسخے طبقات الشعراء... جب فرمائش ہوتی ہے احوال کہ فن شعر بخیر را با وجود بی جانی عزیزان جان می دانستند

اتمام رسید (درق ۲۹۳ الف) یہ قوم کے افعال بد میں تھوڑی سی ترمیم (۲۹۱) اور تھوڑی سی ترمیم (۲۹۱) کے بعد ہوا ہے۔ (طبقات الشعراء / درق ۲۲۰ ب)

اسی طرح مراد آباد کے ایک شاعر مراد علی حیرت کا حال لکھا ہے:
 فقیر اور در آفاق آبادی کٹھیر روزے در آؤں ویرہ بود^۱
 عظیم نامی شاعر سے بھی آؤں میں ملاقات ہوئی تھی: ”یک غزل خود در آؤں پیش فقیر خواند بود^۲
 اسی طرح انھوں نے مفتی مراد آبادی سے آؤں میں ملایا کیا ہے
 مدد می لاہوری جن کی ہجو میں مزار رفیع سوداے ”منوی بوم و بقال“ لکھی تھی۔ اسی زمانہ میں
 آؤں آئے۔ اُن کی آمد کا شہر ہن کر مہمفی بھی ملنے کے لئے پہنچے۔ لکھتے ہیں کہ:

”دعویٰ شاعری در دانش جاداشت وزیراۓ از مرثیہ شاعری قدم در راہ امر در پستی می گذاشت
 چنچا ہنای جگی ہم کرد و بد کو دکان حسین نقی و ز زیدہ۔ اکثر اعنائش دیدم کہ مجروح بودند۔ در آیا گئے
 از شاہ جہاں آباد اور کٹھیر آمد در ان روز ہا فقیر در آؤں بود کہ شورش او سبع رسیدہ آخر روز سہرا
 دیدنش رفتم او باتے چند گردا و نشہ دیدم۔۔۔“

قدرت اللہ قدرت (دشوق) مولف تذکرہ لطائف الشعر اسے بھی اسی زمانے میں ملاقات ہوئی ہے:
 شاہ ہاتم کے شاگرد ”نعم اللہ شاہان نعم“ سے بھی پہلے آؤں میں ملاقات ہوئی تھی بعد میں یہ بھی محمد یار شاہان کی
 سرکار میں نوکر ہو گئے تھے^۳

آؤں در اہل نواب علی محمد شاہ روہیلہ بانی ریاست رام پور کا مسکن تھا اور ان دنوں بڑا آباد
 نصیب تھا۔ بقول نغم النبی:

”یہ اس زمانے میں شہر عظیم الشان تھا قوم قوم کے عظیم جہاد تھے ماس شہر میں نواب صاحب کے عہد میں
 بہت سے مدرسے ہاں لٹائیں تھیں۔ بچہ تلمذ تھا جس کے گنبد زیریں تھے اور مہذب مسجد تھی۔ دیکھو اہل
 دیوان مولانا: ساکن فلسفی اشباح اللہ دل کی یورش کے وقت شہر میں یہ قلعہ خراب ہو گیا تذکرہ

۱۔ ہندی/۹، ۱۵۶/۱۵۲ تا ۱۵۳/۱۵۲۔ رام بابو سکینہ کے شائع کردہ مرقع شعرا ۱۹۵۱ء
 ۲۔ ایک تصویر ہندی کی بھی شامل ہے اس سے مہمفی کے قول کی تائید ہوتی ہے اور اس تعلاتی سے تصویر کا مستند ہونا بھی
 ثابت ہو جاتا ہے۔ ۱۵۶/۱۵۲ تا ۱۵۷/۱۵۶۔

حکومتِ اہلسین میں لکھا ہے چونکہ ہر ایک پٹھان کا بھبب نفسانیت سکڑے قول تھا کہ دوسرے پٹھان کے مکان و مسجد پر ناز پڑھنے نہیں جائیں گے اس لئے ہر ایک پٹھان نے اپنے اپنے دروازے پر مسجد تعمیر کی چنانچہ سترہ سو مسجدیں آنولے میں تیار ہوئیں۔ بلکہ اب تک بعض مساجد آباد اور اکثر شکستہ و

ویران موجود ہیں۔

آنولے میں معصومی کا قیام تین ماہ تک رہا۔ اور تقریباً اتنا ہی زمانہ ٹانڈے میں گذرا۔ یہ محض ضابطہ خاں کی شکست کے بعد درہم برہم ہو گئی جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ضابطہ خاں کی شکست ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ و فروری ۱۲۸۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ معصومی جمادی الاول ۱۲۸۵ھ و اگست ۱۹۰۱ء یا جمادی الثانی ۱۲۸۶ھ کے لگ بھگ آنولے میں آچکے تھے۔

کٹیر | فردی لاہوری کے حال میں معصومی نے لکھا ہے کہ وہ دہلی سے آنولہ آئے اور میں نے شہرت سنی تو طے لگیا۔ اس کے بعد نہا کہ وہ نواب محمد یار خاں امیر کے مصاحب ہو گئے ہیں۔ دو تین مہینے کے بعد جب قائم چاند پوری اور میں بھی اسی دربار سے وابستہ ہوئے تو ان کی نوابی بگڑ گئی۔

بعد چند روزے ختم ہوئے کہ بہر سزا نواب محمد یار خاں... نوکر شدہ گرگاہ بعد دو سہ ماہیاں محمد قائم وغیرہ و فقیریم بار یا مجلس ایٹاں شند نہ سبب برہم زدگی مزاج نواب کہ بیاں آن موجب تطویل است بر فاسدہ رفت... کہے۔

یہ نواب محمد یار خاں کون تھے؟ ٹانڈے میں ان کا دربار کیسے جاتھا اور کیوں درہم برہم ہو گیا۔ اسے وہی طرح سمجھنے کے لئے تاریخ کے چند اوراق پڑھنا ضروری ہیں۔ ہم بہت احتیاط کے ساتھ یہ سب بیاں درج کئے دیتے ہیں۔

داؤد خاں ایک روہیلہ سردار تھا جس نے کٹیر کے علاقے میں طاقت حاصل کر کے اپنا اقتدار جایا تھادہ لا دلہ تھا۔ اس نے اٹانے راہ میں ایک بچے کو پڑا ہوا پایا اور سعادت و اقبال کے نشان اس کے

لے نجم النبی: اخبار البصاویہ جلد اول ۱۹۷۲ء - مبلغ نوکلشور (۱۸۱۹۷۲) ۳۷ ہندی / ۱۲۷۱ھ - ۳۷ اپریل ۱۹۷۲ء

چہرے پر دیکھ کر اُسے اپنا منشی دے پا لک کر لیا۔ یہی بچہ بڑا ہو کر محمد علی خاں، پھر علی محمد خاں کہلایا یہ راجپور کی ریاست کا پہلا مسند نشین اور بانی تھا۔ نجم النبی اور زمانہ حال کے بعض دوسرے مؤرخین نے اسے سید حسینی نسب لکھا ہے۔ لیکن بہت سے مؤرخ اس سے اختلاف کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ نسلا افغان ہی تھے چنانچہ ان کا مادہ تاریخ وفات بھی خان زادے کا نظم شیدائے ”ہے ہے افغان“ سے برآمد کیا ہے۔ بعض قدیم دستاویزوں اور تاریخ کی کتابوں سے بھی اُن کے افغان ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مصحفی نے بھی لہ روہیلہ خاندان کے سرداروں کی تاریخ اور روہیل کھنڈ میں ان کے عروج و زوال کی داستان تفصیل سے سمجھنے کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے:

(۱) نجم النبی: اخبار الصنادید (۱۹۱۸ء) دو جلدیں۔ (۲) نجم النبی: تاریخ اودھ (۱۹۱۹ء) پہلی تین جلدیں (۳) آدین تاریخ فرخ آباد (اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۸۷ء) (۴) مستجاب خاں: گلستان رحمت (۵) کنور پریم کشور فراتی: وقائع عالم شاہی (۱۹۴۹ء) (۶) اندرام غنص: سفرنامہ (۱۹۴۶ء) (۷) امیر منائی: انتخاب یلوکار (۱۸۸۰ء) (۸) پولہ شاہ عالم سکندائند نوکروٹ (انگریزی) مرتبہ پی سی گیتا (۱۹۴۴ء) (۹) اسٹریچی: ہسٹریکلائڈ ڈی روہیلہ وار (۱۸۹۲ء) انگریزی۔
 ملے مؤلف حلیۃ الاقوالیم کا بیان ہے کہ: ”اہمیر تھے (۱۲۳۹ء) اور کنڑا تاریخ (۱۲۵۳ء) میں لکھا ہے: ”مولد باکولی قصبہ کالجہ سرکار سنبھل اور وطن سکنی موضع بیولی... جو متصل بسولی پرگنہ شاسی ہے“ (جو اس سفرنامہ غنص مرتبہ انہر علی حاشیہ ص ۵۷، قدرت ۱۲۸ قائم کہتا ہے کہ گویند کہ شمس از قوم جٹ است) ”عجوبہ لغز“ ۱۳/۱۷ء) ملے اخبار الصنادید: ۱۸۹/۱ الطغ کی بات یہ ہے کہ اخبار الصنادید کے مؤلف نجم النبی نے علی محمد خاں کو سید ثابت کہنے کے لئے اپنی والی پوری کوشش کی ہے لیکن خود ان کے بیلا میں ناقص پیدا ہو گیا ہے۔ سیادت کی بحث کرنے کے بعد انہوں نے ایک جگہ یہ شعر بھی درج کر دیا ہے جو بقول خود اس کے تعلق نواب کے نام سے تمام روہیل کھنڈ میں مشہور تھا۔ اس میں بھی محمد علی ”موزوں ہے اور وہ یہ ہے:

سکندر بر کل کثیر و بل زور و چلی بادشاہ شہر روہیلہ نام او محمد علی

یہاں محمد علی کے حلیٰ قطعی صاف قطبوتی ہے اور ایسا شعر اس جاڑ ہے۔ فیض کا شعر ہے۔

اس کے فیض گہر نیرازیا کے زندان ہے ہر دود و لوار پر گھدیجے اس بات کو“ (انجمن ۱۹۲/۱)

اسی طرح ایک جگہ کہتے ہیں کہ: ”نواب صاحب کی ہر یہ عبارت کند تھی علی محمد خاں بہادر مددی محمد شاہ بادشاہ غازی (دہلی ۱۹۵۰ء) اس میں بھی سید نہیں ہے۔“

امیرے بودا زوم افانہ“ لکھا ہے۔

بہر حال علی محمد خاں دوسیلہ کا انتقال ۵ ستمبر ۱۹۴۹ء ۱۱۶۲ھ کو ۴۴ سال کی عمر میں ہوا ان کے چچا جاجڑا سے تھے محمد عبداللہ خاں، محمد فیض اللہ خاں، محمد سعد اللہ خاں، محمد یار خاں، اللہ یار خاں اور مرٹھی یار خاں۔ اول الذکر دونوں بیٹے علی محمد خاں کے انتقال کے وقت قندھاریں تھے۔ اس لئے محمد عبداللہ خاں کو سنبھال کر دیا گیا۔ علی محمد خاں نے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کو اپنے نابالغ بچوں کانگراں اور ریاست کا منتظم مقرر کیا تھا۔ جب قندھار سے دونوں بھائی واپس آئے تو جاگیر کی تقسیم کا جھگڑا شروع ہوا اور وحدت کا بہت ہی نازک ہونے لگی تو حافظ رحمت خاں نے رنج شر کے لئے ملک کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ڈاکٹر انظر علی کا بیان ہے کہ انجیائی وغیرہ کا علاقہ پانچ لاکھ سالانہ آمدنی کا محمد عبداللہ خاں کو ملا اور اتنی ہی آمدنی کا علاقہ راجپور وغیرہ فیض اللہ خاں کے حصے میں آیا۔ آنے کے علاقہ محمد عبداللہ خاں کو دیا گیا اس کے ساتھ ہی یہ کیا کہ ہر ایک بھائی کے ساتھ ایک چھوٹے بھائی کو شریک کر دیا۔ چنانچہ نواب عبداللہ خاں کے ساتھ مرٹھی خاں، فیض اللہ خاں کے ساتھ محمد یار خاں اور سعد اللہ خاں کے ساتھ الیاء خاں رہنے لگے لیکن تقسیم ملک کے بارے میں خیم انظری کا بیان قدرے مختلف ہے۔ وہ لکھا ہے:

”آٹولہ منو، بدایوں، اوسیت اور کوٹ وغیرہ ۱۳ لاکھ روپے کی آمدنی کا ملک نواب سید عبداللہ خاں کو دیا اور سید مرٹھی خاں کو ان کے سپرد کیا۔ بیرلی اور اہرات وغیرہ ۱۳ لاکھ روپے کا ملک نواب سید فیض اللہ خاں کو دیا اور سید محمد یار خاں کو ان کے سپرد کیا اور مراد آباد وغیرہ ۱۳ لاکھ روپے کا ملک نواب سید سعد اللہ خاں کو دے کر عاجزادہ سید اللہ یار خاں کو ان کے شریک کیا اور اس طرح تینوں بھائیوں کو رانہی کر کے ایک اقرار نامہ لکھا کہ تمام سرداروں کی جہروں اور دستخطوں سے مرتب کرایا۔ نواب سعد اللہ خاں مراد آباد کو روانہ ہو گئے اور وہاں راجا کنور سین کی حالت

۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱

ہوئی میں ائمہ اور نواب فیض اللہ خاں اور نواب سید عبداللہ خاں آٹوے میں نواب سید علی محمد خاں کے قلعے میں رہنے لگے۔ غالباً یہ تقسیم ۱۱۳۲ھ میں واقع ہوئی تھی۔

لیکن یہ غالباً ابتدائی تقسیم تھی اس کے بعد جب سردارانِ روہیل کھنڈ میں دوسرا معاہدہ ۱۱۳۲ھ (۱۷۱۴ء) میں ہوا تو نواب سعد اللہ خاں تمام ملک کے حاکم تسلیم کر لئے گئے اور آمدنی میں سے آٹھ لاکھ سالانہ ان کے مقرر ہوئے عبداللہ خاں کو ہسون، اجمیانی، اور سہداد پور کی جاگیر عطا ہوئی جس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ تھی عبداللہ خاں نے اجمیانی ہی میں سکونت اختیار کر لی اور مکان وغیرہ بنوائے۔ فیض اللہ خاں نے رامپور کو آباد کیا جس کی سالانہ آمدنی پانچ لاکھ تھی اس میں چھا چھٹ، شاہ آباد وغیرہ بھی شامل تھے محمد یار خاں، اللہ یار خاں اور مرثضیٰ خاں کو حکومت میں کچھ حصہ نہیں ملا۔ مگر محمد یار خاں نے ٹانڈے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں حکومت کرتے رہے۔

سعد اللہ خاں نے ۲۷ برس کی عمر میں سل و دق کی موذی بیماری سے تھنکا کر یکم مارچ ۱۱۶۲ھ - ۵ ربیع الثانی ۱۱۶۵ھ اور ان کے بعد نواب محمد عبداللہ خاں رئیس بنائے گئے۔ ۳ جولائی ۱۱۶۶ھ (۵ صفر ۱۱۸۸ھ) کو پانچ برس گزری تھیں وہ کہ یہ بھی راہی ملک عدم ہوئے اور نواب فیض اللہ خاں کا دور دورہ ہوا۔ اسی زمانے میں رامپور دارالریاست قرار پایا فیض اللہ خاں بڑے سخی، علم دوست اور شجاع حکمران تھے انھوں نے بیس برس تک پوری شان و شوکت سے ریاست کا کام چلایا اور آخر کار، ۳ جولائی ۱۱۹۴ھ (۱۵ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ) کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

محمد یار خاں امیر علی محمد روہیل کے لڑکے اور نواب فیض اللہ خاں کے بھائی محمد یار خاں تھے جو شاعر بھی تھے اور امیر تخلص کرتے تھے۔ انھیں کے دربار سے قائم چاند پوری، معینی، ندوی، حکیم کبیر سنبھلی وغیرہ بہت سے جید شعراء وابستہ تھے۔ یہ اس زمانے میں ٹانڈے کی جاگیر پر پیش کر رہے تھے۔ علم موسیقی میں خواہی دروک

لہ نجم الثانی: اجارہ المصنوعہ ۱/۱۸۱۔ ۲۸۱ اجارہ ۱/۲۸۳ و ما بعد۔ تہ ٹانڈہ (یا ٹانڈہ جدی دہلی) رامپور کے قریب سار کی تحصیل میں ۱۱۷۵ھ و ۱۱۷۶ھ شمال اور ۱۱۷۵ھ و ۱۱۷۶ھ درجہ مشرق میں واقع ہے۔ عوام آباد سے نئی تال جانے والی سڑک ٹانڈے سے ہرگز گزرتی ہے۔ ۱۱۹۳ھ کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی سات ہزار نو سو تراسی افراد پر دو مسل،

تھانہ سراجا نے میں یگانہ روزگار تھے۔ لیکن ان کے مہاجروں میں حکیم کبیر سنگھ بھی تھے جو اگرچہ طبیب تھے مگر زمانے کے مزاج کے مطابق شعرو سخن سے بھی لگاؤ تھا انھوں نے امر کو بھی یہ چکا لگا دیا۔ چنانچہ نواب محمد خان نے سب سے پہلے مرزا رفیع سودا اور میر سوز کو دعوت نامے بھیجے یہ دونوں استادانِ دہلی نواب بہرمان خان زند کے متوسل تھے۔ وہاں سکھ چین سے گزرتے ہی تھی انھوں نے فرخ آباد دھجور کرٹھانڈے آنا گوارا نہ کیا۔ البتہ قائم چاند پوری اس زمانے میں بسولی میں موجود تھے۔ امیر کی نگہ انتخاب ان کی طرف اٹھی۔ قائم نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ ایک سو روپیہ ماہانہ مشاہرہ مقرر ہوا اور نواب کے کلام پر اصلاح دینے کی خدمت سیر دھوئی تھہ معنی نے لکھا ہے:

(بقیہ ماہ ص ۵۵) نشانی تھی۔ قدیم زمانے سے یہ نجاروں کا سکھ تھا جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو غلہ وغیرہ لے جاتے تھے۔ آج بھی یہاں نجاروں کی آبادی زیادہ ہے (دیکھو اپریل گزٹیر آف انڈیا جلد ۲۳ ص ۳۲۱۔ جین ۱۹۱۵ء)۔
 لے نیز ملاحظہ ہوں: (۱) یادگار شہر انگریز فہرست کتب خانہ اودھ مرتبہ اسپرنگر شائع کردہ ہندوستانی اکادمی آفہ آباد۔ (۲) سری رام: پنخانہ جاوید، جلد ۱/۲، ۳۱۔ مجموعہ نغمہ جلد ۱/۲، ۴۱۔ (۳) امیر نیائی: انتخاب یادگار، ۳۱۔ ۵۲۔ جو اسر سخن جلد ۲/۳، ۹۰۔ لے قائم چاند پوری کا پورا نام قیام الدین یا محمد قائم ہے جبکہ خود انھوں نے اپنے تذکرہ ”مخزن فکات“ ص ۵۵، میں لکھا ہے۔ لیکن تذکرہ نگاروں نے ان کے نام میں بہت غلط بحث کر دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھو دستورالاصلاح مرتبہ امتیاز علی عرشی ص ۳۴)۔ ان کے سال ولادت کا تعین دشوار ہے لیکن معنی نے عقد ثریا ص ۴۶ میں عر سائے سال سے تجاوز بتائی ہے۔ اس تذکرے کی تالیف ۱۱۹۵-۱۱۹۹ء کے مابین ہوئی ہے (دستورالاصلاح حواشی ص ۸۰)۔ بعد اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بارہویں صدی کے دوسرے ثلث میں ۱۱۳۵ اور ۱۱۳۹ء کے مابین پیدا ہوئے ہوں گے۔ ان کے والد کا نام محمد اکرم اور دادا کا نام محمد اکرم تھا ایک لڑکے کا نام محمد نسیم بتایا جاتا ہے ذرا بڑا کا پورہ جلد ۵۳، شمارہ ۱ ص ۳۷، مگر گلشن سخن میں قبلانے نسیم کو بیدار محمد قائم لکھا ہے (دوق ۹۰۔ نغمہ امپور)۔ قائم چاند پوری میں پیدا ہوئے جو ضلع پنجور میں ایک قصبہ ہے (مخزن ص ۵۵)۔ ابتداً بے جوانی میں ترک وطن کر کے دہلی آئے اور یہاں شاہ عالم کے عہد میں دار و دروہ توپ خانہ کی حیثیت میں ملازم ہوئے (تذکرہ ہندی ص ۱۵۹)۔ نظام سلطنت کی جبری میں یہ سرشت ملازمت ہاتھ سے جاتا رہا تو قریب پر گزرتے ہوئے لگا (مخزن ص ۵۵) امیر کا بیان ہے کہ درود سے اصلاح لینے تھے (فکات اشعار ص ۱۲۷) اور بعد میں سولہ سے شروع کر کے لگے۔ قدرت اللہ قائم لکھتا ہے کہ (باقی ص ۵۷)

موریا کے کہ بہ ترغیب حکیم کبیر بمبلی شوق شہزادی واپس واپس رہا۔ اس نے کئی خطے بطلب میر سوز و غمزا
ریح نوشتہ روانہ کر دیں۔ دریاں ایام میں ہر دو ہفتہ گ در سرکار ہر باں خاں زندہ تخلص جیسے شاعری
غزوہ امتیاز و اشتداد فرخ آباد آمدن ایشان پرانہ کہ موضع بود باش نواب بود اتفاق نیفاؤ۔
آخر کار میان محمد قاسم کے دریاں ایام در سبلی بود مذ حسب الارشاد آمد و شرف ملازمت آں والا
جناب دریافت و بدراہمہ یک صدر و پیر و امتیازش دادہ با شادیش برداشت...
فن موسیقی سے ان کے شغف کے بارے میں معنی کا بیان ہے کہ:

در در علم موسیقی و ساز و دن بگاہ روزگار و دور رعنائی و زیبائی جو آنے بود بان و بہار

ہزاروں روپے صرف کر کے اور بڑے بڑے استادان فن کی خدمت کر کے موسیقی میں کمال ہم پہنچایا
تھا۔ اس سے بھی زیادہ انھوں نے ایک اور کام ایسا کیا تھا کہ اگر آج وہ مرقع دستیاب ہو جائے تو انمول
اور انوکھی چیز ہوگی۔ (باقی)

(تبعہ حاشیہ ص ۵) ہدایت اللہ خاں ہدایت کے شاگرد تھے بعد میں برگشتہ ہو کر چوگھدی تھی (مجموعہ نثر: ۸۶/۷) پھر در دستلذ
افتداریا۔ آخر میں سودا سے وابستہ ہو گئے۔ وہی سے نکل کر سبلی پہنچے تھے اور غالباً راجہ پلاس رائے دیوان حافظ رحمت
خاں سے منسوس تھے کہ نواب محمد یار خاں ایسے ٹائپ میں بلایا۔ وہاں تین ماہ رہے۔ درجہ لک کے بعد نواب فیض اللہ خاں
دالی رامپور کے بیٹے احمد یار خاں سے منسلک ہو گئے ان کے دربار سے قوت لایموت ملا۔ کچھ دنوں بعد لکھنؤ جا کر جہا راجہ
علیک رائے سے ملے اور اپنے وطن میں جائداد کی واگذاری کا پروانہ لے کر آئے مگر وہاں پہنچے سے پہلے ملک عدم سے
بلاوا گیا۔ (دہندی: ۱۷۹) قاسم کا قول ہے کہ آخر میں تبعہ امر وہ کے قاضی ہو گئے تھے مجموعہ نثر: ۸۶/۸) مگر اس کی
تائید اور کسی تذکرہ نگار نے نہیں کی۔ سال وفات میں بھی اختلاف ہے اکثر تذکرہ نگاروں نے ۱۲۱۸ھ (۱۷۹۹ء) لکھا ہے
ان کے فائدہ میں بھی یہی مشہور ہے (زمانہ کانپور: جولائی ۱۹۲۹ء)۔ لیکن بعض نے ۱۲۱۹ھ کو صحیح مانا ہے۔ انتقال رامپور
میں ہوا تھا اور دفن ہوئے دہلی الانتخاب علی وقت ۴۷ھ الف (۱۷۹۹ء) تھا نیف میں ایک تذکرہ خیر نکات شائع ہو چکا ہے
ایک ضخیم دیوان جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا ایک برخط علی نسخہ رام پور میں موجود
ہے۔ یہ مشہور شعرا کے کا ہے۔

قسمت تو دیکھ توٹی ہے جا کر کہاں کند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رو گیا

لے ہندی/۱۳-۱۴ ۱۵ مابقی ۱۳-

کتابت

غزل

(جناب الم سلف نگری)

گلشن کے اشارے کیا جانے لگا دیباہاں کیا سمجھے
کیا سوچ کے ہوئی عمریں جلوے کا تقاضا کر بیٹھے
دامن میں بہاروں کے اب بھی ہر لمحہ بگولے قصاں ہیں
پوچھو نہ گذرئی میں کیونکر دیوانہ گیسو کی راتیں
جوش کے سرور ہستی آزاد فنا ہو جاتا ہے
آگاہ دو عالم بھی ہے وہ نادان فیک ذرہ بھی ہے
کہنے کیلئے تو کہتے ہیں وہ دور بھی ہرگز دیک بھی ہے
مرگرم سفر رہتا ہے وہ منزل کی طرف اپنی جن میں
اک خیز پیہم سے جس کی ہستی محبت قائم ہے
پہلے محبت کے جس میں ہیں داغ ہزاروں پوشیدہ
یہ بھی نہ ہوتا ریکی میں جگنو ہی اُجالا کر دیتے
سامان پہ دی کشتی پہنچی جو گھر کے بخوریں ڈوبی تھی
پیغام جن بنے کئے ہمارا رہا ہو جانا کیا

پیغام زبانِ فطرت کو بے گانہ عرفاں کیا ہے
نیرنگی جلوہ عرفاں کو ہر دیدہ حیراں کیا ہے
گلشن بھی بیباہاں تھا اک نیراز گلستاں کیا ہے
دل رہتا ہے کس الجھن میں وہ زلف پریشاں کیا ہے
اس نقش وفا کے رتے کو نیرنگی دوراں کیسے سمجھے
کیا کیا ہیں مقامات انساں یہ بات ہر انساں کیا ہے
اتنا تو تباہیں اہل نظر مفہوم رگ و رگ
کون اسکی ہمد کو کرنا ہے پر کیف مدی
تو چارہ گر بیا وفا اس درد کا دریاں
اس چاک جگر کی وسعت کو یہ چاک گریہ کیسے سمجھے
غبت میں کسی پر کیا گذری یہ شام غریباں کیا ہے
اس بھید کو دیا کیا جانے اس راز کو طوفاں کیا ہے
معراج سفر اور آگے ہے خوشبوئے گلستاں کیا ہے

دیکھنا نہ گذر غم کو الم اہل عشرت نے محض میں
کیا گذری ہے پردانوں پر یہ شمع فزوناں کیا ہے

قصیدہ وداعیہ

درمخ علی الخباج حکمت الحاج ملا سید محمد اکبر آبادی
پرنسپل کلکتہ مدرسہ مدرسہ منتخب شعبہ سنی دینیہ اسلام یونیورسٹی علی گڑھ جامعہ اسلامیہ

(از مولانا محمد فیض حسنا فاروقی استاد مدرسہ عالیہ کلکتہ)

اجاب نے کلکتہ سے خدمت ہوتے وقت ایڈیٹر برہان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار جن نظموں میں
کیا تھا ارادہ تھا کہ ان کو برہان میں شائع کر دیا جائے اور اس ارادہ کا اظہار برہان کے نظرات میں
بھی کر دیا گیا تھا لیکن بعد میں یہ ارادہ اس لئے بدل گیا کہ اول تو برہان کے صفحات ان کے قفل
نہیں ہو سکتے اور پھر یہ نظمیں اس زمانہ میں کلکتہ کے اجلاں میں شائع ہو چکی ہیں لیکن آج
ذیل میں مولانا محمد فیض حسنا کی نظم (قصیدہ وداعیہ) کی جاتی ہے کیونکہ کسی اخبار میں شائع نہیں ہوئی نظم

خالص غرضی طور پر جس پایہ کی ہے اس کی دلا اور باپ ذوق ہی دے سکتے ہیں۔ (برہان)

دالی راہ گلی گل و جوش بہاراں داشتن	مہر تماشا ہائے آں سرور خیر اماں داشتن
ملکیت راہ گلی گل و جوش بہاراں داشتن	خندہ درویدین بدل گل در گریباں داشتن
بلا و آگیا درم سینہ بچہ مجمع خنداں داشتن	در بحر اندیشہ شام غریباں داشتن
تائید اور تکیہ بر اندر و ہل جانان داشتن	چند ناموس گستاں و گستاں داشتن
کے توان داناں بے گل گرفت از دست باد	کے نقاب از شام بر مجمع مدخاں داشتن
صبح او اندر میان شام مے بخند خیرا	صبح و شام از مجلس ادب جواں داشتن
بحر او طلمات آمد و صل او آب حیات	درد را درماں بود و درد فرماں داشتن
بخشید ہم بخشیدہ او داروئے درد	نے لوائے لبلاں دہن بتاں داشتن
دشتر آمد خاموشی پر لاناں ہاں بوز دا	موج طوفاں خواستن ہم رنج طوفاں داشتن
سال در طوائف و رنج و راز حیات	

پیش دریا آبروئے خود چرا دیز و صدف — قطرہ را چون نظر بر این نیل داشتن
 جو بر ذاتی رہین منت مشاطہ نیست — گوہرے را بجز نتواند درخشاں داشتن
 قدر گوہر شاہ داند یا نداند گوہری — گوہرے را کہ نزد درجیب طفلان داشتن
 جنت شدہ اماند در نگاہ حق شناس — باغلامی چہ سلطان ہفت ایوان داشتن
 آسمان بر فسق انجم و دخت آن نوری کلاہ — خواست رضوان انجمن از رخسار داشتن
 پس بیکر تو از علی گڑھ جان تو از دیو بند — جز تو در کف کے تو اند جام دندان داشتن
 زیر دام آورده ہمد مرغائے سمجہ خواں — کار زلف نت مید اہل عرفاں داشتن
 مر تر از بید با خلاق و صفات ہوناں — بردل اہماپ تقویٰ حکم و فرماں داشتن
 آن توئی کہ ہمسر تو در بان تو دعایہ — دید پائے خوشتن بر فرق کیواں داشتن
 پیش گاہت فافصلاں را داد منشور و سند — مفتیان را ناپے تو حکم قرآن داشتن
 ہر کجا باد و صالت جانفسرا گشتہ بیمار — ہر کجا سبیل فراق خانہ ویراں داشتن
 ہر کجا ذکر جمیلت قلب مضطرب را سکون — ہر کجا وصف کمال عقل حیراں داشتن
 ہر کجا دغدغہ و خطابت دل درخشاں مے شود — ہر کجا نفع و کلامت ذوق ایماں داشتن
 ہر کجا تحدیث تو از او حکمت جسلوہ گر — ہر کجا تفسیر تو لمعات قرآن داشتن
 ہر کجا درس معانی و بیباں بجاں نموش — ہر کجا منطق ارسطو را پیشماں داشتن
 ہر کجا شعر و ادب ہمدرد بستاں ذات تو — ہر کجا بنی است ناست زیب ہوناں داشتن
 بہ تو از کلک تو پیرایہ نشی چہ سرخ — نکتہ از لفظ تو سرمایہ کاں داشتن
 طاہر فکر ت ز شاخ سدوہ ہر ترے پد — مرکب رائے ترا بر عرش جولاں داشتن
 چوں قضا و قدر را باب سعادت را نوشت — نعمت آمد نام پاکت از سیدان داشتن
 رحمت حق یاد چہ سرت ہر کجا داری قیام — ہم بہ تو بنی الہی کار آساں داشتن
 گر عروج و قرب حق جوئی ترا باید نیل — خاک را و مصطفیٰ بر حیرہ انشاں داشتن

تبصرے

ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی از جناب سید جہاں الدین عبدالرحمن صاحب ایم۔ اے۔

ایک ایک جھلک :- تقیہ کلاں پنھانت ۵۰۶ صفحات، کتابت و طباعت اعلیٰ

قیمت: مئے روپیہ۔ تہ: دارالمصنفین اعظم گڑھ (ریوٹی)

انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں ہندو مسلمانوں میں بھڑکے ڈالنے کے لئے ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ کو نسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی تھی تو کی جی تھی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ انہی نے اپنے عہد ہی ہندو یونین کا ایک طبقہ ایسا ہے جو انگریزی عہد حکومت کی اس وراثت کا حامل بنا ہوا ہے اور اس کے اسلامی عہد کی تاریخ سے مورخانہ انصاف اور غیر جانبداری کا بڑا ٹوٹا نہیں کر رہا ہے۔ یہ طریقہ عمل ذکر جس طرح علی بدیانتی ہے۔ خود ملک کے ساتھ دشمنی کے مرادف ہے۔ اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ مسلمان ہندوستان کے روشن و تابناک کارناموں کو مورخانہ ایمانداری اور سنجیدگی کے ساتھ منظر عام پر لایا جاتا تاکہ یہ واضح ہوتا کہ مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں اس ملک کی سیاسی، سماجی، تہذیبی خدمات کس درجہ بلند اور اعلیٰ قسم کی انجام دی ہیں۔ اور اس ملک کو ترقی دینے میں ان کا کتنا گرانقدر حصہ ہے۔ جناب سید جہاں الدین عبدالرحمن صاحب اس ضرورت کی گئیں اس مہورت میں بھی کر سکتے تھے کہ خود تین چار جلدوں میں ایک تاریخ مرتب کر دیتے لیکن ملک کے موجودہ حالات میں اس سے کہیں زیادہ مؤثر اور دور رس یہ مہورت تھی کہ خود نامور و معروفین نے مسلمان فرمانروائوں کے اندریں کارناموں کا اپنی تاریخوں میں جو اعتراف جا بجا کیا ہے اس کو چھ کاتوں بجا کر کے شائع کر دیا جاتا۔ چنانچہ لائق مرتب نے اس کتاب میں یہی دوسری مہورت اختیار کی ہے اور ہندوستان میں عربوں اور غزنویوں کی آمد سے لیکر تیسری عہد کے تھانہ تک کی مسلمان متغیروں اور مہریت دیگران کے طور پر اٹھائیں مودوں کی زبان سے ستائی ہے جنہیں

دو کو چھوڑ کر باقی سب ہندو ہیں یہ داستان اس قدر جامع ہے کہ ان میں مسلمان فراموشواؤں کا داشتن
 حسن نظم و نسق - فراخ حوصلگی و مالی ظرفی - رواداری - علم برداری - ادب نوازی - جمالیاتی داشتن
 صلاحیت حکمرانی ان سب پر روشنی پڑ گئی ہے ظاہر ہے کہ یہ تمام مایہ نسیں انگریزی میں ہیں۔ ان سب کو
 اور پھر اپنے موضوع بحث کے مطابق انتخاب کر کے ان کو اردو میں منتقل کرنا آسان کام نہیں تھا لیکن
 مرتب جو مورخ اور ادیب ہونے کے ساتھ تصنیف و تالیف کا پختہ اور شگفتہ سلیقہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے
 کدھل کو اس خوبی سے انجام دیا ہے کہ تالیف میں تصنیف اور ترجمہ میں اہل کام طلب آتا ہے۔ مگر بہر حال
 یہ ہے دوسروں کے یہ خیالات کا چر بہ اور اُس کو من و عن پیش کیا گیا ہے اس لئے خیالات میں کہیں نہ
 بھی ہے عبارتوں میں ناہمواری اور کہیں کہیں بے ربطی اور تشکیک بھی ہے اور لائق مرتب نے اپنے فاضلہ جو
 ہے اس جگہ کو پر کرنے کی کوشش کی ہے شروع میں ڈاکٹر سید محمود کا مقدمہ بھی کافی بصیرت افزا اور
 و مفید ہے کتاب اس لائق ہے کہ تاریخ کے طلباء کے علاوہ عام اردو خواں ہندو مسلمان بھی اس کا مطالعہ
 نور المصباح حصہ اول از: مولانا محمد منیر الدین صاحب قلع کلاں ضخامت ۳۱۱ صفحات

کتابت و طباعت بہتر قیمت للعلم - پتہ: مکتبہ نقشبندیہ ۳۹۰۵ حسینی علم بارگاہ گلی حیدر آباد

دکن - ۲

برہان کے انہیں صفحات میں مولانا ابوالحسنات سید عبدالرشاد صاحب نقشبندی و قادری و حنفی
 کی گرا نیا تالیف مناجات المصباح کی مختلف ہلدوں کا تذکرہ آچکے ہیں میں مولانا موصوف نے
 حدیث کی مشہور اور متداول کتاب مشکوٰۃ المعانی کے طرز پر اور اسی کے ابواب کی ترتیب کے مطابق
 ان مستند احادیث نبوی کو یکجا کر دیا ہے جن پر فقہ حنفی کی بنیاد قائم ہے اور جن کے مطالعہ سے یہ ثابت ہو
 ہے کہ امام اعظم کا ہر قول اور ہر رائے کسی حدیث یا کسی صحابی یا کسی تابعی کے قول سے ماخوذ ہے نہ غیر
 تبصرہ کتاب اسی کتاب کی جلد اول کا ترجمہ ہے اس حصہ میں کتاب الایمان - کتاب العلم - کتاب الطہارۃ
 تین بڑے عنوانات ہیں اور ہر عنوان کے نیچے کثرت سے مختلف ابواب ہیں ترجمہ شگفتہ و سلیس و رواں ہو
 جو اردو خواں عربی نہیں جانتے مگر حدیث کا ذوق رکھتے ہیں ان کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے

کی کتاب عربی جلد شائع ہو گا۔

عبد ذہنی رجحانات۔ از: جناب عبداللہ قدسی، تقطیع متوسط ضخامت ۱۹۹ صفحات

میتہ و طباعت بہتر قیمت ص ۱۰۰۔ مشتاق بکد پورہ۔ اردو بازار۔ کراچی۔ ۱

گزشتہ بار ہمیں میں پاکستانی معاشرہ میں ذہنی اعتبار سے جو تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں، خواہ وہ ہوں یا برسی اس کتاب میں ان کا جائزہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں لائق ترجمان ترقی پسند ادب ہندو ایک کے آغاز و انجام پر گفتگو کر کے پاکستان میں اردو ادب کی عام حالت پر بحث کی ہے اور اسی ذیل افسانے، ناول اور غزل پر کلام کیا ہے۔ اسی طرح ”ترجمے“، تنقید، تعلیم، آرٹ، مذہب، ان سب کا جائزہ دوست نظر اور ذوق نگاہ سے لیا ہے۔ ان کی صحیح رفتار سنیں کی ہے۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ ہر ایک پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ آخر میں ان تمام اداروں پر تعارفی نوٹ ہیں جو پاکستان میں کسی نہ کسی حیثیت سے علمی یا ادبی کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان خاص خاص کتابوں کے نام ہیں جو مختلف علوم و فنون کے بارہ برسوں میں بھی ہیں۔ پھر ان علمی ذخائر کا ترجمہ ہے جو ملک کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتاب اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں معاشرہ کا جائزہ دیا گیا ہے۔ پھر اردو رعایت تبصرہ کیا گیا ہو۔ پھر انداز بیان بھی شگفتہ اور ادیبانہ ہے اس لئے یہ کتاب بڑی دلچسپ ہے اور مفید بھی۔ اس ایک کتاب کا مطالعہ مسیوں کتابوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

حلیں ہند کی علم پروری۔ از: جناب محمد حفیظ اللہ صاحب۔ تقطیع خورد۔ ضخامت ۱۶۸ صفحات

میتہ و طباعت بہتر قیمت ص ۱۰۰۔ (۱) سلم اکادمی پبلواری شریمنڈ پٹنہ، (۲) مکتبہ بریلان، انڈیا، اجا پتہ مسجد علی ہسپا کا نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں مختلف مورخین کی شہادتوں کی روشنی میں پہلے ہیٹا آگیا ہے ہندوستان کے مسلمان علوم و فنون کے کس درجہ قدر دان تھے اور کس فیاضی اور سیر خشی کے ساتھ ان کی سرپرستی کرے تھے ان سلسلہ میں اپنے اور بیگانے میں بھی تمیز نہیں کرتے تھے۔ چند صفوں میں ہر ایک عام گفتگو کرنے کے بعد فائدہ ان بخاندان گفتگو کی ہے جو ہندوستان کی خود عمائد حکومتوں اور دکن تک پرتش ہے اور ہر فائدہ ان کجا و شاہوں کی علمی فیاضی کا حال بیان کیا ہے۔ کتاب دلچسپ

بھی ہے اور مفید بھی۔ مگر افسوس ہے کہ حوالے بہت کم ہیں اور جو ہیں بھی وہ اکثر جگہ نامتام اور نامکمل ہیں۔

انسٹروکشن ٹو اسلام (انگریزی) اندر جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ تقی علیؒ کی ضخامت ۲۲۵ صفحات، ٹائپ ملی اور روشن قیمت صر۔ پتہ :- صیب اینڈ کمپنی۔ اسٹیشن روڈ۔ جدر آباد دکن۔

یہ کتاب کا دوسرا ڈیشن ہے پہلے ڈیشن پر تبصرہ ہو چکا ہے جو اس قدر مقبول ہوا کہ چند مہینوں میں ہی ختم ہو گیا اور دوسرے ڈیشن کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس ڈیشن میں وہ تمام ابواب ہیں جو پہلے تحفے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سیرت، اسلامی تعلیمات کی حفاظت، اسلام کا تقویریات، عقیدہ، عبادات، نظام روحانی، اخلاقی اور معاشرتی و اقتصادی نظام، اسلام میں عورتوں کا اور غیر مسلموں کا مرتبہ، علوم و فنون میں مسلمانوں کا حصہ، اسلام کی تاریخ پر ایک سرسری نظر، ایک مسلمان کی روزمرہ کی زندگی، ان بساحت کے علاوہ ضمیمے، نقشے، فہرست، اعلام، نماز ادا کرنے کے نوٹ وغیرہ بھی ہیں۔ ان کے علاوہ مزید خوبی یہ ہے کہ پہلے ڈیشن میں جو بعض خامیاں رہ گئی تھیں اور جن کی نشاندہی بعض تبصرہ نگاروں یا دوستوں نے خطوط کے ذریعہ کی تھی ان کی بھی اصلاح کر دی گئی ہے۔ اس لئے "نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول" کا مصداق ہے۔ امید ہے کہ پہلے کی طرح یہ ڈیشن بھی مقبول اور کامیاب ہوگا۔ فاضل مصنف یار غیر میں بیٹھے ہوئے اسلام کی جو ٹھوس خدمات انجام دے رہے ہیں اس پر وہ مسلمانوں کی طرف سے شکر یکے مستحق ہیں۔

بجنا کا اللہ جزاء خیراً۔

ندوة المصنفین دہلی کی جدید کتاب

حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط

قیمت مجلد بارہ روپے۔ غیر مجلد گیارہ روپے

اتحادیہ نبوی کا شعاع اور ذخیرہ
اردو زبان میں

ترجمان القرآن

”ترجمان سنت“ حدیث شریف کی ایک ایسا جوابی کتاب ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کو روایتِ نبویؐ کی حقیقت اور مستند حدیثوں کے فوائد اور نئی چیزیں یاد دلانی میں مدد ملے۔ اس کتاب میں احادیث نبویؐ کے معانی و تفسیر کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل کی دلچسپ تشریح و توضیح بھی کی گئی ہے اور اس شریف کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر مسلمان کی دل و دماغوں کی بھی ایسی پوری رہائی ملے گی ہے۔ ترجمان سنت کی ایک ایسی مجموعہ ترجمان کی طرف توجہ اور تعلق کے مطابق اسلامی طریقہ میں ایک علمبرداران اور زبردست اضافہ ہوا ہے۔

کتاب کی ترتیب ان کے علم و فاضل کی ہے۔
(۱) متن مع اعراب (۲) سطحیت اور عام فہم ترجمہ (۳) پروردگار پر
عقائد شریعت و فطرت (۴) باب کے خاتمے پر بلند و بلند شوق کے مطلق ایک حصہ عام
اور سیر حاصل جو بحث۔

جلد اول میں کے شروع میں ایک سید اور متحققانہ مقدمہ بھی ہے۔ اس میں
 اور شاہ صاحب کی تصانیف اعماد شیعہ کے دورِ اشتداد و اعتبار میں
 کی تاریخ حتمیہ وراثت اور دیگر معلومات تفصیلی کلام کیا گیا اور درجہ
 فقہاء شیعہ کے ضروری حالات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب التوحید کے اصل کتاب
 شروع کی گئی ہے۔ قطع ۲۹۳۲ صفحات ۵۹۶ قیمت ورنے کے مجلد بارہ روپے۔
 اس جلد میں کتاب الايمان والا سلام کی ۵۰۰ حدیثیں کا مختصر ہے۔
 جلد دوم صفحات ۵۱۲ قیمت ورنے کے مجلد گیارہ روپے۔

اس میں کتاب الایمان کے تحت بابوں کے علاوہ نو ریسی کتاب المانیہ اور جلد سوم بھی آگئی ہے صفحات ۵۵ قیمت دس پونے آٹھ آنے جلد بارہ پونے آٹھ آنے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی - ۶

برہان

مندوۃ المصنفین دہلی کا علمی مذہبی اور ادبی ماہنامہ

’برہان‘ کا شمار اول درجہ کے علمی مذہبی اور ادبی رسالوں میں ہوتا ہے اس کے گذشتے میں نفیس ترین مضامین کے پھول بڑے سلیقے سے سجائے جاتے ہیں۔ فوہالاب قوم کی ذہنی تربیت کا مال ہر دست کرنے میں ’برہان‘ کی قلم کاریوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ اسکے مقالات سنجیدگی، تمامیت اور مرد قلم کا جواب نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر آپ مذہب و تاریخ کی مستقیم حقیقتوں کو علم و تحقیق کی جدید روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے ’برہان‘ کے مطالعے کی سفارش کرتے ہیں، یہ علمی و تحقیقی ماہنامہ اکیس سال سے پابندی وقت کے ساتھ اس طرح شائع ہوتا ہے کہ آج تک ایک دن کی تاخیر نہیں ہوئی۔

’برہان‘ کے مطالعہ سے آپ کو ’مندوۃ المصنفین‘ اور اس کی مطبوعات کی تفصیل بھی معلوم ہوتی رہے گی، آپ اگر اس ادارے کے حلقہ معاونین میں شامل ہو جائیں گے تو ’برہان‘ کے علاوہ اس کی مطبوعات میں آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔

’برہان‘ کی سالانہ قیمت چھ روپے ہے۔ فوہرے ملکوں سے گیارہ شلنگ

لغہ معاونین کی کم سے کم سالانہ فیس تیس روپے

مزید تفصیل دفتر سے معلوم کیجئے

برہان آفیس اردو بازار لاہور

عظیم ہونوئی کے محترم سرکار نے البتہ پریس دہلی میں شائع کیا کہ خبر برہان دہلی سے شائع کیا۔

